

کیا اسلام آئین اسلام ہے؟

کیا اسلام آئین اسلام ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر افرارہ وحید کی روشنی میں تحقیقی جائزہ
 اور مہاترہ اسلام آئین کا نمونہ

کیا اسلام آئین اسلام ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر افرارہ وحید کی تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر افرارہ وحید کی تحقیق

کیا اہمارا آئین اسلامی ہے؟

آئین پاکستان کا قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ
اور معتبادل اسلامی آئین کا نمونہ

شیخ الحدیث
حضرت مولانا نور الہادی صاحب دہلوی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۔	پیش لفظ	۱
۲۔	حرف آغاز	۳
۳۔	باب اول - حاکمیت کس کا حق ہے؟	۲۶
۴۔	باب دوم - دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے مابین تضادات	۳۲
۵۔	پہلی فصل - شریعت کی ثالثیت کا قانون کی شکل دینا کفر ہے۔	۳۲
۶۔	دوسری فصل - دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں	۴۹
۷۔	پہلا تضاد: نماز، حج، زکوٰۃ، لیسان کی غائب اکثریت کو ظلمی حق کا قانون سازی حاصل ہے۔	۵۰
۸۔	دوسرا تضاد: پھل، انجمن، اوراد اور سے حرم کے کھانے اور کھانے سے بالاتر تھا۔	۵۰
۹۔	تیسرا تضاد: سربراہ پر استثنائی حدود کو حرم کے جرائم معاف کرنے کا حق ہے۔	۵۱
۱۰۔	چوتھا تضاد: قاضی کے لئے عادل ہو نے کی شرطیں لگائی گئی تھیں مسلمان ہونے کی شرط بھی شرعی عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے۔	۵۳
۱۱۔	پانچواں تضاد: سربراہ پر استثنائی کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی۔	۵۹
۱۲۔	چھٹا تضاد: ہر اس شخص کو سراسر قطعاً فرما دیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس حال کو کاغذی طور پر جرم قرار دینے کا جائز ہے۔	۱۳۱
۱۳۔	ساتواں تضاد: ایک جرم پر دوسرے جرم کی مطلق برابری	۱۳۶
۱۴۔	آٹھواں تضاد: دو دھوکے خالے سے دستور کا موقف	۱۴۷
۱۵۔	باب سوم - دستور کے بیان کردہ سائل شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں۔	۱۴۹
۱۶۔	پہلی فصل - دستور کا دینا چاہیے "قرارداد یا خاصہ" اور نہ "قانون" اور نہ "عرف"	۱۴۹
۱۷۔	دوسری فصل - دستور کی دفعہ ۱۳۳ اسلامی طرز زندگی	۱۵۹
۱۸۔	تیسری فصل - دستور کی دفعہ ۱۳۸: سود کا حاکم	۱۶۳
۱۹۔	چوتھی فصل - وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ نہیں، باب ۱۳: اہل	۱۶۳

نام کتاب

کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟
شیخ الحدیث مولانا نور الہدیٰ صاحب دامت برکاتہم

تعداد

پانچ سو

تاریخ اشاعت

جون ۲۰۱۱ء

ناشر

مکتبہ مدینہ

- ۲۰۔ پانچ برس فصل، دستور کا حصہ، اسلامی احکام و فرائض ۱۲۱ تا ۱۲۳
 ۲۱۔ کتاب پڑھنے والے کو گناہات اور ان کے جواب
 ۲۲۔ شرعی عدالت کا اصول
 ۲۳۔ کیا آپ اللہ کے شریک متب کر کے کیلئے تیار ہیں؟
 ۲۴۔ دولت کی شرعی حیثیت

۱۷۹
 ۱۸۰
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۳۰

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسولہ محمد وعلى آله وصحبه اجمعين .

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول کے آغاز سے قبل چند امر ہر ذہن میں رکھنے ضروری ہے۔

دور جدید کی تعلیم اور ان کے نظام ہائے حکومت باہم کوئی نہ کوئی دستور و آئین رکھتے ہیں خواہ پارلیمانی نظام ہو یا صدارتی حتیٰ کہ مارشل لاہ بھی کہ جس میں اظہار آئین یا اس کی بعض شقیں معطل ہوتی ہیں آئین کو بالکل ختم نہیں کرتا۔

موجودہ دور میں آئین کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے بالخصوص پاکستان میں، بات بات پر اس کے حوالے دیئے جاتے ہیں حکومتیں آئین پر عملدرآمد نہ کرنے کے حوالے سے مطعون کی جاتی ہیں اسے ایک مقدس آسمانی تحفہ سے زیادہ مقدس دیا جاتا ہے اس کی کسی ایک شق کی خلاف ورزی پر بھی کیا معافی، کیا سیاستدان، کیا عدلیہ اور کیا پارلیمان سب ہی ہبک زبان چبھاتے ہیں۔ قرآن کریم کے کئی احکام پاؤں تلے روند دیئے جائیں پرواہ نہیں مگر ضرور آئین کی کسی شق کی بھی خلاف ورزی ہو تو قلم سے لیکر تراز و تک سب حرکت میں آجائے ہیں ایک شور مچاؤ جاتا ہے۔

دور قدیم کی سلطنتیں اور حکومتیں آئین نامی کسی چیز سے آشنا نہ تھیں سوائے مشہور زمانہ منسکر چنگیز خان کے کہ جس نے "یاسق" نامی آئین تشکیل دیا تھا اس کی اور اس کی اولاد کی حکومت "آئینی" ہونے کے باوجود ظلم و ستم میں ایک منسوب الخلق بن چکی ہے۔ حتیٰ کہ خلفائے راشدین بلکہ بدلت خرد نبی

کریم علیہ السلام کی حکومت آئین نامی شی ہے؟ آتشباری۔

ان سے پہلے حضرت سیدنا یوسف، سیدنا داؤد، سیدنا سلیمان اور حضرت طاہر علیہم السلام کی حکومتیں بھی آئین نامی کسی تحفہ کے وجود سے خالی رہیں، دشمنان بنو امیہ و بنو عباس بھی آئین کا نام و نشان نہیں مانتے۔

دراصل مسلمانوں نے قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے بعد کسی آئین کی خلاف ورزی مخصوص نہ کی۔ اور ان تمام حکومتوں میں کبھی عوام کے بنیادی حقوق کو کوئی خطرہ درجش نہیں ہوا مثلاً دُعا و واقعات کے علاوہ عوام کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ رہے اور ان شاذ و نادر واقعات کا بھی فوری نوٹس لیا جاتا انصاف سنا بلاتأخیر، برداشت اور ہر جگہ مسرتی مگر جب سے دنیا میں آئین نظام حکومت کا جز بننا ہے اگرچہ اسے مملکت اور عوام کے درمیان کیا ہوا عوام کے حقوق کا ایک محافظ معاہدہ سمجھا جاتا ہے مگر ہمیشہ سے اس کی ایک بے جان لاش سے زیادہ کی حیثیت نہیں رہی۔

تاہم دیکھیں طور ان پر کسی ملک کی حیثیت جاتا ہے کہ ملک جمہوری ہے، پارلیمانی یا صدارتی وغیرہ وغیرہ۔ مسلم ممالک میں بھی کئی ایسے ہیں جہاں آئین تشکیل دے گئے مگر وہ آئین ان کے قومی مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے عوام مسلمان مگر ان کے آئین تشکیل کرنے والے اسلام سے لاعلم ہونے کی وجہ سے آئین کے دشمنان اسلام سے متصادم ہوتے۔

مثلاً ہمارے ملک پاکستان کی تشکیل کے بعد کی مرتبہ آئین سازی کا عمل دہرایا گیا مگر کوئی بھی آئین منصفہ اسلامی احکام کا آئینہ دار نہ بنا سکا۔

۱۹۷۳ء کا آئین جس کے بارے میں مشہور و غوغا رہا کہ یہ واحد تحفہ اسلامی آئین ہے قرآن و سنت سے متصادم تمام آئین کے خاتمہ کا ضامن ہے۔

مگر جب اس کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا جیسا کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب میں لیا گیا ہے تو اس کی اصل حقیقت واضح ہوئی کہ یہ محض ایک فریب نظریہ کے سوا کچھ نہیں۔

آج تب تو یہ ہے کہ یہ نظریہ آئین کوئی کا رہنما کی تعریف و توصیف سے کیسے بنا؟

یہ آئین جنوں اور دکلاؤ کے علاوہ سب کی سمجھ سے بالاتر ہے، اگر حضرت اہل بیت علیہم السلام کے ہاتھوں میں غور و فکر کر لیتے تو اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کو پشت از باہم کہہ سکتے تھے مگر شاید یا تو ان کو سلفہ کی فرصت نہیں ملی یا پھر ان کا اس طرف خیال نہیں گیا حالانکہ اس آئین سے انکا تعلق بالواسطہ نہ کسی بالواسطہ مگر تعلق رہا کیونکہ اسلامی عدالت میں ایک غرض تک پہنچ رہے اس آئین میں جتنی وزارت اسلام کے نواہ سے ہیں وہ سب کی سب کو فریب اور حوکہ چھٹی ہیں قلم آئین میری اس بات پر ہرگز تہران نہ ہوں ان شاء اللہ انھیں اس کتاب کے نفاذ سے پتہ چل جائیگا۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کا بڑے بڑے اکابر و زعماء اور ان کی پیروی میں عوام آج تک اسلامی دستور دیکھتے رہے حالانکہ اس کی دفعات اور شقیں مذاہم اسلام سے اصول کے مطابق ہیں نہ احکام و مزاج کے۔ آپ کے ہاتھ میں موجود یہ کتاب امت مسلمہ کے لئے ایک الہامی تحفہ سے کم نہیں۔

کتاب کی ترتیب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

اگر کسی چیز کا رد ہے تو ذائقہ کا رد اور رائج باہر سے، جن سے موجودہ آئین کا اصل چہرہ اور حقیقی ماہیت دنیا کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے اور ہمارے حکمرانوں، قانون سازوں، سیاستدانوں، اور پیشوا اسٹیبلشمنٹ کا قوم کو اس آئین کے اسلامی دستور باور کرنے کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

دب ذوالجلال سے دعا ہے کہ اس کتاب کو ہر پوری امت کے لئے نافع اور باعث شعور، اور ہم سب کے لئے ذریعہ اور وسیلہ مضامین اعلیٰ بنائے۔

شرف الہدیٰ جہاراخیل

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

2011.3.3ء

حرف آغاز

پاکستان اور پاکستان کے آئین کے متعلق کروڑوں اہل وطن کی خوش چینی اور اس کے اسلامی ہونے کے یقین ہونے کی وجوہات۔

(۱) ہماری دینی و مذہبی، سیاسی جماعتوں کے قائدین کا اس کو اسلامی آئین کہنا، اسی لئے اس کو اسلامی بنانے کے لئے کوئی جماعت تحریک نہیں چلائی۔

(۲) یہی جماعتیں اس آئین کا تحفظ بھی کرتی ہیں، مثلاً ہمارے مذہبی قائدین فرمایا کرتے ہیں کہ حکومت یا کسی اور کا یہ اقدام آئین کے خلاف ہے، ہم اپنا نہیں کرنے دینگے، بلکہ آئین کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔

(۳) عوام کا یہ خیال، کہ کئی نظام اس آئین کے مطابق چل رہا ہے اور صحیح چل رہا ہے، اور اس میں خوفزادیاں ہیں، وہ ان کو نظر نہیں آتی جہالت یا پھر معاشی اور دیگر گونا گوں اوجھلوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے۔

(۴) اہل علم کی غفلت و لاپرواہی کی وجہ سے یہ حضرات ناس آئین کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں غور و خوض۔

(۵) اس ملک اور اس کے آئین کے اسلامی بنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ بیرونی کفریہ قوتیں ہیں، اور ہمارے فکرمندان اور سیاست دان سب کے سب ان کفریہ بیرونی طاقتوں کے سامنے جھکنے اور کھینکے ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ فیرتی، ہمارا دینی و مذہبی سیاسی جماعتوں کا چاروں سال سے ایک ہی تحریک کی کاملاً طریقہ کار ہے جس کی چند صورتیں ہیں:-

(۱) اپنے اپنے اجلاسوں میں قرارداد پاس کروانا (۲) پریس کانفرنس کرنا

(۳) انٹرویو دینا (۴) مظاہرہ کرنا (۵) احتجاجی جلسوں کا اہتمام (۶) احتجاجی جلسے کرنا (۷) دہرائیانا (۸) لاکھ مارچ (۹) ہڑتالیں کرنا (۱۰) سوشل بائیکاٹ کرنا (۱۱) استقبالیہ، دعوتیں، اظہار پارٹیاں، میڈیٹن پارٹیاں، ریشائے، ہڑتال وغیرہ، یہ سب طریقہ اظہار سے لئے گئے ہیں۔

اس کام کا طریقہ کار کے ذریعہ یہ ہماریس تو آئین پاکستان کو اسلامی آئین بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو اس ملک کو اسلامی ملک بنانا اور اس میں اسلامی نظام قائم و دائم کرنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ (ایں خیال است بحال است جنوں)۔

ان قائدین کی خدمت میں اگر کوئی یہ گزارش کرے کہ یہ طریقہ کام سے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس آئین کو اسلامی آئین بنانے کے لئے اور اس ملک کو اسلامی بنانے کے لئے اور اس میں اسلامی نظام قائم و دائم کرنے کے لئے تو ان جماعتوں کے قائدین جواب فرماتے ہیں کہ ہماری جدوجہد پر اسن ہے اور اس کا بھی طریقہ یہ ہے ہمارے قائدین نے پچھلے سال کا تجربہ نظر انداز فرما دیتے ہیں، امندہ ذیل چند خطوط میں ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام اور اسلامیات کا نظام کبھی بھی پر اسن طریقہ سے قائم ہو اور نہ نافذ، بلکہ تجربہ شامد ہے کہ کفر اور کفریات کا نظام پر اسن طریقہ سے قائم و دائم ہو سکتا ہے اس کی دلیل کے طور پر ہم صاحب کھٹے ہیں کہ حافظ محمد صاحب کا ایک مضمون کچھ اختصار کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ یہ ہے:-

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ سفری تہذیب سب سے پہلے نگاہ پر جھڑپا کر رہتی ہے نگاہ وارہ ہو جائے تو انسان نفسی آوری میں مبتلا ہو کر شرف انسانیت سے گر جاتا ہے اور حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے، مغربی تہذیب جو کہ آزادی کے نام پر جاتی ہے اور کج خلقی آزادی پر بیخ بونی ہے مغرب جس رنگ میں خود رنگا ہوا ہے عالم اسلام کو اسی رنگ میں رنگنا اس نے اپنا طریقہ طرہ لایا ہے وہ ہوتا ہے کہ اپنی سازشوں کو پائے پھیل سیکھتا ہے لے مسلمانوں کو سب سے پہلے ایمان سے محروم کرنا ضروری ہے، ایمان سے محرومی سب سے پہلی سیریز نگاہ کی ناپاکی ہے، نگاہ ناپاک ہو جائے تو اگلے مرحلے آسان ہو جاتے ہیں۔

یہ ہے مغرب کی اخلاقی سحران اور نظائر سے کہ مسلم معاشروں کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے، ہم جس چیز کو فاشی، مریائی، نرانا سے تعبیر کرتے ہیں اسے جدید دور کی زبان میں لطافت اور کھلے تعبیر کہا جاتا ہے۔

مغرب کے ماور پدہ آزاد کچھ کورنڈو دینے اور معاشرے کو گھسی زدہ بنانے میں مندرج ذیل ذرائع قابل ذکر ہیں۔

(۱) ریڈیو (۲) ٹیلی ویژن (۳) اخبار ، رسائل ، ڈائجسٹ (۴) سنیس سے بھر پور کتابیں ، ناول ، اسٹائٹ (۵) ٹیلی تصویروں پر مبنی اشتہارات ، سائن بورڈز (۶) سوبائیل فون ، مختلف سوبائیل کمپنیوں کے سینے بکچ (۷) کی وی ڈرامے ، اور اسٹیج ڈرامے (۸) ٹیلیویشن گائے (۹) فلم (۱۰) سیکورٹو فلم جو تعلیم مخلوط تعلیمی ادارے (۱۱) انٹرنیٹ ، کمپیوٹر ۔

یہ تمام ایسے ذرائع ہیں جن سے ہمارے معاشرے کے ہر فرد کسی نہ کسی طور سے واسطہ پڑتا ہے، آپ راہ محل رہے ہیں اچانک ایک بے ہودہ سائن بورڈ آپ کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے، آپ نگاہیں پھیر لیتے ہیں گھر تو آگئے چلتے ہیں تو ایک اور سائن بورڈ پہلے سے زیادہ جش تصویر کے ساتھ آ موجود ہوتا ہے، ڈار آگئے چلتے ہیں تو ویسائی، نظر ہوتا ہے اس طرح دن میں دسوں مرتبہ ایسے سناٹے سامنے آتے ہیں اور کہیں نہ کہیں آپ نظر بھر کر ان تصویروں کو ضرور دیکھ لیتے ہیں ۔ یہی سوتھ ہوتا ہے جب شیطان کو اپنا کام کھانے کا معتدل آ جاتا ہے ۔

فی زمانہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سب سے بدتر جن آلات ہیں ۔ جو انسان کو اپنے جال میں پھنسانے بغیر نہیں رہتے ۔ بڑے بڑے پارسیاں کو اس تمام میں نگاہ بکھا گیا ہے اس لئے کہ یہ بظاہر سب سے محفوظ آلہ ہے جو انسان کی دوسر میں رہتا ہے اور اکثر اوقات کو دوسرا دیکھنے والا نہیں ہوتا، ایسے میں شیطان آکساتا ہے اور انٹرنیٹ کے سمندر میں موجود جش سائینس کھولنے پر مجبور کرتا ہے یہی سہاٹی کا آغاز ہوتا ہے اس لئے کہ ان سائینس پر انسان دو سب کچھ سمجھ آسانی سے دیکھ لیتا ہے جس کا وہ ایک پاکیزہ معاشرے میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اور نہ ہی اس کا دین و اخلاق اس کی مہارت

دیتے ہیں ۔ مغرب کی طرف سے مدارس دینے میں کمپیوٹر کی تعلیم عام کرنے کا دوا اور دوا ایسا لئے بہت زیادہ رہتا ہے کہ وہ جانتا ہے ۔ اس ذریعے سے امت کے صالح طبقے کو بھلانا نہایت آسان ہے، آپ جانتے ہیں کہ دل اور گناہ پاک ہو جائیں تو علوم نبوت کی ترسیل قلوب تک ممکن ہو جاتی ہے ۔

انسان الفاظ پر چڑھ لیتا ہے لیکن علوم نبوت کی حقیقت دل میں نہیں اترتی ۔ کاش کہ افکار امداد اس العربیہ کے ارباب اختیار اس حقیقت کو جان لیں اور مدارس کو کمپیوٹر زدہ کرنے کے بجائے کمپیوٹروں سے پاک کرنے کی کوشش کریں ۔

مسلم معاشرے کو فاشی و مریائی میں جکڑا کرنے کے مختلف ذرائع ان کے غاواہ اور بھی ہیں مثلاً:-

(۱) بیوی پارلز ۔

ذرائع و ہمارے ہر عورت کے ذہن میں بٹھا دیا ہے کہ وہ بھیدی سے کالی ہے جب تک بیوی پارلز کا رخ نہیں کرے گی وہ قبول صورت نہیں ہو سکتی خوبصورتی کا اتنا چرچہ پکینڈہ کیا گیا کہ آج بڑے بڑے دفنی گھرانوں کی عورتیں بھی بیوی پارلز کا رخ کرتی نظر آتی ہیں۔ بظاہر بیوی پارلز خوبصورتی آرائش و زیبائش کے مرکز ہیں مگر وہ پردہ و ناکے آؤ ہے ہیں ۔ اکثر بڑے نامور بیوی پارلز میں مرد درک ہوتے ہیں جن کے مضبوط ہاتھوں کے ذریعے عورتیں فیصل فیصل مساج، ہاؤ مساج کے محل سے گزرتی ہیں۔ ان پارلز میں ایسی کامیٹکس استعمال کی جاتی ہیں جو عام عید کے در سے بھی ہوتی ہیں ۔ بیوی پارلز مسلمان عورتوں کو غیر معمولی طور پر متاثر کر رہے ہیں اور انہیں اسلام سے بچانے کی ضرورت ہے۔

(۲) ملبوسات کچلر ۔

معاشرے کو گھسی بنانے کا ایک نہایت مؤثر اور اہم ذریعہ ملبوسات ہیں ۔ لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ دنیا دہانے سے وابستہ ہے لیکن مسلمان عورتوں کو ایمان سے محروم کرنے اور مردوں کا مرکز نگاہ بنانے کے لئے اس ذریعے سے زوردار کوششوں کا آغاز پچھن سے ہی کر دیا جاتا ہے ۔ چھوٹی معمولت بچیوں سے لے کر سیدہ گیارہ سال کی بچیوں کے پڑے میڈلبوسات ایسے ہوتے ہیں

جو شراب انسان کی نگاہ میں بھکا دینے کے لئے کافی ہوتے ہیں، اس سلسلے میں مختلف تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ فشن شوز منعقد کئے جاتے ہیں، جہاں نیم عریاں نوجوان عورتیں بے تنگم لباس پہن کر مردوں کے سامنے کیٹ، واک (پلی کی چال) کرتی ہیں۔ بعد میں ان کی تصاویر اخبارات اور رسالوں و نذرانہ میں شائع کی جاتی ہیں۔

(۳) کچلر شوز کا انعقاد:-

مردوں کو آپس کے سکے اختلاط کا موقع فراہم کرنے کے لئے کچلر شوز بھی منعقد کئے جاتے ہیں جہاں ڈرامے، گانے، فشن لطائف پر مبنی پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچلر شوز میں نوآموز لڑکوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے، تاکہ وہ اپنی بے باکی کا مظاہرہ کر سکیں۔ اس طرح کے پروگراموں میں بڑے لڑکے لڑکی کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ حصہ لے سکے۔ اس طرح کے پروگراموں کے انعقاد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طبقہ گناہ کا احساس سے عاری ہو جائے اور حرام امور کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ سمجھ کر قبول کرے۔

(۴) جنسی تعلیم:-

مسلم معاشرے کو بے راہ رو کرنے اور اسے دین و اخلاق اور دنیا و دھرم سے بے گناہ کرنے کا ایک طریقہ جنسی تعلیم کا بھی ہے۔ پاکستان کے بڑے شہروں کے بعض فنی تعلیمی اداروں میں اس کا آغاز کیا جا چکا ہے، اس تعلیم کا مقصد خیر کی اشد نصیحت نہیں بلکہ غلط تعلیمی نظام میں لڑکے لڑکی کا تعلق قائم ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات اپنی نا تجربہ کاری کے باعث والدین کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں، اس کے سدباب کے لئے انہیں غلط جنسی تعلقات کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

(۵) شراب خانے:-

شراب ام المیائے جہے مسلمانوں کا اور انجیلیت جس کا شکار انوں اور سرمایہ داروں سے تعلق ہوتا ہے، تقریباً اس کا رسیا ہے لیکن عوامی سطح پر پہلے اس سلسلے میں سرگرمی نہیں تھی، جسمانی، بتیں میں

اکا کا شراب خانے ہوتے تھے، لیکن اب نڈل کاس محلوں میں بھی شراب خانے کھل رہے ہیں۔ (۶) موبائل فون کا کچلر:-

جب سے موبائل فون آیا ہے شیطان تو فون کو مسلم معاشرے میں نقب لگانے کا آسان موقع فراہم ہوا ہے، اس موبائل فون نے کتنے ہی گھرانوں کو اجاڑ دیا ہے اور یہ کتنی ہی پاک دامن بھولی بھالی بچیوں کی عصمت کو تار تار کر چکا ہے، موبائل کمپنیوں کے لیٹ نائٹ ٹیکس اس سلسلے میں نہایت مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ایک تاج کا اندازہ اس سے لگائے کہ ایک مرتبہ جناب اسلمی کی ایک خاتون رکن اسلمی نے موبائل کمپنیوں کے سسٹم ٹیکس کے تاج پر گفتگو کرتے ہوئے سرکاری سطح پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا، موبائل فون نے بد معاشر اور شیطان صفت لوگوں کو نہایت شریف گھرانوں کی بچیوں تک رسائی کا آسان موقع فراہم کیا ہے، موبائل فون پر جب کوئی درندہ بھولی بھالی بچی کو سہانے خواب دکھا کر درغلطا ہے، تو اسے اپنے ہدف تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔

(۷) ٹی وی کی پیش کش کرتا ہے؟

پچھلی طور میں جتنے بھی امور ذکر کئے گئے، ان سب کا استاذ اگر ٹی وی کو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ جس طرح شراب ام المیائے جہے اس طرح ٹی وی ایوانہ الصاعی ہے، دنیوی انسان کے اخلاق و کردار کو بگاڑنے اور رخصتی بے راہی میں مبتلا کرنے میں ہم کردار ادا کر رہا ہے، دنیوی پرورش ڈرامے، گانے بھانے کے پروگرام، دنیوی پرائے و لیلے کا شوز مباحثے، ریسے، ڈیل فکشن کا فونڈ پیش کرتے ہیں، ٹی وی کی اسکرین پر آنے والی مختصر لباس میں عریاں عورتیں، ڈراموں میں ذمہ معنی پیش لٹائف، مگنڈے اور گھٹیا کرداروں جو ان نسل کو تباہ کر رہے ہیں، مختلف ٹاک شوز میں ہونے والے بحث و مباحثے نے تہذیب و اخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے، بعض ایسکر پرین دین و مذہب کے بارے میں ایسے سوالات اٹھاتے ہیں جن کا مقصد سوائے ناظرین کے نلوں میں فکوک و شہادت پھیلانے اور انہیں ارتداد کی طرف راہل کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ریلی پڑنے معاشرے کو کیا دیا؟

جس کی وہی نہیں تھا یا نی دی عام نہیں تھا تو بولے یونہایت جتنی کہ غبار کیا جاتا تھا، لیکن کو باطل قوتوں سے اپنے پروپیگنڈے کے لئے خوب استعمال کیا، لیکن یوں کہ ذریعہ خبریں منظم کرنا ایک جزوی ناکامی ہے، لیکن چوبیس گھنٹے کے دوران کیا جائزہ لیا جائے۔

تو ریلوے چوٹی پھیلانے ایک زیست آکر ہے، پچھلے کئی سالوں سے ایف ایم ریلوے چوٹیوں نے معاشرے کو تارہ کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، بعض ریلوے چوٹیوں اسلامی پروگراموں کا تذکرہ کیا کہ اپنے آپ کو اسلام پسند ثابت کرنے کی تاک ماکش کرتے ہیں گردن ہمارے شیلڈ میں کھینچنے کا سبب زیادہ ہوتا ہے خون کارڈ میں زیادہ تر لڑکیاں ہوتی ہیں اور ریلوے چوٹیوں سے جس قسم کی کپ شپ کرتی ہیں اسے شخص سننے کے لئے حوصلہ دینا ہے، خصوصاً لیت ٹائٹ ٹھنگو میں تو اخلاق و فساد کی تمام حدیں پار کر دی جاتی ہیں، اور محسوس ہوتا ہے کہ شیطان کا نچر ہے۔

نذرہ بالا ذکر کردہ اور گرامیوں کی نہایت ہی اس وسوسوں کے ساتھ بلا کسی مزاحمت و مضام کے کیا کہ ہر شخص کے دل کو رعب و گھبراہٹ پہنچانے کے لئے اور ان کی باتوں کے ذرائع دوسراں کے ایجاد و اشاعت میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آتی لیکن کسی ملک میں اسلامی نظام کا قیام و خلاف ذکرہ بالا اور ہم اس طرف سے مانگے، جس کا چھٹھ سالہ طویل المدت تجربہ شام عدل ہے البتہ اس کے لئے دوشراں ہیں ان کو ٹھہرا کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۱) یہ جماعتیں انہیں جہاد پر اس طرف توجہ دینے کے لئے اساتذہ اور بنیادی مقاصد کے لئے تحریک شروع کریں۔

(۲) ادنیٰ کارکن سے لیکر مرکزی قیادت تک اغلاس کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام و نفاذ اور اس ملک کو اسلامی حکومت بنانے اور اس ملک کے آئین کو اسلامی آئین بنانے کی تحریک عبادت سمجھ کر شروع کریں، آج تک دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے کارکن آجیں میں گروپ بندی اختلافات اور بغض و حسد اور گنہہ میں جتا ہو کر ایک دوسرے کی غیبت ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈے اور دیگر ناکامیہ حالات میں جتا اور معروف رہتے ہیں یہ اختلافات کبھی مہمروں کی وجہ

کبھی چندوں کی بنیاد پر کبھی مرکزی قیادت سے تعلقات اور کبھی بیرونی شہرت کی وجوہات پر ہوتے ہیں، اگر یہ کارکن ان تحریکات کو جی تحریک اور اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کی نیت سے عبادت سمجھ کر چلائے تو ان میں یہ جھگڑے اور پارکاری و کاروبار اور صلہ سازیاں نہ ہوتی اور نہ توہم و کثرت کے خواہش مند ہوتے مذکورہ بالا طریقے اس تاک ماکش کا رکارڈ ایک نقصان یہ ہے کہ ان کے کارکن و قائدین اپنی غیبت سے بالوں کوں سے چندہ نہ کر کے ان کے پیسوں سالوں میں ماریوں و بے ضابطہ کر کے پھینک دیں لیکن ناکامی و صغر ہے، کیا ان قربات کے متعلق اللہ شہان قیامت میں سوال نہیں فرمائیں؟ ضرور!

۱۹۷۹ء کے آئین کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو مکمل سمجھنا صرف بیچ حضرت اور اعلیٰ عدالتوں کے چوٹی سے دکھا، کا ہی کام ہے لیکن ان کا مطالعہ آئین کی دفعات کی روشنی میں کیوں اور مقدمات کی فیصلوں تک محدود رہتا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اور ان کا مشعرہ کے ساتھ موازنہ اور یہ فیصلہ کرنا کہ یہ آئین اسلامی ہے یا نہیں؟ یہ ان حضرات کی بس نہیں ہے، پورے دنیا ہی ان کے فرض منصبی میں شامل ہے، بلکہ یہ کام رہتی جماعتوں کے قائدین اور اس ملک کے جدید علماء کا ہی کام ہے، ان کو چاہئے کہ قرآن و حدیث کے ساتھ اس آئین کا موازنہ اور اس کی تعمیل انھوں کے ساتھ کر کے فیصلہ قرمائیں کہ یہ آئین اسلامی ہے یا غیر اسلامی!۔

اس آئین کے اسلامی ہونے نہ ہونے کی تحقیق پاکستان کے ایک عالم دین مشہور مفتی عثمانی مدظلہ العالی کا کام تھا اور اس کی خوب تحقیق کر سکتے تھے اور ان کا اسلامی اس آئین سے کچھ نہ سمجھتا تھا، کیونکہ وہ اسلامی شریعت عدالت کے چھب جنس کافی عرصہ رہ چکے ہیں، لیکن یہ نہیں انہوں نے اس آئین پر غور نہیں کیا، یا تو اس لئے کہ وہ عدم الطرمیت سمجھو یا اس طرف انہوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم، ان کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص حجاز سے علم نہیں نہیں ہے کہ پاکستان کے آئین کو سمجھ سمجھ کر اور اس کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتے۔

اب الخیر ہم اپنے مذہبی جماعتوں کے قائدین و مہمروں کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش کرتے ہیں کہ سرزمین پاکستان جس کو قرینہ چھٹھ سال ہو چکے ہیں انھوں نے سلیکٹوں کی

اور اس نظریے پر قائم ہونے والی ریاست کی تمام تر دوز و دھب کا گنہگار ہے۔ وطن میں بسنے والی قوم کے مفادات کا تحفظ اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دینی فوائد و منافع کا حصول ہوتا ہے۔ یہ وطنی ریاست کو ایسی اکثریت کی رائے کے سوا کسی اصل و عقیدے اور اخلاق و اقدار کی پابند نہیں ہوتی، چیزوں کو عقل و اجماع قرار دینے سمیت ہر قسم کی قانون سازی کثرت رائے کے لیے جاری کرتی ہے اور وطنیت کو ہی معیار بناتے ہوئے انسانوں میں تفریق روادار کرتی ہے۔

”خلافت“ کا اسلامی تصور اور اس کی بنیادیں

مغرب کا عطا کردہ سیاسی نظام اسلام کے سیاسی نظام سے یکسر مختلف اور اصولی اعتبار سے اس سے تضاد میں ہے۔ اسلام کا عطا کردہ نظام خلافت جن مفاد و تصورات پر کھڑا ہوتا ہے ان کا ایک مختصر سا تذکرہ ذیل کی صورت میں کیا جا رہا ہے:

(۱) عقیدہ توحید

اسلام کا عطا کردہ نظام سکرانی توحید کے الہامی عقیدے پر مبنی ہے اور شاہد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلَّمْنَا لَیْکُلِ اٰمَةٍ وَّسُوْلًا اَللّٰهُ وَاجِبُوْا اِلَیْهِ الطَّاعُوْتَ فَمَنْهُمْ مَنْ هَدٰی وَمِنْهُمْ مَنْ سَفِهَ عَلٰی الضَّلٰلَةِ فَسَبُّوْا لٰی اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ فَانظُرْ اَکْبَفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ﴾ [النحل: ۳۶]۔

”اور ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اعتقاد کر دو۔ پس ان میں سے بعض تباہ ہو گئے، جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ سوز میں پہنچ کر دیکھو کہ جہنم نے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

(۲) غیر اللہ کی بندگی سے آزادی

اسلام کا عطا کردہ نظام تمام اصول پر قائم ہے کہ انسان کو انسان کی عطا دی ہوئی، بلکہ اللہ

کے سوا ہر قسم کی عطا دی سے آزاد کرنا چاہئے قرآن نے ہر علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿قَالَ اِنِّیْ اَشْهَدُ اَللّٰهُ وَاشْهَدُوْا اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ فَکَذِبُوْا نِیْ حَمِیْمًا لَّا تَنْظُرُوْنَ ۔ اِنِّیْ نُوْکِلْتُ عَلٰی اللّٰهِ رَبِّیْ وَبِکُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اَحَدٌ بِنَاصِبِہَا اِنْ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ﴾ [ہود: ۵۴، ۵۵]۔

”ہو علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کو گواہ بنا رہا ہوں تو تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو۔ پس تم سب کو میرے خلاف مذاہیر کرو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، میں تو اس اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ میں نے اپنے خیر رائے تمام مخلوق کو اس نے پیشانی سے بکڑ رکھا ہے، یقیناً میرا رب میرے راستے پر ہے۔“

اور ہر ایمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ:

﴿وَقَدْ کَانَ لَکُمْ اَسْوَفُ حَسَنَةً فِیْ اٰیٰتِہِمْ وَ الَّذِیْنَ مَعَهُ اَذَقَالُوْا لِقَوْمِہِمْ اٰیٰتِہٖ وَاٰمَنَکُمْ وَمَا نَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کُفْرًا بِکُمْ وَبِدَآئِہِمَْا وَبِکُمْ الْعِدَآؤُہُ وَالْغِیْضَۃُ اٰبَدًا حَتّٰی تُوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحَدِّہٖ﴾ [المنحہ: ۴۳]۔

یقیناً تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک تم بیزار ہیں تم سے بھی اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے لکھی دشمنی اور نفرت ظاہر ہو رہی ہے۔“

(۳) تنہا ایک اللہ کی ستم سبکدوشی

اسلام کے عطا کردہ نظام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بندگی کی ہر صورت اللہ ہی کے لیے خالص کی جائے، جس کا لازمی تقاضا ہے کہ بہت کم گنہگار بھی محض اللہ رب العزت کی ذات ہو اور اللہ ہی کے سامنے کھل عاجزی اور ذلت اختیار کی جائے۔ پس لکھا گیا:

﴿وَمَنْ النَّاسُ مِنْ یَسْخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُنْذَا دَٰ بَحْیُوْنُہُمْ کَحَبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ

أَمْوَالُهُمْ حَبَالُ لَهِيبَةٍ [الفرقة : ۱۵]

"اور انہوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی ہی عبادت کرتے ہیں، جبکہ ایمان والے تو سب سے زیادہ شدت سے اللہ ہی سے عبادت رکھتے ہیں"

اور فرمایا:

﴿قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دَبَّحَا مَلَأَ اِبْرٰهِيْمَ حَبِيْبًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُسْرِكِيْنَ . قُلِ اِنْ صَلَاتِيْ وَنَسْكَى وَمَحَابِى وَمَعَالِي لِّلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ . قُلِ اَغِيْرَ اللّٰهُ اِلٰهِيْ رَبِّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهِا وَلَا نَسْزُ وَارِثَةً وَزَّوْرًا اٰخَرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ [الانعام : ۱۶۱، ۱۶۲]

"آپ کہہ دیجئے کہ جسے اللہ چاہے وہ کسی طرف ہدایت دی ہے یعنی اس مستقیم دین کی طرف جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، جو اللہ کے لیے یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میری نمازیں، میری ساری عبادات، میرا عینا اور میرا مآب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے ایسا بتا کہ تم سے ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں حالانکہ وہی تو ہر چیز کا مالک ہے، اور جو کوئی برا کام کرے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں ان کی خبر دے گا۔"

(۳) خلافت و نبیانت: مذکورہ احکامیت

اسلام کے عطا کردہ نظام کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ اللہ مالک الملک ہے آدم علیہ السلام

اور ان کی اولاد کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت دی ہے (یعنی حاکم مطلق) کی۔ جس ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَفَادَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ [البقرة : ۳۰]

"اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں خلیفہ بنائے گا"

ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿بِذٰلِكَ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [ص : ۲۶]

"اے دلدادہ اپنے حکم کے نہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، تو تم لوگوں کے درمیان انصاف

کے ساتھ فیصلے کرنا اور خواہشات کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گی"

(۵) مقصد زندگی: --- عبادت رب کے ذریعے آخری کامیابی کا حصول

اسلام کا عطا کردہ نظام اس عقیدے پر کھڑا ہے کہ انسان دنیا کی طور پر اپنے رب کی عبادت

اور زندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِعِبَادَةٍ﴾ [الغالبات : ۵۶]

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو ایسے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"

اس نظام کی توجہ دہانی یہ ہے کہ اس حیات مستعار میں انسان کا اصل مقصد رب کی رضا اور

آخری کامیابی کا حصول ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ نَفْسٌ اَرٰتُكَ اٰتَمَةَ الْعَمَلِ وَانْعَامَ نَوَافِلِ اَجُورِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحِرَ عَنْ

النَّارِ رَاٰ دَعْوَالِ الْجَنَّةِ فَقَدْ اٰتَمَ وَمَا الْحَوْلَةُ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران : ۱۸۵]

"ہر اسی روح کو موت کا سفر دکھاتا ہے، اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ

دیا جائے گا جس شخص جہنم کی آگ سے بچا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ٹھہرے اور دنیا

کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔"

۴۰) "نارہ کرنے والی اصل ذات۔۔۔ اللہ رب العالمین

اسلام کا عطا کردہ نظام اس احساس پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین انسان کی تمام حرکات و سکنات اور ارادہ و خیالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ نہیں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَعَلَّمْنَا مَا نُسَوِّسُ بِهِ نَفْسَهُ وَنَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ - إِذْ يُلْقِي الْمُنَافِقُ عَلَى الْعَمِيقِ وَعَنِ الشَّمَالِ نَغِيدٌ مَا يُلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ لَا لَكَ بِهِ رُفْعٌ عَلَيْهِ﴾ [فی ۱۸۰، ۱۶۰]۔

"اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل پر گزر رہے ہیں ہم ان سے بھی آگاہ ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جب بھی وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ لیکنے والے جوتا کیس یا کس بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ جو بات بھی اس کی زبان پر آتی ہے (اسے درج کرنے کے لیے) ایک کتابہاں اس کے پاس تیار رہتا ہے۔"

یہی اگر انسان و دنیا میں انسانوں کی قائم کردہ عداوتوں کی گرفت اور سراسے بچ بھی نکلے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے فیصلے اور اس کی سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ أَعْمَلُوا الْقِسْمَ بِرَأْسِ اللَّهِ فَمَنْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [التوبة: ۱۰۵]۔

"اور اس سے کہہ دو میں کیسے چاہتا ہوں اللہ اور اس کا رسول اور سزا میں تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے۔ اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے خدا کے دامن کی طرف لوٹاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ سب تم کو تباہ کرے گا۔"

۷) امت مسلمہ کی اساسی ذمہ داری و حکومت دین کا ابلاغ

اسی طرح اسلام کا عطا کردہ نظام اس فہم پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کی بحوث لوگوں تک پہنچانا اور ان پر چمتہ تمام کرنا اس امت کی ذمہ داری ہے۔

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ

الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [البقرة: ۱۴۳]۔

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنالیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہیں (آخراں میں) تم پر گواہ بنیں۔"

۸) دعوت و پھیلائے اور فتنہ مٹانے کے لیے جہاد و قتال

اسلام کے عطا کردہ نظام کے پیچھے یہ تصور بھی کارفرما ہے کہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ سب کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اللہ کے ناطق کی سر بلندی کے لیے جہاد و قتال کرے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے خالص ہو جائے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾ [الاحزاب: ۲۶]۔

"اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ جاتی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔"

۹) حاکمیت شریعت، عدل، بشواری اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلامی اصول

امت مسلمہ شریعت الہیہ کی حاکمیت سے سنبھلے اصول پر مبنی نظام حکومت قائم کرتی ہے اور عدل و انصاف کے قیام، بشواری کے اسلامی تصور پر عمل درآمد اور فرائض امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بجا آوری کے ذریعے اے رب کی عبادت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقْسَامُ الصَّلَاةِ وَاتُوا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ [الحج: ۴۱]۔

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر تم انہیں زمین میں حکومت دین تو یہ ناز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، پہنچتی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

صوبہ بنی جنگ میں جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے سب سے بڑے امریکی اڈے میں تبدیل ہو چکی ہے۔

دستور پاکستان کا اصل مقصد: بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام
دستور پاکستان کے بنیادی مطالبے سے مجھ پر یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اس دستور کو لکھنے والوں
کے پیش نظر کسی اسلامی حکومت یا شرعی نظام کا قیام نہ تھا، بلکہ یہ دستور تو لکھا ہی اس لیے کیا تھا کہ اس کے
ذریعہ مغربی طرز حکمرانی پر عمل سے ایک ایسا ریاست قائم ہو جو اسلام دشمن "بین الاقوامی نظام" ختم
ہو سکے۔۔۔ وہ بین الاقوامی نظام جسے عیسائی طاقتوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اس فرض سے قائم
کیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ان کا تابع فرمان بنائے اور ان کے مفادات کا پوری طرح تحفظ
کرے۔ یہی وہ باطل بین الاقوامی نظام ہے جس نے امت مسلمہ سے غلطیوں پھینکا اور یہی نظام آج
تک آزادی کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے

دستور کے "اسلامی" ہونے کا فریب!

دستور پاکستان کے مطالبے سے مجھ پر یہ حقیقت بھی تکلیف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے
کافر پر کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے خلاف کا وعدہ بھی ہو جائے لیکن وعدہ وعدہ
گہبی اور قہمی نہ ہو سکے۔ مجھے تو یقین ہوتا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور اعلیٰ حضرات بھی اس
وجہ کے کاغذ پر ہو کر دستور کی تحریف و تشویش بیان کرتے رہے (ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ان
حضرات کا اس دستور سے تائید واسطہ پڑا تھا اور یہی تک اس کے عملی اثرات بھی پوری طرح واضح نہیں ہو
پائے تھے لہذا اس غلط فہمی میں جلا دینے کا شاید کوئی امکان موجود تھا)۔۔۔ البتہ اصل قیاس کے لائق تو
ہمارے وہ قاضی اور دست ہیں جو تحفہ شریعت کے جھوٹے وعدوں کو ساٹھ (۶۰) سال گزر جانے کے بعد
بھی وہی جھگھے بے اوجہام و اختلافات دہرائے جلتے رہے ہیں اور آج تک دستور پاکستان کی اسلامییت
کے فریب سے دامن نہیں چھڑ پائے۔

۱۰۱۱ کی پاکستان نہیں!

آج یہ بات سب پر عیاں ہو چکی ہے کہ یہ وہ پاکستان نہیں جس کی تئہا بند کے مسلمانوں کی
المریت نے کی تھی۔۔۔ یہ سرزمین نہیں جس کے بارے میں خواب دیکھا گیا تھا کہ وہ دنیا بھر کے
مسلمانوں کا مرکز اور جائے پناہ بنے گی۔۔۔ بلکہ اس کے برعکس یہ سرزمین تو بڑے مشینوں کی ایشیا اور
مشرق وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی عیسائی جنگ میں سب سے اہم امر بنی
اس کا کام دے رہی ہے۔ آج یہ امر ہر صاحب بصیرت پر عیاں ہو گیا ہے کہ پاکستان پر آقاؐ سے اب
بے فائدہ وعدہ و وعادت ہی حکمرانی کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ مسلمانوں کے حال و مشرف کے باوجود
ہم گزرتا ہوا "مشرقین پرست" کے لقب سے مشہور، اسوالم مسلمانوں کوٹنے والے امر کی غلام زرداری
نے ہمیشہ میں داخل ہو گیا ہے۔ (وہ زرداری جیسے نہ صرف "مشرقی قوتوں کی حمایت حاصل ہے بلکہ انہماکی
اور اس سے کرنا چاہتا ہے متعدد دینی جماعتوں نے بھی انتقادات کے موقع پر اسی طرح اس کی تائید کی جیسا
کہ ان جماعتوں نے اس سے پہلے پرویز کی آئینی ترامیم اور صدارتی انتخاب کے موقع پر اس کا ساتھ دیا
تھا) ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا میں پاکستان کے سیاسی نظام اور دستور کے
حوالے سے جس نتائج تک پہنچ چکا ہوں وہ مضبوطی میں لائوں۔ میری کوشش رہی ہے کہ اس بحث کے
اور ان فیصلہ زوری تقصیل اور وجہ دہنوی بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے صرف اسلامی مقصد کو پیش نظر
رہوں تاکہ کتاب کا حجم زیادہ نہ بڑھے۔

انہوں کی تصدیق کرنی ہے اور ان پر عہد ہاں ہے، جس آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن جو ہم اس سے چاہیں، یہی وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو نیک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو اللہ ہی کی طرف لے کر جاوے پھر جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ نہیں رہتا، بے گناہ اور پاکیزہ تم کیا کرتے تھے کہ اسے نبی ﷺ (آپ) ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کو خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور اس سے خبردار رہو کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہٹا نہ دیں۔ پھر اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے، اور یقیناً تو لوں کی اکثریت تو فاسقوں پر مشتمل ہے (اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منسوب نہ ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقیناً رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے؟“

پس اگر کوئی قوم، جماعت، معاشرہ، حکومت یا نظام بد ہوئی کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور احکام اسلام پر کاربند ہیں تو ضروری ہے کہ وہ قانون سازی اور فیصلہ کرنے کا حق بھی اللہ ہی کے لیے خالص کریں۔ اور اگر ان میں سے کوئی کردہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ مسلم ہے لیکن اللہ رب العزت کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکاری رہتا ہے اور اپنے معاملات میں شریعت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔۔۔۔۔ تو اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح فیصلہ فرمادیا ہے کہ وہ فاسقوں نہیں۔ حق تعالیٰ شایذ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا رِبْكَ لَا يُمْنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا بِمَا حَكَّمَ اللَّهُ﴾^[۱] ^[۲] ^[۳] ^[۴] ^[۵] ^[۶] ^[۷] ^[۸] ^[۹] ^[۱۰] ^[۱۱] ^[۱۲] ^[۱۳] ^[۱۴] ^[۱۵] ^[۱۶] ^[۱۷] ^[۱۸] ^[۱۹] ^[۲۰] ^[۲۱] ^[۲۲] ^[۲۳] ^[۲۴] ^[۲۵] ^[۲۶] ^[۲۷] ^[۲۸] ^[۲۹] ^[۳۰] ^[۳۱] ^[۳۲] ^[۳۳] ^[۳۴] ^[۳۵] ^[۳۶] ^[۳۷] ^[۳۸] ^[۳۹] ^[۴۰] ^[۴۱] ^[۴۲] ^[۴۳] ^[۴۴] ^[۴۵] ^[۴۶] ^[۴۷] ^[۴۸] ^[۴۹] ^[۵۰] ^[۵۱] ^[۵۲] ^[۵۳] ^[۵۴] ^[۵۵] ^[۵۶] ^[۵۷] ^[۵۸] ^[۵۹] ^[۶۰] ^[۶۱] ^[۶۲] ^[۶۳] ^[۶۴] ^[۶۵] ^[۶۶] ^[۶۷] ^[۶۸] ^[۶۹] ^[۷۰] ^[۷۱] ^[۷۲] ^[۷۳] ^[۷۴] ^[۷۵] ^[۷۶] ^[۷۷] ^[۷۸] ^[۷۹] ^[۸۰] ^[۸۱] ^[۸۲] ^[۸۳] ^[۸۴] ^[۸۵] ^[۸۶] ^[۸۷] ^[۸۸] ^[۸۹] ^[۹۰] ^[۹۱] ^[۹۲] ^[۹۳] ^[۹۴] ^[۹۵] ^[۹۶] ^[۹۷] ^[۹۸] ^[۹۹] ^[۱۰۰] ^[۱۰۱] ^[۱۰۲] ^[۱۰۳] ^[۱۰۴] ^[۱۰۵] ^[۱۰۶] ^[۱۰۷] ^[۱۰۸] ^[۱۰۹] ^[۱۱۰] ^[۱۱۱] ^[۱۱۲] ^[۱۱۳] ^[۱۱۴] ^[۱۱۵] ^[۱۱۶] ^[۱۱۷] ^[۱۱۸] ^[۱۱۹] ^[۱۲۰] ^[۱۲۱] ^[۱۲۲] ^[۱۲۳] ^[۱۲۴] ^[۱۲۵] ^[۱۲۶] ^[۱۲۷] ^[۱۲۸] ^[۱۲۹] ^[۱۳۰] ^[۱۳۱] ^[۱۳۲] ^[۱۳۳] ^[۱۳۴] ^[۱۳۵] ^[۱۳۶] ^[۱۳۷] ^[۱۳۸] ^[۱۳۹] ^[۱۴۰] ^[۱۴۱] ^[۱۴۲] ^[۱۴۳] ^[۱۴۴] ^[۱۴۵] ^[۱۴۶] ^[۱۴۷] ^[۱۴۸] ^[۱۴۹] ^[۱۵۰] ^[۱۵۱] ^[۱۵۲] ^[۱۵۳] ^[۱۵۴] ^[۱۵۵] ^[۱۵۶] ^[۱۵۷] ^[۱۵۸] ^[۱۵۹] ^[۱۶۰] ^[۱۶۱] ^[۱۶۲] ^[۱۶۳] ^[۱۶۴] ^[۱۶۵] ^[۱۶۶] ^[۱۶۷] ^[۱۶۸] ^[۱۶۹] ^[۱۷۰] ^[۱۷۱] ^[۱۷۲] ^[۱۷۳] ^[۱۷۴] ^[۱۷۵] ^[۱۷۶] ^[۱۷۷] ^[۱۷۸] ^[۱۷۹] ^[۱۸۰] ^[۱۸۱] ^[۱۸۲] ^[۱۸۳] ^[۱۸۴] ^[۱۸۵] ^[۱۸۶] ^[۱۸۷] ^[۱۸۸] ^[۱۸۹] ^[۱۹۰] ^[۱۹۱] ^[۱۹۲] ^[۱۹۳] ^[۱۹۴] ^[۱۹۵] ^[۱۹۶] ^[۱۹۷] ^[۱۹۸] ^[۱۹۹] ^[۲۰۰] ^[۲۰۱] ^[۲۰۲] ^[۲۰۳] ^[۲۰۴] ^[۲۰۵] ^[۲۰۶] ^[۲۰۷] ^[۲۰۸] ^[۲۰۹] ^[۲۱۰] ^[۲۱۱] ^[۲۱۲] ^[۲۱۳] ^[۲۱۴] ^[۲۱۵] ^[۲۱۶] ^[۲۱۷] ^[۲۱۸] ^[۲۱۹] ^[۲۲۰] ^[۲۲۱] ^[۲۲۲] ^[۲۲۳] ^[۲۲۴] ^[۲۲۵] ^[۲۲۶] ^[۲۲۷] ^[۲۲۸] ^[۲۲۹] ^[۲۳۰] ^[۲۳۱] ^[۲۳۲] ^[۲۳۳] ^[۲۳۴] ^[۲۳۵] ^[۲۳۶] ^[۲۳۷] ^[۲۳۸] ^[۲۳۹] ^[۲۴۰] ^[۲۴۱] ^[۲۴۲] ^[۲۴۳] ^[۲۴۴] ^[۲۴۵] ^[۲۴۶] ^[۲۴۷] ^[۲۴۸] ^[۲۴۹] ^[۲۵۰] ^[۲۵۱] ^[۲۵۲] ^[۲۵۳] ^[۲۵۴] ^[۲۵۵] ^[۲۵۶] ^[۲۵۷] ^[۲۵۸] ^[۲۵۹] ^[۲۶۰] ^[۲۶۱] ^[۲۶۲] ^[۲۶۳] ^[۲۶۴] ^[۲۶۵] ^[۲۶۶] ^[۲۶۷] ^[۲۶۸] ^[۲۶۹] ^[۲۷۰] ^[۲۷۱] ^[۲۷۲] ^[۲۷۳] ^[۲۷۴] ^[۲۷۵] ^[۲۷۶] ^[۲۷۷] ^[۲۷۸] ^[۲۷۹] ^[۲۸۰] ^[۲۸۱] ^[۲۸۲] ^[۲۸۳] ^[۲۸۴] ^[۲۸۵] ^[۲۸۶] ^[۲۸۷] ^[۲۸۸] ^[۲۸۹] ^[۲۹۰] ^[۲۹۱] ^[۲۹۲] ^[۲۹۳] ^[۲۹۴] ^[۲۹۵] ^[۲۹۶] ^[۲۹۷] ^[۲۹۸] ^[۲۹۹] ^[۳۰۰] ^[۳۰۱] ^[۳۰۲] ^[۳۰۳] ^[۳۰۴] ^[۳۰۵] ^[۳۰۶] ^[۳۰۷] ^[۳۰۸] ^[۳۰۹] ^[۳۱۰] ^[۳۱۱] ^[۳۱۲] ^[۳۱۳] ^[۳۱۴] ^[۳۱۵] ^[۳۱۶] ^[۳۱۷] ^[۳۱۸] ^[۳۱۹] ^[۳۲۰] ^[۳۲۱] ^[۳۲۲] ^[۳۲۳] ^[۳۲۴] ^[۳۲۵] ^[۳۲۶] ^[۳۲۷] ^[۳۲۸] ^[۳۲۹] ^[۳۳۰] ^[۳۳۱] ^[۳۳۲] ^[۳۳۳] ^[۳۳۴] ^[۳۳۵] ^[۳۳۶] ^[۳۳۷] ^[۳۳۸] ^[۳۳۹] ^[۳۴۰] ^[۳۴۱] ^[۳۴۲] ^[۳۴۳] ^[۳۴۴] ^[۳۴۵] ^[۳۴۶] ^[۳۴۷] ^[۳۴۸] ^[۳۴۹] ^[۳۵۰] ^[۳۵۱] ^[۳۵۲] ^[۳۵۳] ^[۳۵۴] ^[۳۵۵] ^[۳۵۶] ^[۳۵۷] ^[۳۵۸] ^[۳۵۹] ^[۳۶۰] ^[۳۶۱] ^[۳۶۲] ^[۳۶۳] ^[۳۶۴] ^[۳۶۵] ^[۳۶۶] ^[۳۶۷] ^[۳۶۸] ^[۳۶۹] ^[۳۷۰] ^[۳۷۱] ^[۳۷۲] ^[۳۷۳] ^[۳۷۴] ^[۳۷۵] ^[۳۷۶] ^[۳۷۷] ^[۳۷۸] ^[۳۷۹] ^[۳۸۰] ^[۳۸۱] ^[۳۸۲] ^[۳۸۳] ^[۳۸۴] ^[۳۸۵] ^[۳۸۶] ^[۳۸۷] ^[۳۸۸] ^[۳۸۹] ^[۳۹۰] ^[۳۹۱] ^[۳۹۲] ^[۳۹۳] ^[۳۹۴] ^[۳۹۵] ^[۳۹۶] ^[۳۹۷] ^[۳۹۸] ^[۳۹۹] ^[۴۰۰] ^[۴۰۱] ^[۴۰۲] ^[۴۰۳] ^[۴۰۴] ^[۴۰۵] ^[۴۰۶] ^[۴۰۷] ^[۴۰۸] ^[۴۰۹] ^[۴۱۰] ^[۴۱۱] ^[۴۱۲] ^[۴۱۳] ^[۴۱۴] ^[۴۱۵] ^[۴۱۶] ^[۴۱۷] ^[۴۱۸] ^[۴۱۹] ^[۴۲۰] ^[۴۲۱] ^[۴۲۲] ^[۴۲۳] ^[۴۲۴] ^[۴۲۵] ^[۴۲۶] ^[۴۲۷] ^[۴۲۸] ^[۴۲۹] ^[۴۳۰] ^[۴۳۱] ^[۴۳۲] ^[۴۳۳] ^[۴۳۴] ^[۴۳۵] ^[۴۳۶] ^[۴۳۷] ^[۴۳۸] ^[۴۳۹] ^[۴۴۰] ^[۴۴۱] ^[۴۴۲] ^[۴۴۳] ^[۴۴۴] ^[۴۴۵] ^[۴۴۶] ^[۴۴۷] ^[۴۴۸] ^[۴۴۹] ^[۴۵۰] ^[۴۵۱] ^[۴۵۲] ^[۴۵۳] ^[۴۵۴] ^[۴۵۵] ^[۴۵۶] ^[۴۵۷] ^[۴۵۸] ^[۴۵۹] ^[۴۶۰] ^[۴۶۱] ^[۴۶۲] ^[۴۶۳] ^[۴۶۴] ^[۴۶۵] ^[۴۶۶] ^[۴۶۷] ^[۴۶۸] ^[۴۶۹] ^[۴۷۰] ^[۴۷۱] ^[۴۷۲] ^[۴۷۳] ^[۴۷۴] ^[۴۷۵] ^[۴۷۶] ^[۴۷۷] ^[۴۷۸] ^[۴۷۹] ^[۴۸۰] ^[۴۸۱] ^[۴۸۲] ^[۴۸۳] ^[۴۸۴] ^[۴۸۵] ^[۴۸۶] ^[۴۸۷] ^[۴۸۸] ^[۴۸۹] ^[۴۹۰] ^[۴۹۱] ^[۴۹۲] ^[۴۹۳] ^[۴۹۴] ^[۴۹۵] ^[۴۹۶] ^[۴۹۷] ^[۴۹۸] ^[۴۹۹] ^[۵۰۰] ^[۵۰۱] ^[۵۰۲] ^[۵۰۳] ^[۵۰۴] ^[۵۰۵] ^[۵۰۶] ^[۵۰۷] ^[۵۰۸] ^[۵۰۹] ^[۵۱۰] ^[۵۱۱] ^[۵۱۲] ^[۵۱۳] ^[۵۱۴] ^[۵۱۵] ^[۵۱۶] ^[۵۱۷] ^[۵۱۸] ^[۵۱۹] ^[۵۲۰] ^[۵۲۱] ^[۵۲۲] ^[۵۲۳] ^[۵۲۴] ^[۵۲۵] ^[۵۲۶] ^[۵۲۷] ^[۵۲۸] ^[۵۲۹] ^[۵۳۰] ^[۵۳۱] ^[۵۳۲] ^[۵۳۳] ^[۵۳۴] ^[۵۳۵] ^[۵۳۶] ^[۵۳۷] ^[۵۳۸] ^[۵۳۹] ^[۵۴۰] ^[۵۴۱] ^[۵۴۲] ^[۵۴۳] ^[۵۴۴] ^[۵۴۵] ^[۵۴۶] ^[۵۴۷] ^[۵۴۸] ^[۵۴۹] ^[۵۵۰] ^[۵۵۱] ^[۵۵۲] ^[۵۵۳] ^[۵۵۴] ^[۵۵۵] ^[۵۵۶] ^[۵۵۷] ^[۵۵۸] ^[۵۵۹] ^[۵۶۰] ^[۵۶۱] ^[۵۶۲] ^[۵۶۳] ^[۵۶۴] ^[۵۶۵] ^[۵۶۶] ^[۵۶۷] ^[۵۶۸] ^[۵۶۹] ^[۵۷۰] ^[۵۷۱] ^[۵۷۲] ^[۵۷۳] ^[۵۷۴] ^[۵۷۵] ^[۵۷۶] ^[۵۷۷] ^[۵۷۸] ^[۵۷۹] ^[۵۸۰] ^[۵۸۱] ^[۵۸۲] ^[۵۸۳] ^[۵۸۴] ^[۵۸۵] ^[۵۸۶] ^[۵۸۷] ^[۵۸۸] ^[۵۸۹] ^[۵۹۰] ^[۵۹۱] ^[۵۹۲] ^[۵۹۳] ^[۵۹۴] ^[۵۹۵] ^[۵۹۶] ^[۵۹۷] ^[۵۹۸] ^[۵۹۹] ^[۶۰۰] ^[۶۰۱] ^[۶۰۲] ^[۶۰۳] ^[۶۰۴] ^[۶۰۵] ^[۶۰۶] ^[۶۰۷] ^[۶۰۸] ^[۶۰۹] ^[۶۱۰] ^[۶۱۱] ^[۶۱۲] ^[۶۱۳] ^[۶۱۴] ^[۶۱۵] ^[۶۱۶] ^[۶۱۷] ^[۶۱۸] ^[۶۱۹] ^[۶۲۰] ^[۶۲۱] ^[۶۲۲] ^[۶۲۳] ^[۶۲۴] ^[۶۲۵] ^[۶۲۶] ^[۶۲۷] ^[۶۲۸] ^[۶۲۹] ^[۶۳۰] ^[۶۳۱] ^[۶۳۲] ^[۶۳۳] ^[۶۳۴] ^[۶۳۵] ^[۶۳۶] ^[۶۳۷] ^[۶۳۸] ^[۶۳۹] ^[۶۴۰] ^[۶۴۱] ^[۶۴۲] ^[۶۴۳] ^[۶۴۴] ^[۶۴۵] ^[۶۴۶] ^[۶۴۷] ^[۶۴۸] ^[۶۴۹] ^[۶۵۰] ^[۶۵۱] ^[۶۵۲] ^[۶۵۳] ^[۶۵۴] ^[۶۵۵] ^[۶۵۶] ^[۶۵۷] ^[۶۵۸] ^[۶۵۹] ^[۶۶۰] ^[۶۶۱] ^[۶۶۲] ^[۶۶۳] ^[۶۶۴] ^[۶۶۵] ^[۶۶۶] ^[۶۶۷] ^[۶۶۸] ^[۶۶۹] ^[۶۷۰] ^[۶۷۱] ^[۶۷۲] ^[۶۷۳] ^[۶۷۴] ^[۶۷۵] ^[۶۷۶] ^[۶۷۷] ^[۶۷۸] ^[۶۷۹] ^[۶۸۰] ^[۶۸۱] ^[۶۸۲] ^[۶۸۳] ^[۶۸۴] ^[۶۸۵] ^[۶۸۶] ^[۶۸۷] ^[۶۸۸] ^[۶۸۹] ^[۶۹۰] ^[۶۹۱] ^[۶۹۲] ^[۶۹۳] ^[۶۹۴] ^[۶۹۵] ^[۶۹۶] ^[۶۹۷] ^[۶۹۸] ^[۶۹۹] ^[۷۰۰] ^[۷۰۱] ^[۷۰۲] ^[۷۰۳] ^[۷۰۴] ^[۷۰۵] ^[۷۰۶] ^[۷۰۷] ^[۷۰۸] ^[۷۰۹] ^[۷۱۰] ^[۷۱۱] ^[۷۱۲] ^[۷۱۳] ^[۷۱۴] ^[۷۱۵] ^[۷۱۶] ^[۷۱۷] ^[۷۱۸] ^[۷۱۹] ^[۷۲۰] ^[۷۲۱] ^[۷۲۲] ^[۷۲۳] ^[۷۲۴] ^[۷۲۵] ^[۷۲۶] ^[۷۲۷] ^[۷۲۸] ^[۷۲۹] ^[۷۳۰] ^[۷۳۱] ^[۷۳۲] ^[۷۳۳] ^[۷۳۴] ^[۷۳۵] ^[۷۳۶] ^[۷۳۷] ^[۷۳۸] ^[۷۳۹] ^[۷۴۰] ^[۷۴۱] ^[۷۴۲] ^[۷۴۳] ^[۷۴۴] ^[۷۴۵] ^[۷۴۶] ^[۷۴۷] ^[۷۴۸] ^[۷۴۹] ^[۷۵۰] ^[۷۵۱] ^[۷۵۲] ^[۷۵۳] ^[۷۵۴] ^[۷۵۵] ^[۷۵۶] ^[۷۵۷] ^[۷۵۸] ^[۷۵۹] ^[۷۶۰] ^[۷۶۱] ^[۷۶۲] ^[۷۶۳] ^[۷۶۴] ^[۷۶۵] ^[۷۶۶] ^[۷۶۷] ^[۷۶۸] ^[۷۶۹] ^[۷۷۰] ^[۷۷۱] ^[۷۷۲] ^[۷۷۳] ^[۷۷۴] ^[۷۷۵] ^[۷۷۶] ^[۷۷۷] ^[۷۷۸] ^[۷۷۹] ^[۷۸۰] ^[۷۸۱] ^[۷۸۲] ^[۷۸۳] ^[۷۸۴] ^[۷۸۵] ^[۷۸۶] ^[۷۸۷] ^[۷۸۸] ^[۷۸۹] ^[۷۹۰] ^[۷۹۱] ^[۷۹۲] ^[۷۹۳] ^[۷۹۴] ^[۷۹۵] ^[۷۹۶] ^[۷۹۷] ^[۷۹۸] ^[۷۹۹] ^[۸۰۰] ^[۸۰۱] ^[۸۰۲] ^[۸۰۳] ^[۸۰۴] ^[۸۰۵] ^[۸۰۶] ^[۸۰۷] ^[۸۰۸] ^[۸۰۹] ^[۸۱۰] ^[۸۱۱] ^[۸۱۲] ^[۸۱۳] ^[۸۱۴] ^[۸۱۵] ^[۸۱۶] ^[۸۱۷] ^[۸۱۸] ^[۸۱۹] ^[۸۲۰] ^[۸۲۱] ^[۸۲۲] ^[۸۲۳] ^[۸۲۴] ^[۸۲۵] ^[۸۲۶] ^[۸۲۷] ^[۸۲۸] ^[۸۲۹] ^[۸۳۰] ^[۸۳۱] ^[۸۳۲] ^[۸۳۳] ^[۸۳۴] ^[۸۳۵] ^[۸۳۶] ^[۸۳۷] ^[۸۳۸] ^[۸۳۹] ^[۸۴۰] ^[۸۴۱] ^[۸۴۲] ^[۸۴۳] ^[۸۴۴] ^[۸۴۵] ^[۸۴۶] ^[۸۴۷] ^[۸۴۸] ^[۸۴۹] ^[۸۵۰] ^[۸۵۱] ^[۸۵۲] ^[۸۵۳] ^[۸۵۴] ^[۸۵۵] ^[۸۵۶] ^[۸۵۷] ^[۸۵۸] ^[۸۵۹] ^[۸۶۰] ^[۸۶۱] ^[۸۶۲] ^[۸۶۳] ^[۸۶۴] ^[۸۶۵] ^[۸۶۶] ^[۸۶۷] ^[۸۶۸] ^[۸۶۹] ^[۸۷۰] ^[۸۷۱] ^[۸۷۲] ^[۸۷۳] ^[۸۷۴] ^[۸۷۵] ^[۸۷۶] ^[۸۷۷] ^[۸۷۸] ^[۸۷۹] ^[۸۸۰] ^[۸۸۱] ^[۸۸۲] ^[۸۸۳] ^[۸۸۴] ^[۸۸۵] ^[۸۸۶] ^[۸۸۷] ^[۸۸۸] ^[۸۸۹] ^[۸۹۰] ^[۸۹۱] ^[۸۹۲] ^[۸۹۳] ^[۸۹۴] ^[۸۹۵] ^[۸۹۶] ^[۸۹۷] ^[۸۹۸] ^[۸۹۹] ^[۹۰۰] ^[۹۰۱] ^[۹۰۲] ^[۹۰۳] ^[۹۰۴] ^[۹۰۵] ^[۹۰۶] ^[۹۰۷] ^[۹۰۸] ^[۹۰۹] ^[۹۱۰] ^[۹۱۱] ^[۹۱۲] ^[۹۱۳] ^[۹۱۴] ^[۹۱۵] ^[۹۱۶] ^[۹۱۷] ^[۹۱۸] ^[۹۱۹] ^[۹۲۰] ^[۹۲۱] ^[۹۲۲] ^[۹۲۳] ^[۹۲۴] ^[۹۲۵] ^[۹۲۶] ^[۹۲۷] ^[۹۲۸] ^[۹۲۹] ^[۹۳۰] ^[۹۳۱] ^[۹۳۲] ^[۹۳۳] ^[۹۳۴] ^[۹۳۵] ^[۹۳۶] ^[۹۳۷] ^[۹۳۸] ^[۹۳۹] ^[۹۴۰] ^[۹۴۱] ^[۹۴۲] ^[۹۴۳] ^[۹۴۴] ^[۹۴۵] ^[۹۴۶] ^[۹۴۷] ^[۹۴۸] ^[۹۴۹] ^[۹۵۰] ^[۹۵۱] ^[۹۵۲] ^[۹۵۳] ^[۹۵۴] ^[۹۵۵] ^[۹۵۶] ^[۹۵۷] ^[۹۵۸] ^[۹۵۹] ^[۹۶۰] ^[۹۶۱] ^[۹۶۲] ^[۹۶۳] ^[۹۶۴] ^[۹۶۵] ^[۹۶۶] ^[۹۶۷] ^[۹۶۸] ^[۹۶۹] ^[۹۷۰] ^[۹۷۱] ^[۹۷۲] ^[۹۷۳] ^[۹۷۴] ^[۹۷۵] ^[۹۷۶] ^[۹۷۷] ^[۹۷۸] ^{[۹۷}

(تھیں اپنے باہمی تنازعات میں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ کر دیاں پر اپے دل میں ٹپکی بھی محسوس نہ کریں اور اس کے سر تسلیم خم نہ کریں۔“

پاکستان میں قانون سازی کا مطلق حق پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے۔

درج بالا اسلامی عقیدہ کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں قانون سازی اور فیصلے کا حق کس کے پاس ہے؟ کیا حق صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے مختص ہے؟ یا یہ اس پارلیمانی کی غالب اکثریت کا حق ہے جسے ”بیکس نہروٹی“ کا نام ہے بھی پکارا جاتا ہے؟

اس نہایت اہم سوال کا حتمی جواب ہمیں ریاست پاکستان کی اساسی قانونی دستاویزات میں ملتا ہے۔ چنانچہ جب ہم دستور پاکستان پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو بقول ان کے ”ایوالتو انین“ ہے، تو اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ دستور میں ترامیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق فرانڈنگان پارلیمان کی غالب اکثریت کے ساتھ ہی ہوگا۔

لہذا دستور کے عطا کردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کا نام ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ رکھ دیں، اور اگر یہی لوگ چاہیں تو دہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کر کے ”امریکی جمہوریہ پاکستان“ یا ”سختی جمہوریہ پاکستان“ رکھ دیں۔۔۔ ان کے اکثریتی فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح اگر نائنڈگان پارلیمان چاہیں تو ”ذاتی شرعی عدالت“ قائم کر دیں اور اگر چاہیں تو ”ذاتی غیر شرعی عدالت“ قائم کر دیں، ان کو مکمل حق حاصل ہے اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کر کے اس میں سے دوسرا بھی حلف کر دیں جس کی بناء پر دستور پاکستان یا ریاست پاکستان کے اسلامی حصہ کا شہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ یہ ان کا حق ہے جس کی ضمانت خود دستور فراہم کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ ۱۳۸ ا واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترامیم کا حق حاصل ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"Subject to this part, the constitution may be {Parliament}" amended by Act fo [Majlis-e-Shoora

[CONDTITION OF PAKISTAN, PART XI Amendment of Constitution, Article 238]

جبکہ دفعہ ۱۳۹ میں آئینی ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسی دفعہ کے تحت پانچویں اور چھٹے بند میں دو تہائی اہم باتیں شامل کر دی ہیں:

پہلی بات یہ کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر اعتراض کرنا ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لیے یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ مجلس شوریٰ (یعنی پارلیمان) کو دستوری دفعات میں ترمیم کا لامحدود اختیار حاصل ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"(5) No amendment of the Constitution shall be called in question in any court on any ground whatsoever.

(6) For the removal of doubt, it is hereby declared that there is no limitation whatever on the power of the Majlis-e-Shoora (Parliament) to amend any of the provisions of the Constitution" [CONSTITUTION OF PAKISTAN PART XI Amendment of Constitution, Article 239].

ممکنہ شبہات اور ان کا رد

یہاں دو شبہات وارد ہو سکتے ہیں:

پہلا شبہ: اراکین پارلیمان مسلم معاشرے کی مصلحت ہی کے لیے دستور سازی کرتے ہیں

مکمل ہے کہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے گا کہ خراسیات میں حرج ہی کیا ہے کہ ”مسلم کو ہم کے لئے حارۃً گان“ یا ”بھی منسور ہے“۔ ”مسلم معاشرے کی مصلحت“ کی خاطر دستور سازی کریں یا نہیں اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دستور کی مذکورہ خصوصیات میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی گئی جو اس اعتراض میں ذکر کی گئی ہیں۔ معنی یہ تو اس مسلم معاشرے کا ذکر ہے اور مذاہب کی مصلحت کا یہ خصوص تو دستور میں ترسیم کے لیے دو تہائی اکثریت کے اتفاق کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگائی ہیں اور پھر نہایت تاکید کے ساتھ دو تہائی اور کان پارلیمان کے تالیفی ترسیم کے حق کا پھر پورا تحفظ بھی کرتی ہیں۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ دستور پاکستان کے تحت تمام امور میں قبول و رد کا حق فیصلہ ختمہ گان پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو حاصل ہے۔ دستور کا یہ اصول شریعت کے بالکل منافی ہے۔ اسلام تو ہمیں یہ سکھلا ۱۱ ہے کہ یہ مقام تو صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حاصل ہے کہ اس کے حکم کو بلا نزاع قبول کیا جائے، ہر اس قانون، ضابطے یا حکم کو رد کر دیا جائے جو شریعت کے موافق نہ ہو اور کسی کا بھی یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ خلاف شریعت فیصلہ کرے۔۔۔ خواہ اس فیصلے کو دو تہائی اکثریت بلکہ پورے پارلیمان کی اجتماعی تائید ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

دوسری بات یہ کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلم معاشرے کے نمائندے اپنے قوانین یا دستور کی خصوصیات میں ترسیم و اصلاح کریں بشرطیکہ یہ سارا عمل اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے دائرے میں رہے ہوئے انجام پائے، لیکن دستور میں تو کوئی ایسی شرط مذکور نہیں۔ پاکستان کا دستور تو ایسا اس بات پر زور دیتا نظر آتا ہے کہ دو تہائی اکثریت کو دستور میں ہر قسم کی ترسیم کا حق حاصل ہے، اور غالب اکثریت کے فیصلے پر کسی قسم کی کوئی قید نہیں۔

دوسرا شبہہ: شریعت سے متصادم قوانین کو رد کرنے کے لیے وفاقی شرعی عدالت تشکیل پا چکی ہے

مکمل ہے کہ کوئی دوسرا اعتراض یہ کہے کہ دستور نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت سے متصادم قوانین کو رد کرے۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو آگے مل کر وفاقی شرعی

عدالت پر بحث کے تحت آئے گا، لیکن سر دست اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ اس عدالت کو بھی، مگر عدالتوں کی طرح دستور کی وفات پر نگاہ ڈالنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ اس کے دائرہ اختیار سے ہی باہر ہے اور یہ بات دستور میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

باب دوم

دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے مابین تضادات

اس باب میں ہمارا کام، تفصیلات پر منتقل ہو گا:

پہلی فصل: شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف

فسق ہو۔

دوسری فصل: دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں

پہلی فصل

شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے،

اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف فسق ہی ہو۔

تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکم شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کو حلال قرار دینا جس کی حرمت پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام قرار دینا جس کی علت پر اجماع ہو، یا کسی ایسا ہی حکم شرعی کو تبدیل کر دینا کفر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا قتل کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بہت کریمے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا۔۔۔ چاہے وہ خود نہ تو شراب پیتا ہو، نہ زنا کرتا ہو، نہ چوری کرتا ہو اور نہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ دیتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا حرام ہے یا یہ کہے کہ نماز اور زکوٰۃ فرض اسلام

میں نہیں ہیں تو وہ بھی کافر ہے اگرچہ وہ خود، پانچ وقت نماز پڑھتا ہو اور پابندی سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ و مدہ اشریک کے لیے خاص نہیں بلکہ یہ حق ہر انسان کی دہائی اکثریت کو یا کسی اور کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا اگرچہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو۔ اسی طرح جو شخص ایسے قوانین بنائے جو شریعت سے تضاد میں ہیں یا جو شریعت سے بالاتر ہیں یا ان کا یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظر ثانی کرنے کا حق تفویض کریں، تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

دلائل شریعت کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے میں اس مسئلہ شرعی اصول کی وضاحت کے لیے بعض دلائل

مختصر ذکر کر چاہوں گا:

(الف) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَمَعْلُومٌ ، أَنَّ اضْطِرَارَّ مَنْ دِينَ الْمُسْلِمِينَ ، بِاتِّفَاقٍ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ ، أَنْ مِنْ سَوْغِ اتِّبَاعِ غَيْرِ دِينِ الْإِسْلَامِ أَوْ اتِّبَاعِ شَرْعِيَّةٍ غَيْرِ شَرْعِيَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَهُوَ كَافِرٌ ، وَهُوَ كَكُفَرٍ مَنْ آمَنَ بِمَعْضِ الْكِتَابِ وَكَفَرَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ ، كَمَا قَالَ نَعَالِي : ﴿ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيَبْغُونُ الْإِيمَانَ لِيُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيَكْفُرُوا نَوْماً ، بَعْضُ يَكْفُرُونَ نَجْوًى ، وَمِنْهُمْ بَعْضٌ يُكْتَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ، وَمِنْهُمْ بَعْضٌ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ، وَمِنْهُمْ بَعْضٌ يُكْفُرُ سِرًّا ، وَأَمَّا الَّذِينَ هُمْ أَكْثَرُ فَهُمْ كَافِرُونَ حَقًّا ، وَعِنْدَنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۱۵۰ ۝ ۱۵۱ ﴾

"یہ امر تو بالاطفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک ضروریات دین (دین کے وہ مسائل جن کا علم ہر مسلمان کو ہو) لازم ہے، میں شامل ہے کہ جو شخص دین اسلام کے سوا کسی اور دین یا شریعت محمدی ﷺ کے علاوہ کسی اور شریعت کی پیروی کر جائز قرار دے دے دے کافر ہے۔ اس شخص کا کفر بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کتاب اللہ کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرنے پر کافر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ﴿ جَعَلْنَاكَ دَلِيلًا لِّلنَّاسِ عَلَى بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ لَعَلَّكَ تَهْتَكُ الْكُرْسِيُّ ﴾ میں کہ ہم

بعض باتوں پر ایمان لائے اور بعض کا ہم نے انکار کیا، اور وہ ایمان اور کفر کے بیچ کی راہ کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہی لوگ کئے کار نہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے سواکن عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ ۵۳۳، ۴۸)

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْحَا۟مِلِیۡةِ یُغۡفِرُونَ وَہِیۡ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوْمٍ یُّوفِیۡوْنَ عَہۡدَہُمُ ۝۵۰﴾

[المائدہ: ۵۰]

”اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ مڑتے ہیں تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوں ہے؟“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

”بُنکر تعالیٰ علی من خرج عن حکم اللہ المحکم المشتمل علی کل غیر“، السامی عن کل شر، وعدل الی ما سواہ من الآراء والأھواء والاصطلاحات، الی، وضعیہا الرجال بلا مستند من شریعة اللہ، کما کان اهل الجاہلیۃ یحکمون بہ من المتضلات والجهالات، مما یضعونہا بأرائہم وأھوائہم، وکما یحکم بہ التار من السیاسات الملکیۃ المأخوذة عن ملکہم جکڑ خان، الذی راع لہم البساق، وهو عبارة عن کتاب مجموع من احکام فہد افسوسہا عن شرائع شنی، من البہودۃ والنصرانیۃ والعلۃ الاسلامیۃ، وفہا کثیر من الأحکام اخلدنا من مجرد نظره وحوارہ فصاوت فی سبہ شرعا متبعا، بقدمونہا علی الحکم بکتاب اللہ ومنہ رسولہ ﷺ ومن فعل ذلک منہم فہو کافر بدب فائدہ، حتی یروج الی حکم اللہ ورسولہ، فلا یحکم سواہ فی قلیل ولا کثیر“

”یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر کفر کی ہے جو اللہ کے ان حکم احکامات سے روگردانی کرتا ہے، جو ہر شے پر مشتمل ہیں اور ہر شے سے روکنے والے ہیں، پھر ان احکامات الہیہ کیچھوڑ کر ان آراء

ادراشات اور اصطلاحات کی پیروی کرتے آتے ہیں جنہیں انسانوں نے وضع کیا ہو اور جن کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ یہ شخص بالکل دور جاہلیت کے ان لوگوں کی مانند ہے جو اپنی آراء و ادراشات پر اپنی گمراہیوں اور چھاپوں کی روشنی میں فیصلہ کیا کرتے تھے، یا ان تاریخوں کی مانند جو اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب ”یاسق“ کو فیصلہ کن مانتے ہیں۔ ”یاسق“ مختلف شریعتوں سے اخذ کردہ احکامات کا مجموعہ ہے، لیکن احکام یہودیہ سے ماخوذ ہیں اور کئی کفرانیت اور اسلام سے اور بہت سے احکامات محض اس کے ذاتی نظریات اور ادراشات کے نمائندہ ہیں۔ یہ مجموعہ اس کی اولیٰ کے نزدیک ایک ایسا ہی لائق تہذیب و تربیت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ جس ان میں سے جو شخص بھی ایسا کرے وہ کافر ہے اور اس سے قتال کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف لوٹ آئے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں انہی کو حکم مانے۔“ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ المائدہ: آیت ۵۰، ۶۸)

علامہ امیر شاہ رحمہ اللہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اقول: أفجوز فی شرع اللہ تعالیٰ ان یحکم المسلمون فی بلادہم بشریع مفتیس عن شریعات اوردی الوتبیۃ الملاحدۃ؟ بل بنشریع بدخلہ الاھواء والآراء الباطلۃ، بغیروہ وبیدلونیہ کما یبنواؤ، لا بابائی واضعہ أو افن شرعۃ الاسلام أم خالفہا؟ ان المسلمین لم یبلوا بهذا قط۔ فیما نعلم من فاریخہم، الا فی ذلک العہد عہد التبار، وکان من اسواء عہود الظلم والغلام ومع هذا فانہم لم یخصصوا الہ بل غلب الاسلام التبار، ثم مزجہم فادخلہم فی شرعہ، وزال اثر ما صنعوا اہنات المسلمین علی ذنبہم وشریعتہم، وبما ان الحکم المتکبر الجائر کان مصدروہ الفریق الحاکم اذ ذاک، ثم یمنح فیہ احد من افراد الاسم الاسلامیۃ المحکومۃ، ولم یعلموہ ولم یعلموہ اہلہم، فما اسرع ما زال اثرہ، افرایم هذا“

الوصف الضروی من الحفاظ لئن کثیر۔ فی القرن الثامن۔ لداک الغاتون
الربعی، الذی منع عدو الاسلام حنکیز خان؟ ائسنم ترونه یصف حال المسلمین
فی هذا العصر، فی القرن الرابع عشر الهجری؟ الا فی فرق واحد اشرنا الیه آتفا:
ان ذلک کان فی طیفه خاصه من الحکام اتی علیها الزمن سربعا فاند محت فی الامه
الاسلامیه ورائ انر ما صنعت، ثم کان المسلمون الآن اسوا حالا، وشد ظلمها
وظلاما منهم، لان اکثر الامم الاسلامیه الآن تنعدم فی هذه القوائین المختلفه
للشریعة، والسی هی اشیء شیه بذاک "الباسق" الذی اصطفعه وحل کافر ظاهر
الکفر، هذه القوائین السی یصطنعها فاس یمینون للاسلام، ثم یعلمها ابناء
المسلمین یمفخرون بذلک آباء و ابناء، ثم یعملون مرد امرهم الی معنی هذا
"الباسق العصری" وبحفرون من یخالفهم فی ذلک، یمینون من بدعهم الی
الانتمساک بدينهم وشریعتهم "وجعیا" و "جمعدا" الی مثل ذلک من القاط
البذیة بل انهم ادخلوا ایدیهیم فیما یفی فی الحکم من الشریع الاسلامی، وبربدون
نحویله الی "یمافهم" الحدید بالیھونا و البین ناره و عالمکر و الخدیعة ناره، و یماء
مسلکت ایدیهیم من السلطات ناروت، و بصرحون ولا یستحیون بانهم یعملون علی
فصل الدوله من الدین! افجوز اذن، مع هذا، لاحد من المسلمین ان یعتق هذا
الدین الجدید، اعنی الشریع الجدید؟ او یجوز لرجل مسلم ان ینی القضاء فی ظل
هذا "الباسق العصری" و ان یماء و یعرض عن شرعیة البینه؟ ما اظن ان رجلا
مسلمیا یمرف دینه یمعمل به جملة و تفصیلا و یؤمن بان هذا القرآن انزلہ اللہ تعالی
علی و سوله ﷺ کتابا محکما لا یاتیہ الباطل من بین یدیه، ولا من خلفه، و بان
طاعته و طاعة الرسول ﷺ الذی جاء به واجبة فطعیة الوجوب لی کل حال، ما اظنه
یستطیع الا ان یجزم غیر متردد ولا متاول بان ولا یة القضاء فی هذه الحال ماطلة

بطلانا اصلیا، لایلحفه الصحیح ولا الاجازة، ان الامر فی هذه القوائین الموضعیة
واضح ووضوح الشمس، هی کفر بواج، لا خفاء فیہ ولا مداوله، ولا عنر لاحد من
بنسب للاسلام۔ کاتنا من کان، فی العمل یماء او الخصوص لھا او افراھا، للیحذر
امرؤ لنفسه، و کل امرؤ حسب نفسه۔"

"میں کہتا ہوں: کیا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے ممالک
میں شرکیز دھڑاتیں پور پرتی تو ان سے باخود قانون کی نگرانی ہو؟ یا ایسے قانون کی جس میں انسانی
غواہیات اور باطل آراء کا پل ہو، قانون بنانے والے جیسے چاہیں انہیں بدل دیں اور انہیں اس کی ذرا
پر واز نہ ہو کر ان کے وضع کردہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا مخالف؟ ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں
کو تاجریوں کے دور کے علاوہ کبھی اپنی پوری تاریخ میں اس طرح کی آزمائش کا سامنا نہیں رہا: اور یہ دور
تاجری کی ہماری تاریخ میں ظلم اور ظلمات کی بدترین دور تھا، لیکن اس کے باوجود مسلمان اس نئے کئے
سرگرم نہیں ہوئے تھے بلکہ بالآخر اسلام کی تاریخوں پر غالب آ گیا تھا، اور اسلام نے انہیں اپنے رنگ
میں رنگ کر شریعت کے دائرے میں داخل کیا تھا۔ نیز مسلمانوں کے اپنے دین اور شریعت پر بھروسے
کے سبب تاجری عہد کے اثرات جلد ہی زائل ہو گئے تھے، یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس وقت
کے ان تمام ظالمانہ اور باطل حکامات کا صدر صرف حکمران سابق تھا جب کہ امت مسلمہ کے حکوم افراد اس
مسل میں قطعاً شریعت نہ تھے، نہ وہ انہوں نے اس قانون کو یکساں اور نئی اپنے چوں کو اس کی قدیم ہی ابتدا
بہت جلد ہی اس قانون کی کثرات زائل ہو گئے۔

کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ حافظ ابن کثیر نے آٹھویں صدی ہجری میں دکن اسلام دکنیز خان
کے وضع کردہ، اس قانون کے واسطے سے کس قدر واضح اور حکم مؤقف اختیار کیا ہے؟ کیا بالکل یوں نہیں
محسوس ہوتا گیا ہو چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا حال بیان کر رہے ہوں؟ البتہ دونوں زمانوں
میں ایک فرق ضرور ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ دو فرق یہ ہے کہ اس وقت یہ مرض
صرف ایک حکمران طبقے کے ساتھ مخصوص تھا جو خود سے ہی مرض سے امت کے رنگ میں رنگا گیا اور اس

کے منفی اثرات امت سے جلد ہی داخل ہو گئے۔ اس کے برعکس آج امت مسلمہ کی اکثریت ان غلط شریعت قوانین کو اپنا چکی ہے۔ بس ان کا حال اس دقت کے مسلمانوں سے بدرجہا بد ہے اور یہ ان سے زیادہ ظلم و ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آج کے یہ خود ساختہ قوانین دوسرا بھی اس زمانے کی "یا حق" کے مشابہ ہیں، البتہ (یہ فرق ضرور ہے) کہ اسے "کلمہ" کے لئے وضع کیا تھا جس کا لغز یا فکس عیاں تھا، جبکہ آج کے یہ قوانین ایسے لوگ وضع کرتے ہیں جو بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ مگر اس کے آج مسلمانوں کی نئی نفسیات ان قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہیں، چھوٹے بڑے سبھی اس پر فخر کرتے ہیں، اور پھر اس درجہ بد کے یا حق کو ماننے والے اور اپنانے والے کو اسرا کھنوں پر بٹھاتے ہیں اور اپنی جہدوں سے نوازتے ہیں۔ اس کے برعکس جو کوئی ان کے اس طرز عمل کی مخالفت کرے تو یہ اسے حقیر جانتے ہیں، اور جو (ان اپنی قوانین کو چھوڑ کر) دین اور شریعت کو کھانسنے کی دعوت دے اسے "رجعت پسند" اور "تنگ نظر" جیسے گھٹیا الفاظ سے پکارتے ہیں۔ یہ تو یہ اسے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ ان خود ساختہ قوانین میں موجود باقی ماندہ شرعی احکامات بھی ان کی دست درازی سے تلفوظ نہیں۔ جتنا چہرہ بھی نرمی اور لطافت، کبھی کبھار صرف وہی جبر و استبداد کا اسلوب استعمال کرتے ہوئے یہ مستقل کرکٹوں پر جتے ہیں کہ کسی طرح ان باقی ماندہ شرعی احکامات کو بھی تبدیل کر کے (خاص فکری احکامات پر مشتمل) ایک جدید یا حق تشکیل دیں۔

اب تو یہ اس بات کا اعلان کرنے سے بھی نہیں شرماتے کہ ہم دین و دیاست کو طعنے دینے کے لئے کرکٹوں ہیں! کیا اس سب کے بعد بھی کسی مسلمان کے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اسی "دین جدید"۔۔۔ یعنی انسانوں کے وضع کردہ ان جدید قوانین۔۔۔ کو قبول کرے؟ کیا کسی مسلمان کے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ شریعت کی واضح تعلیمات کے منہ موڑ کر "عصر حاضر کی یا حق" سے قاضی بنا کر قبول کر لے اور اس نئے دین پر عمل کرنے لگے؟

برور مسلمان جو اپنے دین کی سحر و کھٹا ہو، ایمان رکھتا ہو، اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ایک محکم کتاب کی صورت میں نازل فرمایا

اور باطل کے اس میں دورے کی کوئی گنجائش نہیں، اور اس پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ اس کتاب اور اس کے لئے اے رسول ﷺ کی پیروی کرنا ہر حال میں قطعی طور پر واجب ہے۔۔۔ اس کے بارے میں ہر ایمان رکھتا ہے کہ وہ بغیر کسی تردد و تاویل کے چورے یقین کے ساتھ یہ بات کہے گا کہ "ایسے قوانین کے تحت قاضی بنانا بالاصل ہی باطل ہے جس کے جائز ہونے کی گنجائش ہونے کی قطعاً کوئی صورت نہیں۔ جیسے ان "وضعی قوانین" (خود ساختہ قوانین) کا معاملہ اخیر میں انہیں ہے۔ ان قوانین کا ٹکڑے، ان میں جو ان کا تعلق اور دین امر ہے جس میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں۔ پس اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے ہے۔۔۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔۔۔ ان قوانین پر عمل کرنے سے، ان کے سامنے منسلح غم کرنے یا انہیں ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ اس حق سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنا مسابہ کرنے کے لئے کافی ہے۔" (عمود: تفسیر، ج ۲، ص ۱۵۲)۔

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ أُمَّةَ نَسَخَتْ شَيْئًا مِمَّا نَزَّلْنَا بِهِ مِنَ الْكِتَابِ إِلَّا غَيْرُ شَيْءٍ﴾

نقصی بینہم وان الطلمس لہم عذاب الیم (المائدہ: ۲۱)۔

"کیا یہ لوگ ایسے شریکان خدا کہتے ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت نہ کئے؟"

کوئی ایسا طریقہ قرار نہ دے جسے کائنات نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے (کے دین) کا وعدہ نہ ہو: (آب

تک) ان کا تفسیر چکا دیا گیا ہو، اور یقیناً قانونوں کے لئے (اس دن) اور وہ مذکب ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ای: ہم لا یعنون ما شرع اللہ لک من الدین الفربم، بل یعنون ما شرع

لہم شباطہم من الجن والانس، من تحريم ما حرموا علیہم، من البحيرة والسائبة

والوصیلة والحمام، ونحلیل المیتة والدم والقمار، التي نزل ذلک من الاضلال

والجهالة الباطلة، التي كانوا قد اخترعوا فی جاهلیتہم، من التحلیل والنحریم،

والمبادات الباطلة، والافوال الفاسدة۔"

یعنی یہ اس دین توہم کی بیرونی چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر فرمایا ہے، ان قوانین کی بیرونی کرتے ہیں جو ان کے شیاطین جن و انس نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ ان باتوں میں بخیرہ سامعہ، وصلہ اور حام وغیرہ کا حرام قرار دیا جانا، اور مردار، خون اور جو سنے کا حلال نہ پایا جاتا بھی شامل ہے۔ یہ قوانین دورِ جاہلیت میں گزرے گئے ایسے ہی دیگر گمراہ کن، باطل اور جاہلانہ امور پر مشتمل ہیں، جن میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا گیا ہے، نیز بعض فاسد اقوال اور بعض فاسد عبادات کو شامل کیا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ الشوری: آیت ۳۱، ۱۱۲۳)۔

(د) امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”أثبت النبي ﷺ، وهي عنفي صلب من ذهب، فقال ”يا عدی، اطرح عنك هذا اللون“ وسمعه يقرأ في سورة البراءة ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾ قال: أما انهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا حلوا لهم شربا استحلوه، وإذا حرموا عليهم شربا حرموه“۔

”میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے عدی! اس بت کو اتار بیٹھو“

میں نے آپ ﷺ کو سوہرا، مت (سورۃ توبہ) کی یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا ﴿انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا﴾ اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ (اہل کتاب) ان (علماء اور درویشوں) کی (ہاتھ باندھ) عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ لوگ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام مقرر دیتے تو یہ اسے حرام مان لیتے (پس یہ حرم و حلال کا حق نہیں سمجھتے و بنیادی قوانین کی عبادت

لے رہے)“ (سنن الترمذی ۲۷۸۵، حلیہ حوالوں کے لیے رجوع کیجئے۔ سنن سعید بن منصور ۳۲۵/۵، سنن ابی نعیم الکبریٰ ۱۱۶۱۰، معتب ابن ابی عیینہ ۱۵۶/۱، المعجم للشمس ابنی ۹۲/۱، شعب الایمان ۳۵/۱، تاریخ القدر ۳۵۵/۲)۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم کے سامنے یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نصاریٰ کو شرکین میں اس لیے شمار نہیں فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے اپنے علماء و مشائخ کے لیے سراسر عبادت و عبادت تھے، بلکہ ان میں اس لیے شرک قرار دیا ہے کہ جب یہ علماء اللہ کی کتاب میں بیان کردہ حلال کو حرام یا اس میں بیان کردہ حرام کو حلال قرار دیتے تو نصاریٰ یہاں بھی ان کی بیروی کرتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتم کا گمان یہ تھا کہ عبادت کا منہ صرف نماز اور روزے جیسے مراسم عبادت تک محدود ہے۔ لیکن نصاریٰ چونکہ نماز اور روزے جیسی عبادات اپنے علماء اور ولیوں کے لیے نہیں (بلکہ اللہ کے لیے) ادا کرتے تھے اس لیے حضرت عدی نے یہ سمجھا کہ اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں مانتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس شبہ کو دہل کرتے ہوئے ان پر واضح کیا کہ جب عیسائیوں کے علماء نے حرام یا حلال قرار دینے کے معاملے میں شریعت کی مخالفت کی اور اس کے باوجود بھی عیسائیوں نے ان کی اطاعت کی تو گویا انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمہما فرماتے ہیں:

”عن أبي بصير قال: قيل لحذيفة أرايت قول الله اتخذوا أحبارهم؟ قال: أما انهم لم يكونوا يصومون لهم ولا يصلون لهم، ولكنهم كانوا إذا حلوا لهم شربا استحلوه، وإذا حرموا عليهم شربا أحله الله لهم حرموه، فذلك كانت ريبهم“۔

”ابو بصیر سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان سے پوچھا گیا کہ اللہ رب العزت

کے ان فرمان "اتخذوا حذرکم" کا معنی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

اہل کتاب ان (علماء و مشائخ) کے لیے نماز، روزے، حجی عبادات نہیں بجالاتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال جانتے اور جب وہ ان کے لیے اللہ کی حلال کردہ کوئی چیز حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام سمجھ لیتے، پس میں تو ان کو رب بتاتا ہے۔"

نامہ مری رحمت اللہ سے منقول ہے کہ اس بات کی تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لم یأمرهم ان یسجدوا لہم ، ولكن أمرهم بمعصیۃ اللہ فأطاعوہم ، فسماہم اللہ بذلك أربابا" .

"ان علماء اور روایتوں نے اہل کتاب کو یہ حکم نہیں دیا تھا انہیں سجدہ کریں، بلکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا تھا۔۔۔ انہوں نے میری ان کی اطاعت کی اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں 'رب' قرار دیا" (تفسیر الطبری ۵: ۱۱۶۱، مزید حوالوں کے لئے رجوع کیجئے: فتح القدر ۳۵۸/ تفسیر ابن کثیر ۳۵۸)۔

اس فہم پر سلف صالحین اور ائمہ اسلام کا اجماع ہے۔ بطور نمونہ ان میں سے بعض کے اقوال یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

امام ابو بکر اظہار کلمتی میں فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا وَصْفُہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِأَنَّهُمْ اتَّخَذُوہُمْ أَرْبَابًا ، لِأَنَّهُمْ أَنْزَلُوہُمْ مِنْزِلَةً رَّبِّہُمْ وَخَالَفُوہُمْ فِی قَوْلٍ نَّحَرِّمُہُمْ وَتَحِلُّہُمْ ، لَمَّا لَمْ یَحْرِہِ اللّٰہُ ، وَلَمْ یَحِلِّہُ ، وَلَا یَسْتَحِقُّ أَحَدٌ أَنْ یَطْعَہُ بِمِثْلِہُ الْإِلَہِ تَعَالٰی ، الَّذِیْ هُوَ خَالِفُہُمْ ، وَ الْمُکَلَّفُونَ کُلُّہُمْ مُتَسَاوُونَ فِی لزوم عبادۃ اللّٰہ و اتباع امرہ و توجہ العبادۃ الیہ دون غیرہ" .

"اللہ تعالیٰ نے ان (اہل کتاب) کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور روایتوں کو رب بنالیا تھا، کیونکہ انہوں نے چیزوں کو حلال و حرام قرار دینے کے معاملے میں انہیں اپنے

رب اور خالق جیسا مقام عطا کیا تھا۔ (پس یہ اپنے علماء و مشائخ کے حلال کردہ کو حلال) اور حرام کردہ کو حرام جانتے تھے) فوالہ اللہ نے انہیں حلال و حرام قرار دیا تو باندو یا بوجھا کر ایسی غیر مشروط اطاعت کا مستحق تو اللہ خالق کائنات کے سوا کوئی نہیں، مکلفین تو سب کے سب ہی اللہ کی سبابت کرنے والے، ان بات کی تردید کرنے اور قیام مذات کو کسی کے لیے خالص کرنے کے ایک سے پابند ہیں" (احکام القرآن للجصاص ۲: ۴۹۷)۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"﴿أربابا من دون اللہ﴾ یعنی سادۃ من دون اللہ ، یطیعوہم فی معاصی اللہ ، یحیلون ما أحلہ لہم فما حرّمہ اللہ علیہم ، و یحرمون ما یحرمونہ علیہم ، مما قد أحلہ اللہ لہم .

وأما قولہ : ﴿وما أمروا الا لیعبدوا الہا واحدا﴾ فانہ یعنی بہ وما أمر هؤلاء اليهود والنصارى الذین اتخذوا الاحار والہیان والمسیح اربابا الا ان یعبدوا معبودا واحدا ، وان یطعوا الا رباً واحداً وان ارباب شئی ، وهو اللہ الذی لہ عبادۃ کل شئی ، وطاعۃ کل خلق ، المستحق علی جمیع خلقہ الدینونۃ لہ بالوحدانیۃ والربوبیۃ . ﴿لا الہ الا ہو﴾ بقول تعالیٰ ذکورہ : لا تسعی الا للوہد الا لواحدا الذی أمر الخلق بعبادۃ ولزمت جمیع العباد طاعنہ . ﴿صبحامہ عما یشرکون﴾ بقول : تنزیہا وتظہیرا عما یشرک فی طاعنہ" .

"﴿اللہ کے سوا رب مانے﴾ سے مراد ہے کہ وہ اللہ کے مقابلے میں انہیں اپنا رب اور بتاتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں، پس وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ: ﴿اور انہیں تو اس بات کا حکم، دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی سبابت کریں﴾ تو اس کا معنی یہ ہے کہ علماء اور روایتوں اور مسیح علیہ السلام کو سب بتا لینے والے ان یہود

اور نصاریٰ کو یہی حکم تھا کہ سب کو واحد کی عبادت کریں مختلف اور باب چھوڑ کر صرف ایک رب کی اطاعت کریں، اس اللہ کی اطاعت کریں جس کی عبادت کرتے ہیں اور جس کی اطاعت کی ہر مخلوق پابند ہے، جو اس بات کا مستحق ہے کہ تمام مخلوق اسی کا دیں اختیار کرے اور اسی کی وحدانیت اور ربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے یعنی الوہیت کے لائق صرف وہی ذات واحد ہے جس نے مخلوق کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور تمام بندوں پر جس کی اطاعت لازم ہے۔

پھر فرمایا ﴿یا کافک﴾ وہ ہے اس شرک سے جو یہ اس کی جناب میں کرتے ہیں کہ یعنی اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے اس بات سے کہ اطاعت کے معاملے میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے (تفسیر الطبری، ۱۱/۱۳۱: ۱۵۵)۔

اس امر پر بھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قوله تعالى: ﴿وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُهُمْ آيَاتُهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾، أي لا ينفعه في تحليل إلا فيما حلله الله تعالى، وهو نظير قوله تعالى: ﴿اتَّخِذُوا حِجَابَهُمْ وَرِهَانَهُمْ﴾، أي آيات الله في معناه أنهم أنزلوه منزلة ربهم في قبول نحو مبهم وتحليلهم لها لم يحرمهم الله ولم يحللهم الله".

"ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں﴾ یعنی کسی چیز کو حلال قرار دینے میں ان کی پیروی نہ کریں سوائے ان کے چیزوں میں جنہیں خود اللہ نے حلال قرار دی ہے، یہ فرمان مبارک اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرمان کی مانند ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿آپسوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾ یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ نے حرام یا حلال قرار نہیں دیا تھا، اہل کتاب نے انہیں حلال و حرام قرار دینے کے معاملے میں اپنے علماء اور درویشوں کو رب کا مقابلہ سے رکھا تھا" (تفسیر القرطبی، ۱۰/۶)۔

ابن حزم رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان ﴿اتَّخِذُوا حِجَابَهُمْ وَرِهَانَهُمْ﴾ اور باب من

دون اللہ﴾ "آپسوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا" کے بارے میں فرماتے ہیں:

"كان اليهود والنصارى بحرهم ما حرم احبارهم و رهبانهم، وبحلون ما احلوا كانت هذه وبوبية صحيحة وعبادة صحيحة قد دلتوا بها، وسمى الله تعالى هذا العمل اتخذاً آرباب من دون الله وعبادة، وهذا هو الشرك من دون الله بلا خلاف".

"جب یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و درویشوں کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیا اور حلال کر دیا تو یہی بات ٹھیک ہو، پر ربوبیت اور عبادت کو اپنی، اور اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کو "اللہ کے سوا رب بنانا" اور غیر اللہ کی عبادت کرنے" سے تعبیر کیا۔ اور باخبر اس عمل کے شرک ہونے میں کوئی اشکاف نہیں" (المصل، ۲/۶۳)۔

شیخ الاسلام عید رحمہ اللہ حضرت عدی بن حاتم کی حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فقد بين النبي ﷺ أن عبادتهم اباهم كانت في تحليل الحرام ونحریم الحلال، لا أنهم صلوا اليهم وصاموا لهم، ودعواهم من دون الله، فهذه عبادة الرجال، وهذا ذكرهم أن ذلك شرك بقوله: ﴿لا اله الا هو سبحانه عما يشركون﴾".

"نبی اکرم ﷺ نے یہاں یہ بات واضح کر دی کہ تمام کو حلال قرار دینے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات ماننا ہی ان کی عبادت کرنا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کے لیے نماز پڑھتے تھے یا ان کی خاطر روزے رکھتے تھے یا اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے تھے۔ (حلال و حرام قرار دینے کے مسئلے میں اللہ کے بجائے انسانوں کی اطاعت کرنا)۔ دراصل انسانوں کی عبادت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اسے شرک قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں" (بخاری، الفتاویٰ، ۶/۷۷)۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقوله تعالى: ﴿وَأَنْ أَعْطِيَهُمْ أَلْكُمْ لَمُتْرِكِينَ﴾ اى حبب عدلکم عن امر الله للکم وشروعه الی قول غیره، فقد منتم ذلک، فیذا هو شرک، کقوله تعالى: ﴿اتَّخَذُوا أَحِبَّاءَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ وقد روى الترمذی فی نفسہا عن عبدی بن حاتم أنه قال: يا رسول الله ما عبدوهم، فقال: بلی، انهم اخلو لهم المحرم، وحرموا علیهم الحلال، فأتبعوهم، لذلك عبادتهم اباهم۔“

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم شرک ہو جاؤ گے﴾ یعنی جب بھی تم نے اللہ کے احکامات اور اس کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا قول اختیار کیا اور اسے اللہ کی شریعت پر مقدم ٹھہرا تو یہی مبین شرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبدی بن حاتم کی روایت نقل کی ہے انہوں نے عرض کیا کہ:

”اے اللہ کے رسول! اہل کتاب نے ان کی عبادت تو نہیں کی“

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کیوں نہیں؟ ان کے علماء و مشائخ نے حرام چیزوں کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیا اور انہوں نے پھر بھی ان کی پیروی کی، اسی کو اے اللہ عبادت کہتے ہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۵۰)۔

اسی طرح درج ذیل آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

﴿اتَّخَذُوا أَحِبَّاءَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

”انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا“

”وقال السدی: استنصحو الرجال، ونبذوا کتاب اللہ وراء ظهورهم، ولهذا قال تعالى: ﴿وَمَا أَمَرُوا إِلَّا ليعبدوا﴾ الیٰ الیٰ اذا حرم الشيء فهو الحرام، وما حمله فهو الحلال، وما شرع اتباعه، وما حکم به فقد ﴿لا اله الا هو

سبحانه عما یشرکون﴾ یہ اے تعالیٰ، و نفدس و نزہ عن البشر کاء و النظراء و الاعوان و الضداد و الاولاد، لا اله الا هو، ولا رب سواه۔“

”امام سدی فرماتے ہیں: (آیت مبارکہ کا مقصود یہ ہے کہ) انہوں نے انسانوں کو اپنا حیدر قرار دیا، جیسے کہ ان کی طرف رجوع کیا اور اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے ٹھیک دیا۔ اے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور انہیں قرائی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الہ کی عبادت کریں﴾ یعنی وہ الہ واحد جو کسی چیز کو حرام قرار دے۔ یہ تو وہ حرام، جو کہی اور وہ جسے حال کر دے تو وہ حلال ہوگی، وہ ذات جس کی شریعت اسباب التمازع ہے اور جس کا حکم نافذ العمل۔ ﴿اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ پاک ہے اس شرک سے جو اس کے ساتھ کرے﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مقرر کردہ شریکوں و ظہیروں سے انصار و اعوان سے اور اضداد و بولاد سے پاک اور بلند تر ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۵۰)۔

امام شاکانی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”و معنی الآية انهم لمّا اطاعوهم فبعوا بامر و نهيهم به ونبهوهم عنه، كانوا يعترفون له المتخذين لهم اربابا، لانهم اطاعوهم كما نطاع الارباب۔“

”آیت مبارکہ کا معنی یہی ہے کہ جب انہوں نے اپنے علماء، درویشوں کے امر و نہی کو اپنی (غیر شرط) اطاعت کی تو گویا انہیں رب بنا لیا، کیونکہ جس طرح رب کی (غیر شرط) اطاعت کی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی اطاعت بھی (غیر شرط) اطاعت کی۔“ (فتح القدير ۳: ۳۵۳)۔

علامہ تھمشا کر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”المقتضاء فی الاموال و الاعراض و الدماء بقانون مختلف لمصلحة اهل الاسلام، واصدار قانون ملزم لأهل الاسلام بالاحتكام الیٰ حکم غیر حکم اللہ، هذا الفعل اعراض عن حکم اللہ، و رغبة عن دينه، وهذا کفر لا یشک احد من اهل

القبلة على اختلافهم في تكفير القاتل به والداعي اليه"

”لوگوں کے جان و مال، آبد و کے معاملات میں کسی ایسے قانون کی بنیاد پر فیصلے صادر کرنا جو شریعت کے مخالف ہو اور ایسے قانون بنانا جو مسلمانوں کو احکامات الٰہی چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کی طرف رجوع کرنے کا باطلہ کرتے ہوں۔“ اور اہل کفر اللہ کے رحم سے اعراض اور اس کے دین سے عداوت کرنے کے مترادف ہے۔ اور اہل قبلہ کے تمام مخلوقات اس کے کفر ہونے میں ذرا شک نہیں کرتے، نہ ہی اس کی طرف ایمان والے اور دھوکے دینے والے کو کافر کہتے ہیں کوئی تردد کرتے ہیں۔“ (حاشیہ فیما بین جری، النسخ، شہداء محمد رحمہ اللہ ص ۳۲۸)۔

علامہ محمد امین الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لحكيمة النظام المخالف لتسريع خالق السماوات والأرض في أنفاس المجتمع وأموالهم وأعراضهم وأنسابهم كثر ، خالق السماوات والأرض ، ونريد على نظام السماء ، الذي وضعه من خالق الخلاقين كلها ، وهو أعلم بمصالحها سبحانه ونعالي ان يكون معه مشروع آخر علوا كبيرا ؟ إلام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله ؟ ، ﴿ فإلّا أرينهم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلهم منه حروما وحلالا فلآلهة أذن لكم أم على الله تفترون ؟ 》 .

ان لوگوں کے جان، مال، عزت و نسب کے معاملات میں فیصلے کے لیے خالق ارض و سما کی نازل کردہ شریعت کے مخالف کسی نظام کی طرف رجوع کرنا خالق ارض و سما کے ساتھ بغاوت اور اس کے نظام کائنات کے خلاف سرکشی ہے۔ جسے اس عالمی ذات نے وضع کیا ہے۔۔۔ جو تمام کائنات کا خالق ہے اور اس کی مصلحت و ہدایتی ہے۔ خوب واقف ہے۔۔۔ وہ بہت پاک اور بلند ہے اس بات سے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کفری شریعت ملازم ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ چنانچہ لوگ ایسے شریکانِ خدا کہنے جنہوں نے اس کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے بغیر جس شخص کے

اور ارشاد ہے: ﴿آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو: اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تم

اس میں سے بعض کو حرام فہم آیا اور بعض کو حلال، (ان سے) پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا یا اللہ پر محبوب بنا دے؟" (انصواء البیان ۸۴)۔

دوسری فصل

دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے ہم اس فصل میں دستور پاکستان کی بعض ایسی وضاحت کا ذکر کریں گے جو شریعت کے متعلق عوامی افکار سے متصادم ہیں۔ البتہ یہاں، دستور اور شریعت اسلامی کا امین بنے جانے والے تمام تضادات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ اختصار کے پیش نظر صرف نمایاں ترین تضادات، کہہ کر متنازعہ کرنا ہے۔

میں نے اس بحث کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) بہاؤاتصاد: نمائندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر متعید اور مطلق حق قانون سازی حاصل ہے۔

(۲) دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

(۳) تیسرا اقتضا: سربراہ ریاست (یعنی صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق ہے۔

(۴) چوتھا تضاد: قاضی کے لیے عاقل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، جبکہ مسلمان ہونے کی

شرعی

عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے

(۵) مانحو اس اتفاقاً دوسرے براہ راست کے لئے مردہ ہونے کی شرط نہیں مانڈ کی گئی

قانونی ملبر پر

جرم قرار دیے جانے سے قبل کیا ہو

(۷) اس قانون اقتدار ایک جرم پر درود لکھنا ہر گز کی تقویٰ نہایت

(۸) آجھواں اقتدار: سوسکے حوالے سے دستور کا ماحول

پہلا اقتدار

نمائندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر متعذر اور

مطلق حق قانون سازی حاصل ہے

آئین کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ واضح طور پر مجلس شوریٰ (یعنی پارلیمان) کے نمائندوں کی غالب اکثریت کا یہ حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ دستور میں جیسے چاہیں ترمیم کریں اور اس حق کے استعمال پر کسی بھی سختی پر کوئی پابندی نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

دوسرا اقتدار

بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

دستور پاکستان نے واضح طور پر کئی شخصیات اور اداروں کو ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیا ہے۔ مذکورہ شرعی عدالت میں اور نہ ہی کسی اور عدالت میں ان کے افعال پر گرفت کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس سے قبل کے میں مثالوں کے ذریعے اس مسئلے کو واضح کر دوں، پہلے ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ شریعت ایسے قانونی کو حفظ کو کس لگاؤ سے دیکھتی ہے چنانچہ میں نے اللہ کی توفیق سے اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) پہلا بحث: کیا کسی شخصیت اور ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ

شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

(ب) دوسرا بحث: دستور پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے

بالاتر قرار دی گئی ہیں۔

(الف) پہلا بحث

کیا کسی شخصیت یا ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی

احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے کہ کسی شخص یا ادارے کو یہ دعویٰ کرنے یا یہ زعم رکھنے کا حق حاصل نہیں کہ اس کے تفرقات شرعی محاسبے سے بالاتر ہیں۔ پس جب ایسا زعم رکھنا بھی شرعاً جائز نہیں تو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے کسی فرد یا ادارے کو شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

یہاں میں مختصر چند مثالیں ذکر کر رہا ہوں جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی پکرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمان کس طرح شرعی احکامات اور عدالتی فیصلوں پر سر تسلیم خم کرتے تھے۔ نیز ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستور پاکستان میں موجود اس شیطانی اصول کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، حتیٰ کہ اسلامی نظام حکومت کے تحت گزرنے والے ظلم اور انحراف کے بدترین ادوار بھی اس شیطانی اصول سے پاک رہے ہیں۔ لیکن بالآخر فکری استبداد کی نفرت کے فرزند اور غاصب کفار کے آل کا راستہ پر غالب آئے اور انہوں نے اس شیطانی اصول کو باقاعدہ قانون کا درجہ دیا۔

چنانچہ ایک نام نہاد اسلامی ریاست پاکستان کے نام نہاد اسلامی دستور میں درج اس اصول کی حقیقت کو کھلنے کے لیے میں اپنی بحث کو درج ذیل نکات میں تقسیم کر دوں گا:

پہلا نکتہ: نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ وار خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ

سیرتوں سے اس قاسم اصول کا رد

دوسرا نکتہ: اقوال علماء سے اس قاسم اصول کا رد

تیسرا نکتہ: اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے اختیار

والے۔

پہلا نکتہ:

نبی اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین

کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

اولا سنت رسول ﷺ سے: لائن

(۱) عن عائشة رضي الله عنها : ان فرسنا اهتمهم المرأة المنزوة ،
التي سرفت ، فقالوا : من يكلم رسول الله ﷺ ؟ ومن يجنوى ، عليه ؟ الا اسامة بن
زيد حب رسول الله ﷺ ، فكلهم رسول الله ﷺ ، فقال : اتشفع في حد من
حدود الله ؟ ثم قام فخطب قال : يا ايها الناس اتما صل من فيلكم انهم كانوا اذا سرف
الشربف تركوه ، واذا سرف الضعيف فيهم اقاموا عليه الحد . واهم الله لو ان فاطمة
بنت محمد ﷺ سرفت لقطع محمد بدنها .

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک عذری خاتون
نے چوری کی جس پر قریش کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ
ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جواب دو کہ کوئی بھی آپ ﷺ سے اس خاتون کی سفارش
(کرنے کی جرات) نہیں کر سکتا۔ چنانچہ (لوگوں کے کہنے پر) اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ
سے اس عذری خاتون کی سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا تم اللہ کی حد دو جہن سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا:

”اے لوگو! تم سے پہلی امتوں کے گمراہ ہوئے کا سبب یہ تھا کہ جب کسی حد ضرر پوری
کرنا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کڑور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم
اگر فاطمہ بنت جحش (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو خود جحش (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹتے۔“
(صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعة فی الحد اذا رجع فی السلطان، حدیث (۲۳۰۶) ۴/۲۴۱)

امام ابن جریر رحمہ اللہ اس حدیث میں موجود انکار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وفیه ما یبدل علی ان فاطمة علیها السلام عند ابیہا . ﷺ . فی اعظم
المنازل۔“

....وفیه ترکہ المحابة فی اقامة الحد علی من وحب علیہ ولو کان ولدا
فیربوا او کبیر الفدر والنشدید فی ذلک والاکثار علی من وحب علیہ او نعرض
للشفاعة فیمن وحب علیہ .

....وفیه الاعسار بأحوال من مضی من الأهم ولا مسمما من مخالف أمر
الشروع۔“

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم ﷺ کے
نزدیک عظیم ترین مقام کی حامل تھیں۔“

--- نیز اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف حد قائم کرنا
واجب ہو جائے تو اسے مزاحمت دینے کی کوشش کرنا درست نہیں، چاہے وہ شخص اپنا بیٹا یا قریبی رشتہ دار
یا کوئی بہت محترم آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث اس معاملے میں بہت تلخ کا رہی ہے اور اس شخص پر
گرہ ثبت کرتی ہے جو کسی سخت سزا فرما کر کے لئے رخصت تلاش کرے یا اس کے حق میں سفارش کرے۔

--- اسی طرح یہ حدیث گزشتہ قیموں، بالخصوص شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے
ادارے سے عبرت حاصل کرنا بھی سکھاتی ہے۔ ”لا تعجل بالہادی الا من جرہ کتاب اللہ، باب کراہیۃ الشفاعة فی

الحجرات فی الی اسطغان، حدیث (۱۳۰۶) (۹۶/۱۴)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لفی هذه القصص عبرة فان اشراف بيت كان في فريش بطنان بنو مخزوم و بنو عبد مناف فلما وجب على هذه القطع بسرقها . التي هي جحود العارية على قول بعض العلماء او سرفه اخرى غيرا على قول آخرين . وكانت من اكبر الضائل واشرف البوت ، وخضع فيها حب رسول الله ﷺ اسامة ، غضب رسول الله ﷺ فانكر عليه دخوله لبعما حرمه الله ، وهر الشفاعة في الحدود ، ثم ضرب المثل سبله نساء العالمين وفد براها الله من ذلك ، فقال : "لوان فاطمة بنت محمد سرفت لفلعت بعدها" .

"اس واقعے میں ہمارے لیے بہت کاسا سامان ہے کیونکہ بخزوم اور بنو عبد مناف قریش کی معزز ترین شاخیں سمجھی جاتی تھیں۔ پس جب (بنو مخزوم کی) اس عورت نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹنا شرعاً واجب ہو گیا۔ اس چوری کے حوالے سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ عورت دراصل ادھار والیں کرنے سے انکار دی ہوئی تھی جبکہ بعض کے نزدیک یہ چوری ہی کا واقعہ تھا۔ اب باوجود اس کے کہ یہ عورت (عرب کے) سب سے بڑے قبیلہ اور اس قبیلے کی سب سے معزز شاخ سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے حق میں سفارش کرنے والی سبھی رسول اللہ ﷺ کے کتب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے اور آپ ﷺ نے اللہ کے امر کو اور اس میں عدالت کرنے اور حدود اللہ کے معاملے میں سفارش کرنے سے سختی سے ٹوکا۔ پھر آپ ﷺ نے سارے جہانوں کی عورتوں کی سر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔۔۔ حالانکہ اللہ نے انہیں چوری جیسے فعل سے بری ہی رکھا تھا کہ:

"اگر فاطمہ بنت جحمر (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا" (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ، البیضاء الشریعی فی اصلاح البراء الرعیۃ، الفصل فی ان العلم بین الناس یکون

فی الحقوق والحدود، القسم الاول، الحدود، الحقوق التي یستلزمها قوم مسلمین، ۲۸/۲۹۶)۔

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے وضاحت سے بیان فرمادیا ہے کہ

(الف) کوئی شخص کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو جائے، وہ شریعت مطہرہ کے احکامات کی پابندی سے ہر گز نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس نکتے پر زور دینے کے لیے اپنی پیاری بیٹی اور خاتون عالم کی سر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال تک، یہ ذاتی یا تو کیا پرویز اور اس جیسے گھناؤگوں کا مقام ناموز با لہ، حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مقام سے بھی بڑھ گیا ہے کہ انہیں شرعی احکامات کی پابندی سے بالا قرار دیا جائے؟

(ب) اس قسم کی بے جا طرف داری اور عیقباتی تقریریں سابقہ امتوں کی بلاکت کا باعث بنی اور آج پاکستان اور دیگر ممالک میں بھی ہم یہی جید کی سب ہو کر دیکھ رہے ہیں۔

(۴) عن البراء بن عازب، رضی اللہ عنہ قال: مر علی النبی ﷺ . یهودی محصما مسلحوا فدعاهم ﷺ ، فقال : "هكذا نجدون حد الزانی فی کتابکم ؟" قالوا نعم فدعا رجلا من علمائهم ، فقال : "الندک باللہ ، الذی انزل النبوۃ علی موسیٰ ، اهكذا نجدون حد الزانی فی کتابکم ؟" قال : لا ولولا انک نزلت فی یہذا الم غیرک ، نجدہ الرجم . ولكنه کثر فی اسرائیاء ، فکنا اذا اخذنا الشریف ینر کساء ، واذا اخذنا الضعیف اقمنا علیہ الحد . قلنا نعالوا فلنجتمع علی شیء نقمیہ علی الشریف والوضیع ، فلجلنا التجمیم والجلد مکان الرجم . فقال رسول اللہ ﷺ : "الانہی اہم اول من احیا امرک اذا امتاتہ" . فامر بہ فوجم فانزل اللہ عز وجل : ﴿یا ایہا الرسول لا یحزنک الذین یارعون فی الکفر﴾ الی قولہ ﴿لئن اوفینم هذا فخلدوہ﴾... الحدیث

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک یہودی گزرا گیا جس نے منکالہ کر کے کوڑے مارے جا رہے تھے تو

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا باور پر چما کر:

”کیا تمہاری کتاب میں زانی کی سزا (حد) بیان کی گئی ہے؟“

تو انہوں نے کہا: جی ہاں

پھر آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا باور پر چما کر:

”میں تجھے اس اللہ کی قسم دے کر کہ پچھتاہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر قورات نازل فرمائی

کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی سزا دیتے ہو؟“

تو اس نے کہا:

نہیں، اور اگر مجھے یہ قسم نہ دی ہوتی تو میں تمہیں کبھی بھی جج نہ جانتا۔ تو رات میں تو رحم

(سنگساری) کی سزا ہی دے گا کہ میں کیا کریں کہ ہمارے معزز لوگوں میں زنا کا جرم کثرت سے پھیل

گیا۔ پس جب ہم کسی شخص کو اس جرم میں پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضیف ہمارے

ہاتھ چڑھتا تو اس پر حد قائم کر لیتے۔ بلا خرم نے کہا کہ تو کسی ایسی سزا پر مشفق ہو جائیں جو معزز اور سستہ

دلوں کو قسم کے افراد کو دی جاسکے پھر ہم نے رجم کی جگہ زندگانہ کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر دی۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے اللہ! میں تیرے حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں میرے لوگ ترک کر چکے ہیں۔“

پھر آپ ﷺ نے عقاب اور اس پر ہونے کو رجم (سنگسار) کر دیا گیا۔ اس موقع پر اللہ عز و جل

نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ لَا مَحْرُكَ لِلَّذِينَ إِتَّخَفُوا فِي الْكُفْرِ﴾ سے لے کر ﴿وَيَا أَيُّهَا

أُولَئِكَ هَذَا خُذُواهُ﴾ تک۔

(صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب وجہ اليهود أهل الذمۃ فی الزانی،

حدیث (۱۷۰۰) ۱۳۷۳)۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

”قال ان کان اسید بن حصیر رجلاً صاحباً ملبحاً قال: فبینما عند رسول

اللہ ﷺ، حدث القوم وبعصحبهم قطع رسول اللہ ﷺ، باصبعه فی حاصرہ،

لفعال: او جعنی قال: ”انقص“ قال: با رسول اللہ ان علیک فعیضا، ولم یکن علی

لمبص، قال: فرفع رسول اللہ ﷺ، فمضه، فاحتضنه، ثم جعل یقبل کتفہ، فقال:

ما یؤت أمت وأمی یا رسول اللہ! اوردت هذا“۔

”حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک خوش مزاج اور نیک آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ رسول

اللہ ﷺ کی مجلس میں کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر کے انہیں ہنسارے تھے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ان کے پیلوں میں اپنی انگلی چھد دی تو انہوں نے کہا:

آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو پھر بدلہ لے لو!

انہوں نے کہا:

آپ نے تو قیس بن رکی سے جبکہ میں نے تو قیس بن رکی سے پہلے ہوئی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی قیس بن رکی سے اوپر اٹھادی تو وہ آپ ﷺ سے چپٹ گئے اور

آپ کے پیلوں کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا:

اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بس یہی چاہتا تھا۔“

(مسند السنن البیہقی الکبری، باب ما جاء فی فضل الامام ۳۹۸، ویاب ما جاء

فی قبلة الجسد، حدیث (۱۳۳۳) ۱۰۲/۷، سنن ابی داؤد، کتاب الطاء

المہملہ، طلب الاستفادة من السنن، حدیث (۱۶۶۱) ۵۳۲/۴)۔

شیخ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اور میرا کہ امام ڈھمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ روایت امام بخاری نے ابولس سے قوی سند

لما یو بع ابو بکر فی السفیفة وكان الحد جلس ابو بکر فی المنبر ، وفام عمر فنکله فیل ابی بکر ، ثم نکتم ابو بکر فحمد الله والثنی علیه بما هو اوله .

نعم قال : اما بعد ابنا الناس فانی قد ولت علیکم ولست بنحیرکم ، فان احسنت فاعیبونی ، وان اسأت فلعوبونی . الصدق امانة ، والكذب حیاة ، والضعیف منکم فوی عندی حتی ازیح علته ان شاء الله ، والفوی فیکم ضعیف حتی اخذ من الحق ان شاء الله ، لا بدع قوم جهاد فی سبیل الله الا ضریهم الله بالذل ، ولا یسبح قوم فقد الفاحشة الا عظمهم الله بالبلاء .

اطیعونی ما اطعت الله ورسوله ، فاذا عصت الله ورسوله ، فلا طاعة لی علیکم ، فمو ائی صلاتکم یوحکمکم الله“ .

وهذا السناد صحیح . فقولہ رضی اللہ عنہ . "ولیکم ولست بنحیرکم" من

باب الہضم والنواضع ، فانہم مجمعون علی انه الفضلہم وخبرہم رضی اللہ عنہم

"تھریں اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہر نئی اور ہر نئی کوئی بن مالک رضی اللہ عنہ

نے بتایا کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی تو اسگے

دن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بہر خلافت پر بیٹھے اور آپ سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی ۔ اس

کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کیا ، پھر فرمایا :

"اے لوگو ! مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں بہترین آدمی نہیں ہوں ، لہذا

اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دینا ۔ سچ بولنا امانت داری

ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے ۔ تم میں سے کزور آدمی میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں

اللہ کی شیعت سے اس کی مشکل دور نہ کروں ، اور تم میں سے طاقت ور آدمی میرے نزدیک کزور ہے

یہاں تک کہ میں اللہ کی شیعت سے کزور کا حق اس سے وصول نہ کروں ۔ اور (یاد رکھو کہ) جب کوئی قوم

جہاد کی سبیل اللہ چھوڑ دیتے تو اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلما کر دیتے ہیں اور جب کسی قوم میں فاشی پھیل

جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر کڑی قوم پر طاب نازل فرمائے ہیں ۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور

اس کے رسول کی اطاعت کرو رہوں ، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر سے

میری اطاعت بھی مائل ہو جائے گی ۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو ، اللہ تم پر نازل فرمائے ۔"

اس روایت کی سند صحیح ہے ۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ : "مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے" یہ آیت

تم میں سے بہترین آدمی نہیں ہوں" تو آپ کی قاضی اور تفسیر ہے ، اگر اس امر پر جو ناجا بدشاہان

اللہ تعالیٰ نے تم پر اتار دیا تھا تو اس کا اثر ہر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل اور سب سے بہتر ہے ۔

(البدایہ والنہایہ ، فصل فی ذکر امور ولعت بعد وفاتہ ﷺ و قبل دفعہ

ومن اعظمها واجلها وابینها برکۃ علی الاسلام و اہلہ بیعة انبی نکر الصدیق وحی

اللہ ۲۳۸/۵ ، مزید دیکھئے : تاریخ الطبری ، ثم دخلت سنة احدى عشرة

۲۳۸/۲ ، المعجم الأوسط للطبرانی ، باب القین ، من اسمه منصور ، حدث

(۸۵۹۷) ۲۶۷۸ ، مجمع الزوائد ، کتاب الخلافة ، باب الخلفاء الأربعة

۱۸۳/۵ ، کنز العمال ، حرف الخاء ، کتاب الخلافة مع الاسادة حديث

(۱۵۰۵۰) ، (۱۳۰۶۳) ، (۱۳۰۷۳) ، (۱۳۰۱۲) ، ۸۵۹/۵ الی ۶۲۴ تاریخ

الخلفاء ، ابو بکر الصديق ، تفصل فی مباحثہ رضی اللہ عنہ ۶۷۷ ، ۶۷۸) .

صدق اکبر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبالنے کے بعد اپنے اس پہلے اور عظیم الشان

خطبے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں ۔

انہی اصولوں میں سے چند ایک یہ ہیں :

(الف) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ نیکی کے

کاموں میں آپ کی ہر دے کردار و غلط کاموں میں آپ کے آئے آپ کو سیدھا کرتے آپ سے یہ

میں نہیں فرمایا کہ اگر میں غلط کام کروں تو تم میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور تمہیں میرا حامیہ کرنے

میرے خلاف مقدمہ کرنے کا مجھے سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں ۔ جب کہ دستور پاکستان میں کسی فاسد

اصول دروغ ہے۔

(ب) پھر آپؐ نے نہایت تاکید کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ امت کا کردار فرد آپؐ کی نظر میں قوی ہے یہاں تک کہ آپؐ اسے اس کا حق نہ دلا دیں اور امت کا قوی فرد آپؐ کی نگاہ میں کمزور ہے یہاں تک کہ آپؐ اس سے کمزور کا حق وصول نہ کر لیں۔ پس آپؐ نے دستور پاکستان کی طرح لوگوں کو درگاہوں میں تقسیم نہیں کیا کہ ایک طرف تو وہ عامۃ الناس ہیں جو خدا تعالیٰ میں سمیٹے جانے اور محتاجیے اور سزا کے مستحق ہیں، بلکہ دوسری طرف اعلیٰ مناصب پر ہر امتیاز و طبقہ کے آدمی تھم سکے گا۔ کہ اور سزا سے بالاتر ہے۔

(ج) پھر آپؐ نے اپنی اطاعت کے قسم کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اگر آپؐ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو خالق ہی مصیبت میں امت آپؐ کی اطاعت نہ کرے۔ آپؐ کے اس حذف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں اللہ اعلیٰ صرف شریعت کو حاصل ہے نہ کہ کثرت کو۔ تمام احکام و قوانین تب ہی واجب الاتباع قرار پاتے ہیں جب وہ شریعت کے تابع اور اس سے موافق ہوں۔ حاکم کا حق امر بالمعروف نہی عن المنکر بھی اس شرط کے ساتھ مستند اور اسی اصول پر مبنی ہے اور امت پر حکمران کی اطاعت بھی مبنی واجب ہوتی ہے جب وہ شریعت کی تابع داری پر قائم ہو۔ یہاں بھی دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے درمیان نظر کا قضا نظر آتا ہے، کیونکہ دستور پاکستان ارکان پارلیمنٹ کی غالب اکثریت کو فی شرط باقید عامہ کیے اقتدار اعلیٰ کا فائدہ قرار دیتا ہے جیسا کہ پچھلے بحث میں قدرے تفصیل سے بات کر چکی ہے۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند میں ابوہریرہؓ سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

"اَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَرْسَلْتُ عَمَّالِي الْبِكْمَ لِيُظْهِرُوا اَبْشَارَكُمْ ، وَلَا لِيَاْخُذُوْا اَمْوَالَكُمْ ، وَلَكِنْ اَرْسَلْتُهُمْ الْبِكْمَ لِيُعْلَمُوْكُمْ دِيْنََكُمْ وَنَسَنَكُمْ ، فَمَنْ فَعَلَ بِهٖ شَيْءٌ سَوِي

اَكْب ، فَلْيَبْزُقْهُ اِلَیَّ ، فَاِنَّ الدِّیْنَ نَفْسِیْ بَيْدُوْهُ اَذَنْ لَا فُصْدَ مِنْهُ . فَوَيْلٌ عَمْرٍ مِنْ الْعَاصِ اَعْمَالٍ يَا اَعْبُرَ الْعُقُوبِیْنَ . اَوْ رَأَيْتَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰی رَعِيَّةٍ لَا اَذَبَ مِنْهُ مَعْصِيَةً لِّمَنْ تَشْكُ لِمُفْضَلِهِ مِنْهُ ؟ قَالَ : اَیُّ وَالَّذِيْ نَفْسِیْ بَيْدُوْهُ ، اَذَنْ لَا فُصْدَ مِنْهُ ، وَفَدْرٌ مِنْ رَسُوْلٍ ﷺ مِنْ بَعْضِ مَنْ نَفْسُهُ .

"اے لوگو! میں اللہ کی قسم، میرا اپنے اعلیٰ تہجد سے پاس اس شخص جیسا کہ وہ تہجد سے چشم نہ کرے میرا کہیں یا تہجد سے اعمال پڑھ کر نہیں۔ میں تو انہیں تہجد سے پاس اس لیے بھیجتا ہوں کہ کہیں تہجد سے دین اور سنت کی تعلیم دیں، لہذا جس کے ساتھ بھی اس کے برعکس معاملہ ہو، دور اپنی امت، چھٹک پہنچا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں نظم کا نشانہ نہ بننے والے کو ضرور بدلہ دوں گا۔

یہ بات سننے ہی عمر بن العاص رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے امیر المؤمنین! اگر مسلمانوں پر مقرر کردہ کوئی ذمہ دار اپنی رعایا کو ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے تب بھی آپ اس سے انتقام لیں گے؟

تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

جی ہاں، اسی ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے! میں تب بھی اس سے ضرور بدلہ دوں گا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے دیکھا ہے۔"

(مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حدیث (۲۸۶)

۱/۱۱، مسند ابی داؤد، کتاب الدیات، باب القود من الضرریة وقص الامیر من نفسه، حدیث (۳۵۴) ۱۸۴۳۳. الأحادیث المختارة للضیاء المقدسی حدیث (۱۱۶) ۲۱۹/۱. المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیسابوری، کتاب الفتن والملاحم، حدیث (۳۵۶) ۳۸۵۳۳. مصنف ابی نبیہ، ما یوصی بہ الامام الولاء اذا بعثتم، حدیث (۳۹۲۱) ۳۶۱۶۲. السنن الکبریٰ للبیہقی، باب

ما جاء في فضل الإمام ۳۸۸۸ وصاب الإمام لا يحرم بالقرى ۲۹۸۹ وصاب ما علي
الوالي من أمر الجيش ۳۴۸۹ مستد أبي يعلى ، مستد عمر بن الخطاب رضي الله
عنه ، حديث (۱۹۶) ۱۷۵۸۱ . تاريخ الطبری ، لم دخلت مئة ثلاثة وعشرين ،
ذكر الحبر عن رفاذ عمر ، ذكر بعض شبیر ۵۶۷۲۲ .

شأنہ شافعی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو سن قرار دیا ہے۔

(الحرید أو الطوفان للذکون و حاکم المطیری ص : ۸۳) .

دوسرا نکتہ:

اقوال علماء سے اس کا مسند اصول کا رد

(الف) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ذكر الله ما فرض على أهل التوراة فقال عز وجل : ﴿وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيهَا
أَنُفُسًا بِالْفَسْخِ﴾ أَيْ قَوْلُهُ ﴿فِيهِمْ كُفْرًا لَهُ﴾ ، وَرَوَى فِي حَدِيثٍ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ
”رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ -بَعَثَ الْفُؤُدَ مِنْ نَفْسِهِ ، وَأَبَا بَكْرٍ بِعَثَى الْفُؤُدَ مِنْ نَفْسِهِ ،
وَأَنَا أَعْطَى الْفُؤُدَ مِنْ نَفْسِي“ .

”اہل تورات پر فرض کردہ قصاص کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿اور ہم نے
ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان ، آنکھ کے بدلے آنکھ ، ناک کے بدلے ناک ، کان کے بدلے کان ،
دانت کے بدلے دانت اور تمام رگوں کے لئے برابر کا بدلہ ہے، پھر جو قصاص کا حکم دے کر دے تو وہ اس کے
لئے کفارہ ہے﴾۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی ذات کو بھی بدلے کے لئے پیش کیا
رتے تھے، اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ دیکھا کہ وہ بھی اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتے تھے اور
اسی ہی اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتا ہوں۔“

(معرفۃ السنن والأثر للبیہقی ، کتاب الجراح ، الفصص فیما دون النفس
۱۲/ ۱۹۳ ، مصنف عبد الرزاق ، باب فرد النبی ﷺ من نفسه ۲۶۸۹۹ .
الطفاط الکبریٰ لابن سعد ، ذکر اعطائه الفؤود من نفسه ﷺ ۳۷۳۳۳) .

پھر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”ولم أعلم مخالفاً في أن الفصص في هذه الأمة كما حكم الله عز وجل
أله حكم به بين أهل التوراة . ولم أعلم مخالفاً في أن الفصص بين الحبرين
المسلمين في النفس وما دونها من الجراح ، التي يستطاع فيها الفصص بلا تلف
بخلاف على المصنفاد منه من موضع الفؤود“ .

”مجھے نہیں معلوم کہ کسی اہل علم نے اس بات سے اختلاف کیا ہو کہ اس امر میں بھی قصاص
کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل تورات پر نازل فرمایا تھا۔ اور میرے علم کے مطابق اس بارے
میں بھی کوئی اختلاف نہیں کردہ آزاد مسلمانوں کے درمیان جان کا قصاص بھی ہوتا ہے اور جان سے کمز
ارے نہیں جان کا قصاص بھی بن کا قصاص لینے سے اس شخص کی جان تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس سے
نظامی لیا جا رہا ہے۔“

(الأم ، جماع الفصص فیما دون النفس ۵۰۶۲) .

(ب) امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأجمع العلماء على أن على السلطان أن يفصص من نفسه إن نعدى على
أحد من رعيته . وأذو واحد منهم . وإنما له مزية النظر لهم كالوصى والموكيل .

وذلك لا يجمع الفصاح . وليس بينهم وبين العامة فرق في احكام الله عز وجل ،
لنقله جل ذكره : ﴿ كتب عليكم الفصاح في القتل ﴾ . ثبت عن ابي بكر الصديق
رضي الله عنه انه قال لرجل شكا اليه ان عاملا قطع يده لئن كنت صادقا لا فديتك
منه . وروى النسائي عن ابي سعيد الخدري قال بينا رسول الله ﷺ يقسم شيئا اذا
اكتب عليه رجل ، فقطعه رسول الله ﷺ بهر جون كان معه ، فصاح الرجل ، فقال له
رسول الله ﷺ : " تعال فاستغف " . قال بل عفوت يا رسول الله . وروى ابراهيم داؤد
عن ابي فراس قال خطب عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال ألا من ظلمه اميره
فليرفع ذلك الي ابيده منه . فقام عمرو بن العاص فقال يا امير المؤمنين لئن اُديت
رجل منا رجلا من اهل رغبته لقصته منه ؟ قال كيف لا اقصه منه ؟ وقد رأت رسول
الله ﷺ يقص من نفسه . ولفظ ابي داؤد السحستاني عنه قال خطبنا عمر من
الخطاب فقال اني لم ابعث عمالي ليهربوا ابشاركم ، ولا ليهخذوا اموالكم ، فمس
فعل ذلك به ، فليرفعه الي اقصه منه " .

اس بات پر علماء اجماع ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا میں سے کسی پر " قتل کرے تو اسے بھی
قصاص دینا ہوگا کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح ایک فرد ہے ۔ البتہ حاکم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے
دسی اور رکبیل کی طرح قتلوں کے سوا کچھ کر سکتے اور ان کی گمراہی کرنے کا حق حاصل ہے ۔ لیکن یحییٰ حاکم
سے قصاص لینے میں رکاوٹ نہیں بنتا ۔ اللہ کے احکامات کے سامنے حکام اور عوام سب یکساں ہیں ،
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرماں سب مسلمانوں کو خائب کر کے کہتا ہے کہ ﴿ اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے
بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے ﴾

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے اگر دوسری رضی اللہ عنہ کے پاس آکر شکایت کی کہ ان
کے مقرر کردہ عامل نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

" اگر تم جتے ہو تو میں تمہیں ضرور بدلہ دلاؤں گا " ۔

اسی طرح امام نساہی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک
مرد رسول اللہ ﷺ کے قتل سے ہزارے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ پر اڑھنھا آیا ، تو رسول اللہ ﷺ نے
اسے پاس موجود دلاؤں کی بجائے ان کی اس پر وہ شخص جلاوا رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:
" آگے آؤ اور بدلہ لے لو " ۔

اس نے کہا " اے اللہ کے رسول ﷺ! گاہ میں نے عتاب کیا " ۔

نیز ابو داؤد و ترمذی نے ابو فراس سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" سنو! جس شخص پر بھی اس کا امیر ظلم کرے تو وہ اپنی شکایت میرے پاس لائے ، میں اسے
بدلہ دلاؤں گا " ۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

" اے امیر المؤمنین! اگر تم (امرا) میں سے کوئی شخص اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھانے
کے لئے مارے تب جب بھی آپ اس سے بدلہ لیں گے؟ " ۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" میں بدلہ کیوں دلاؤں جب کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ کو بدلے کے لئے
جیش کرتے دیکھا ہے؟ " ۔

ابو داؤد و ترمذی اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیں
خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" بے شک میں اپنے مال تمہارے پاس لئے نہیں بھیجا کہ وہ تمہاری جلد پر گورے
برسا گیں ! تمہارے اموال ہل چکا نہیں ! بلکہ اس کے ساتھ بھی ایسا جاملے گیا جائے وہ اپنی شکایت
مجھ تک پہنچائے ، میں اسے ضرور بدلہ دلاؤں گا " ۔

(تفسیر الطبرسی ، تفسیر قولہ تعالیٰ : ﴿ ولکم فی الفصاح حیا یا اولی

الالیاب للملک من نفوس الیافرة : ۱۵۹] ۲۵۶۲۰)

(ج) امام ابو بکر انجس اس کبھی ضرر اللہ کا قول :

امام ابو بکر جسامت نقل مراد فرماتے ہیں :

"فاجری النبی ﷺ فرض الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر محوری

مسائل الفروض فی لزوم الفہام مع التخصیص فی بعض الوجبات .

ولم یبدع أحد من علماء الامّة وفہانہا وسلفہم وحلفہم وجوب ذلک الا قوم من الحشویہ ورجال أصحاب الحدیث ، فانہم اذکر افعال الفتنہ الباغیۃ والأمر بالمعروف والنہی عن المنکر بالصلاح ، وسما الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر فتنۃ اذا احتج فیہ الی حمل السلاح وفعال الفتنہ الباغیۃ ، مع ما قد سمعوا فیہ من قول اللہ تعالیٰ ﴿فقاتلوا الّٰتی نمنیٰ حتیٰ نفیء الی امر اللہ﴾ وما یقتضیہ اللفظ من وجوب قتالہا بالسبب وغیرہ

وزعموا مع ذلک ان السلطان لا ینکر علیہ الظلم والحدود وفعال النفس الّٰتی حرم اللہ ، وانما ینکر علی غیر السلطان لہا ، لایتم افعوا الناس عن قتال الفتنہ الباغیۃ وعن الانکار علی السلطان الظلم الجور .

حتیٰ اذی ذلک الی تغلب یل المجوس ، واعداہ الاسلام حتیٰ ذہبت الثغور ، وشاع الظلم ، وغریب البلاد ، وذهب الدین والدنیا ، وظہرت التورندقة والغلو ومذاهب الشوبۃ والخرمۃ والمزدکیۃ ، والذی جلب ذلک کلہ علیہم سرک الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر والانکار علی السلطان الجائر ، واللہ المستعان ."

"یٰ اکر ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو بھی باقی فرائض کی مانند قرار دیا ہے ، لیکن (جس طرح کسی دوسرے فرض کو یہ کہہ کر چھوڑنا جائز نہیں کہ چونکہ مجھ سے فلاں فلاں

واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے، اس لئے میں یہ فرض بھی نہیں ادا کروں گا، بالکل اسی طرح) کچھ واجبات کی ادائیگی میں کمزوری کے سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا بھی جائز نہیں۔

حلف و سلف کے علماء اور فقہاء میں سے کسی ایک نے بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ گرد و شوبہ کے بعض لوگوں نے اور بعض جاہل اصحاب حدیث نے بانڈوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت سے پڑے یہ بھی سختی اور مٹانے جائز نہیں تہ یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باقی گرد و شوبہ کے خلاف قتال کو بھی جتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس کی بابت یہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سہاگ بھی سن چکے ہیں : ﴿یٰٰس نبیّٰ تعادلت کہنے والے گرد و شوبہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾ یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا موقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو ناقص کرے ، تب بھی اسے قتل کرنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا ، لیکن ان کے خلاف بھی تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔

بہلے یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کلمہ دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں ، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گرد و شوبہ قتال اور بادشاہوں کے ظلم اور جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں فساد و فتنہ غالب آئے ، بھوس اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی ، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں ، ظلم بھل سمیا ، بیٹیاں برباد ہوئیں ، دین و دنیا لٹ گئے اور زندہ ، غلام و لڑا ہیپ بھو یہ ، غریب اور حرکے پر دلاں پڑ گئے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف ، نہی عن المنکر ، اور عادل بادشاہ کو حکم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے ، واللہ المستعان ۔"

(احکام القرآن للرحمہما ، سورۃ آل عمران ، باب فرض الامر

بالمعروف والنهي عن المکر (٣٦٤/٣ : ٣٦٨).

یہاں اہم بیسٹاں دھماکے نہایت دور سے کہ یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جس کا حکم دیا
دور رہائی سے روکنا واجب ہے خواہ اس کا مخاطب امت کا حکم ہو یا کسی عام مسلمان۔ پھر اس سے پہلے
پاکستان کی دستور کو کیسے اسلامی دستور کہا جاسکتا ہے جبکہ یہ دستور اور بعض دیگر ایسی عملی چیزیں ہیں جو ان کا ہر قسم کی
چونچل سے دور رکھنے کے لیے بالترتیب درج ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو قدرے چھوٹی بات ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو عالم فکرانوں کے خلاف مسلح خروج کے سماعے میں بھی اپنے حق متوقف کے سبب معروف ہیں۔ اگر غریب کا مکمل یہاں خانہ از جنت نہ ہوتا تو میں ضرور اللہ کی توفیق سے، اس بارے میں تفصیلی بات کرتا۔

(د) ابن حزم رحمہ اللہ کا قول

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

“الامام الرجب طاعته ما قادننا بكتاب الله تعالى وبسنة رسول الله ﷺ ،
الذى أمر الكتاب باتباعها ، فان راع عن شئ منهما منع من ذلك ، أو أفهم عليه
الحد والحق” .

”امام کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت..... جس کی اجازت کا قسم خود کتاب اللہ نے دیا ہے..... کے مطابق ہماری قیادت کرے گا۔ اگر وہ ان دونوں کے کسی حکم سے رگردانی کرتا ہے تو اسے رد کا جائزہ لیا جائے گا، اب اس پر حاکم کی جائے گی اور اس حق وصول کیا جائے گا۔“

(الفصل في الملل والأهواء والنحل ، الكلام في الإمامة والمفاضلة

. (F2Y/1

ایک اور مقام پر آپؐ فرماتے ہیں:

"والواجب ان وقع شيء من الجور وان فلا ان يكلم الامام في ذلك وبمع

منه ، فان امتنع وراجع الحق وأدعى اللغو من البشرية أو من الأعضاء ولاخفاء حسد
الزونا والغداف والخمر عليه فلا سبيل إلى خلقه ، وهو امام كما كان ، لا يحمل خلقه .
ان امتنع من امضاء شيء من هذه الواحات عليه ولم يراجع وجب خلقه ، واذا
غيره ممس يقوم بالحق لفرق تعالى : ﴿ تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على
الاثم والعدوان ﴾ ، ولا يجوز تبضع شيء من واجبات الشرع .

”اگر حاکم سے کچھ مل واقع ہو جائے، اگرچہ یہ بھی کیوں نہ ہو، تو حاکم سے اس بارے میں پوچھ لیتے تھے کہ اتنا دوسرا سے منحرف کر دیا ہے۔“ پھر اگر تودہ یا ڈاڑھ جاتوں کے طرف رجوع کر لے اور اپنی جگہ اپنے انضمام کو بدلے کے لئے پیش کرے، اور نہ تا بہتانا یا غریب کو بھی کی صورت میں خود کو خداوند کے جانے کے لئے پیش کر دے..... تو اسے خلافت کے منصب سے ہٹانا جائز نہیں اور وہ اپنی طرح بطور امامی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا۔ اگر تودہ اپنے آپ کو انہی اجابت کے لئے پیش کرنے سے انکار کر دے اور حق کی طرف رجوع نہ کرے تو اسے اس کے منصب سے ہٹانا اور کسی حق پرست حکمران کو اس کی جگہ لانا واجب ہے، کیونکہ اختلافی کا فرمان ہے: ”جو اور بھی بدعتی کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر دے، اور نہ تو دوسرے پر پابک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرے اور نہ شریعت کے ساتھ تعاون کر دے اور نہ دوسرے کی ایک کھلم کھلی مخالفت کرے تا جب تک کہ حاکم شریعت و اجابت کی اور بھی پر تیار نہ ہو تو اس گناہ میں اس سے تعاون کرنا دوسرے بطور حاکم ہر فرقہ و گناہوں میں نہیں۔“

(الفصل في المثل والأهواء والنحل، الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ١٦/٢).

اسی طرح حدیث "افیلوا ذوی الہینات عنہم" (یعنی معزز لوگوں کی فخرشوں سے

یہ گنڈ کر دیا پر بحث کرتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وليس له اسقاط حد ولا فصاحي . وقد قال رسول الله ﷺ :

”المؤمنون نكافؤهم“. وقال تعالى: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾. فبادرنا إخوة

فَبِمَا نَفَرْنَا فِي الْحَكْمِ كُلِّهِ. وَلَوْلَا رِسُولُ اللَّهِ ﷺ: "انما هم كذالك بنو اسرائيل،

کائنات اذا سرق فہم الشریف نوکھ ، و اذا سرق فہم الضعیف افاہوا علیہ الحد .
والذی نفسی بیدہ لو سرق فاطمۃ بنت محمد قطعتم یدہا" او "کما قال علیہ
الصلاۃ والسلام مما ذکرناہ بامنادہ فیما خلا"

اس حدیث سے یہ سرا لیا درست نہیں کہ صاحب شفیت لوگوں پر سے حد اور قصاص بھی
ساقط ہیں ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"موتین کے خون برابر ہیں۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مِّنْ بَنِي آدَمَ بِغَيْرِ حَرَامٍ فَقَدْ قَتَلَ تِلْكَ النَّفْسَ بِغَيْرِ حَرَامٍ﴾

یہی جب وہ بھائی بھائی ہیں تو تمام احکامات میں بھی برابر ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر
بھی فرماتے ہیں:

"بنی اسرائیل بھی اسی طرح تھے کہ جب ان میں کوئی معززا دی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ
دیتے اور جب کوئی ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں
میری جان ہے اگر لاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دوں"۔ (ابو کھما
قال علیہ الصلاۃ والسلام) یہ حدیث ہم مذہبیت پہلے ذکر کر چکے ہیں۔"

(المحلی ، مسالہ رقم ۲۰۹) ، اقالہ ذی الہینۃ عتروہ ۱۰/۵۲۳) .

(۵) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قول:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہودیوں و نصاریٰ کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"او ذلک بغضی ان مجاہدۃ ہدیبہم مطلقاً ابعاد عن الوقوع فیما بہ ہلکوا ،
وان المشارک لہم فی بعض ہدیبہم یحاف علیہ ان یكون ہالکاً ، ومن ذلک انہ
ﷺ حذرنا عن مہانبہ من قبلنا فی انہم کائنوا بفرقوں فی الحدود بین الانصار
والضعفاء ، وامن ان یسوی بین الناس فی ذلک ، وان کثیراً من ذوی الراہی

والسیاسۃ یظن ان اعفاء الرؤساء اجدود فی السیاسۃ"

"گویا یہودیوں و نصاریٰ کے طریقہ طریقوں سے مکمل انتخاب ہی ان خصلتوں سے بچنے کا واحد
راہ ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنی تھیں۔ اور جس کسی نے چند امیر میں بھی یہودیوں و نصاریٰ کی پیروی
کی اس کے ہلاکت میں جانچنے کا اندیشہ ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے ہمیں بچنے لوگوں کی اس خصلت
سے بچنے کی تلقین کی ہے کہ وہ حدود کے معاملے میں معزز دیانہ لوگوں اور ضعیف دیانہ لوگوں کے
درمیان تفریق نہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حدود کے معاملے میں سب
کے درمیان مساوات کریں۔ لیکن اس کے برعکس بہت سے صاحب رائے اور اہر سیاست حضرات کے
نزدیک قوم کے بڑوں کو عاف کر دینا ہی سیاسی اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے (جو رسول اللہ ﷺ کے حکم
سے صریح شام ہے)۔"

پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بخاری و ترمذی و ابی نعیم کے ذکر کرنے کے بعد
فرماتے ہیں:

"وکان لیسو محزون من اشرف بطون قویض ، واشند علیہم ان یقطع بد
امر لہ مبہم ، فیس الیہی ﷺ ان ہلاک بنی اسرائیل امما کان فی تخصیص رؤساء
الناس بالحقو عن العقوبات ، و آخر ان فاطمۃ ابنہ الضی ہی اشرف النساء۔ لو
سرفت۔ وقد اعادھا اللہ من ذلک۔ لقطع یدہا ، لیسن ان وجوب العدل والتعمیم
فی الحدود لا یستثنی منہ بنت الرسول فضلاً عن بنت غیرہ ، وهذا یوافق ما فی
المصحبین عن عبد اللہ بن مرہ عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال مر علی النبی
ﷺ یہودی یہودی محرم مجلد لہ دعاءہم ، فقال : "ہکذا یحدون حد الزانی؟" ...
الحديث"

"مخبر و قریش کی معزز ترین شاخ تھے۔ ان پر یہ بات انتہائی گراں گزری کہ ان میں سے
کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جائے ، لیکن بنی اسرائیل نے ان پر اس طرح کر دیا کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کا باعث

بھی بیجا بات تھی کہ وہ قوم کے بڑوں سے غصہ میں رہا کرتے ہوئے ان کی مراءیں مخالف کر دیا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے بنی نضیر کا اگر آپ ﷺ کی پیش فاطمہ رضی اللہ عنہا..... جو تمام عالم کی عورتوں سے زیادہ معزز ہیں..... اگر وہ بھی پتہ دہی کی مرعوب ہوئیں، اگرچہ اللہ نے آپ کو ایسے انہماک سے بری کر رکھا تھا کہ آپ ﷺ ان کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتے۔ پس یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ حکم واضح کر دیا کہ حدود اللہ کے نفاذ اور عدل و انصاف کے، جو ہمیں سب لوگ برابر ہیں۔ کسی اور کی اولاد و دروہ کرنا خود رسول اللہ ﷺ ہی کی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ بات صحیحین میں نقل کر دی اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ جس میں عبد اللہ بن مرہ حضرت ابراہیم بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک یہودی کو لے جایا گیا جسے مذکار کے کوڑے مارے جارہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا کیا تم تو رات میں زانیہ کی جیسی حد پاتے ہو؟..... الخ۔“

(الإنشاء القراط المصنف، فصل فی ذکر الأدلة من الكتاب والسنة والاجتماع علی الأمر بمخالفة الکفار والنہی عن التشبه بهم ۱۰۶۱: ۱۰۷)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر امام ابن حجر نے فرماتے ہیں:

”ثم السلطان بؤاعده علی ما یفعله من العدوان ویفرط فیہ الحنفی مع التمكن“۔

”جب حاکم زیادتی کا مرتکب ہو اور قدرت دیکھنے کے باوجود انسانی حقوق میں کوتاہی کرے تو اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔“

(مجموع الفتاوی لابن نمبر، فصل جامع فی معاوض الحسنات والمبایات ۲۳۱/۳)۔

اسی طرح آپ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کسی معزز آدمی کو گالی دے اور اسے مارے تو آپ نے فرمایا:

”وقوجب عقوبة المعدن أيضاً وإن کان شربفاً، فقد ثبت فی الصباحین

من النبی ﷺ أنه قال: إنما هلك من کان فیکلم أنہم كانوا ادا سرق فہم البسرف نرکوه واذا سرق فہم الضعف افاہم علیہ الحد، والذی نفس محمد سده لو سرق فاطمة بنت محمد لقطعت بدھا“۔ وما یسرع فیہ الفصاض فی الدعاء والاموال وغیرہا لا سرق فیہ البسرف وغیرہ۔ قال النبی ﷺ: “المسلمون شکافا عما زہم وبسعی بدسہم اذناہم“ الحدیث، واللہ اعلم“۔

”زیادتی کرنے والوں کو سزا دینا واجب ہے اگرچہ وہ معزز کی کیوں نہ ہوں۔ صحیحین میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مجھ کی اتوں کی ہلاکت کا باعث نبی، تھی کہ ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں۔“

پس جان اور مال کے جن معاملات میں قصاص شروع ہے ان میں معزز و غیر معزز کا کوئی فرق نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا دینی ترین فرد بھی ان کی طرف سے کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔۔۔ الخ“۔ (مجموع الفتاوی لابن نمبر ۲۸۹)۔

تیسرا نکتہ:

اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے حتیٰ کہ ان ادوار میں بھی جو خلافت راشدہ کے سنہری دور سے بہت دور تھے

اور جب سلاطین بھی عام ہو چکے تھے

(الف) عثمان ملک شاہ بن الپ ارسلان کی مثال

سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان اپنے زمانے کی عظیم ترین سلطنت کے بادشاہ تھے اور

اسنے نعل و انصاف کے سبب معروف تھے۔ امام ابن کثیرؒ نے آپ کی سوانح عمری میں یہ ذکر کیا ہے کہ "واسعداء و جلان من الفلاحین علی الامر خمار نکین" اہم اخذ منها ما لا جزیلہ و کسر نسینہا، وقال: سمعنا بعد ملک فی العالم، فان افدنا منه کما امرک اللہ والا استعبدنا علیک اللہ یوم القیامۃ، و اخذ ابرکانه، فزل عن فرسہ، و قال لہما خذا بکمی و اسحبانی الی دار نظام الملک، فہما ذلک، فہزم علیہما ان یسعلا ما امرہما بہ، فلما بلغ النظام محجۃ السلطان الیہ خرج مصرعاً، فقال لہ الملک: ای انما قلد ذلک الامر، لتصف المظلم من ظلمہ، فکتب من فورہ فہزل حمار نکین و حل افطاعہ، و ان برد الیہما أموالہما، و ان فہلعا نسینہ ان فاست علیہ البیۃ، و امر لہما الملک من عہدہ مائتۃ دینار۔"

"ایک مرتبہ دو کسانوں نے آپ سے شراکتیں نامی امیر کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ان کا بہت سا مال چھین لیا ہے اور ان دونوں کے سامنے دے دو ورنہ انتہوتوڑ دے گا۔ ان کسانوں نے سلطان سے کہا کہ تم نے پوری دنیا میں آپ کے محل کا چرچا سنا ہے۔ پس اگر تو آپ نے میں اللہ کے حکم کے مطابق بدلا دیا تو تو حکم و رن قیامت کے دن ہم اللہ کی عدالت میں آپ کے خلاف تقد۔ داخر کریں گے۔ پھر انہوں نے بادشاہ کے کھڑے کی رکاب تھام لی۔ بادشاہ کھڑے سے نیچے اترا آیا اور ان سے کہا: میری آستین پکڑ لو اور مجھے چھینٹتے ہوئے وزیر کے گھر لے جاؤ۔ یہ بات سن کر وہ دونوں گھبرا گئے، لیکن جب بادشاہ نے انھیں قسم دے کر کہا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وزیر کو بادشاہ کے اس طرح آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً ہر گز آیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا: میں نے تمہیں اس لئے اس منصب پر بٹھایا تھا کہ تم مظالم کو ظالم سے انصاف دلاؤ؛ لیکن کر دوزیہ کی طور پر خیرات لگتے کی معزولی اور اس کی جاگیری کی مضبوطی کا پروانہ جاری کیا۔ نیز حکم بھی دیا کہ ان کسانوں کا مال واپس لوٹایا جائے اور جو تے ملنے کی صورت میں یہ دونوں کسان خیرات لگتے کے سامنے دے دو اور نیچے کے دو دو انت توڑ ڈالیں۔ پھر بادشاہ نے بھی ان دونوں کو دیا روئے جانے کا حکم جاری کیا۔"

(المدایۃ و السہایۃ، ثم دخلت سعة خمس و فمائین و أربع مائۃ، و مصل نفیہا من الاعیان، السلطان ملک شہ جلال الدین و الدولۃ ۱۲۷۶ھ)۔

(ب) سلطان عادل نور الدین بن زنگی شہید رحمت اللہ علیہ

سلطان عادل نور الدین بن زنگی شہید رحمت اللہ علیہ سے بادشاہ مقتدر، ابن النعمان نے قول نقل کرتے ہیں۔

"وکان عارفا بالقضۃ علی مذهب الامام أبی حنیفۃ رضی اللہ عنہ، لبس عنہ نعصب، بل الانصاف سحبت فی کل شیء، و سمع الحدیث و اسمعہ طلباً لآخر، و علی الحقیقۃ فہو الذی جدد للملک اتباع سنۃ العدل و الانصاف، و نوک المحرمات من الماکل و المشرب و المجلس و غیر ذلک، فانبہ کانوا قبلہ کالحاملیۃ، ہم احدثہ بطلہ و فرجہ، لا يعرف معروفاً ولا مکر منکراً، حتی جاء اللہ بدولتہ، فوفف مع اوامر الشرع و نواہیہ، و ازم بذلک اتباعہ و ذریہ، فافندی مد غیرہ منہم، و استحبر ان یطہر عنہم ما كانوا یتعلونہ۔"

وہیں عدلہ کہ کان بظہر الشریعۃ المظفرۃ و نف عند احکامہا و یقول نحن شخص لہا نعتنی او امرھا۔ فص اتباعہ احکامہا کہ کان یلعب بدمشق بالکوفۃ، فوافی السانہ بحدیث آخر و برمی بیدہ الیہ، فارسل الیہ بسالہ عن حالہ، فقال: ای مع الملک الفلتانی، فعاد الیہ و لم ینحسر ان یعرہ ما فال ذلک الرجل، و عاد بکثمہ، فلم یقبل منہ غیر الحق، فذکر لہ قولہ، فافنی الجور کان من بدہ، و خرج من العبدان، و سار الی القاضی، و هو حیث کما فی الدین بن الشہر زوری، و ارسل الی القاضی یقول لہ انی فذل جنت محاکمنا، فاسلک منی ما تسلک مع غیری، فلما حضر ساوی خصمہ، و خاصمہ و حاکمہ، فلم یبت علی حق، و لبث الملک لنور الدین فقال نور الدین حیثہ للقاضی و لعن حضر: هل لبث لہ عدنی حق؟ فالوا

لا فضل : اشهدوا انی قد وهبت له هذا الملك ، الذى قد حاکمى عليه ، وهو له دونى ، وقد كنت أعلم ان لا حق له عندى ، وانما حضرت معه لئلا يظن بى انى ظلمته ، فحببت ظهور ان الحق لى وهبته له . فان الاثر : وهذا غاية العدل والانصاف ، بل غاية الاحسان ، وهى حجة رواء العدل ، فرحم الله هذه النفس الزكية الطاهرة ، المتفاداة للحق ، والواقفة معه

قلت : وهذا مستحسن من ملك مناخر بعد فساد الاؤمنة ونصرف الكلمة ، والا فلقد انتقاد الى المعنى الى مجلس الحكم جماعه من المتقدمين مثل عمر وعلى ومعاوية ورضى الله عنهم ، ثم حكى نحو ذلك عن ابى جعفر المنصور وقد نقلنا ذلك كله فى السابق السكبر ، وفيه عند الله بن طاهر قريب من هذا ، لكنه احصر الحاكم عنده ولم يعض اليه . وقد بلغنى ان نور الدين رحمه الله تعالى استدعى من آخرى بحلب الى مجلس الحكم بنفسه او نائبه ؛ فدخل ساجده عليه متعجباً ، وأعلمته ان رسول الحاكم بالباب ، فأنكر عليه تعجبه وقام - رحمه الله - مسرعاً ، ووجد فى انشاء طريقه ما سمع من العود من حفر جب بعض الجنوش واستخرج ما فيه ؛ فوكل من ثم وكيلاً . وأشهد عليه شاهدین بالنوكل ووجع .

”آپ مذہب امام ابوحنیفہ کی فقہی آراء کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ آپ کے یہاں قہصبات نامی کوئی چیز نہیں ، بلکہ ہر معاملے میں عدل و انصاف ہی آپ کا ارادہ تھا۔ آپ نے اگر دو آپ کی خاطر حدیث کا علم بھی سیکھا اور سکھایا۔ درحقیقت آپ ہی نے بادشاہوں میں عدل و انصاف کی تہذیب کی اور کھلنے پھیلنے اور لباس و طہیرہ میں حرام امور ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے پچھلے حکمرانوں میں جابلیت کے طور طریقے رائج ہو چکے تھے اور ان کی تمام تہذیب کا مرکز بس ان کا بیٹ اور شرم کا تھی۔ وہ مذہب کو بھلائی کو بھلائی سمجھتے تھے نہ ہی برائی کو برائی ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نورالدین دکنی رحمہ اللہ کو برسر اقتدار لائے اور انہوں نے شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کی اور اپنے شیعیان اور اہل خانہ کو

بھی اس کا پابند بنایا۔ پس یہ دیکھ کر دیگر لوگ بھی آپ کی پیروی کرنے لگے اور اپنے سابقہ اعمال جاری رکھنے سے خرابے ہو گئے۔

.... آپ کے عدل و انصاف پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ شریعت مطہرہ کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے احکام کے سامنے تو حق اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو شریعت کی جھبیاں توڑ دیں ، ہمارا تو کام ہی شرعی احکامات کو جاری کرنا ہے۔

آپ کی انتہائی شریعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ دمشق میں گیند سے کھیل رہے تھے کہ آپ نے دیکھا : ایک دوسرے فرد سے بات چیت کر رہا ہے اور اپنے ہاتھ سے آپ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس شخص کا معاملہ دریافت کرنے کے لئے ایک کارندہ اس کی طرف بھیجا۔ اس شخص نے آپ کے کارندے سے کہا کہ : اس عادل بادشاہ کے خلاف میرا ایک مقدمہ ہے اور میرے ساتھ موجود یہ دوسرا شخص قاضی کا لڑکا ہے۔ اسے چاہئے کہ سلطان کو عدالت میں طلب کرے تاکہ اس کے خلاف میرا مقدمہ چلایا جاسکے۔ سلطان کا کارندہ جب واپس لوٹا تو اسے یہ جارت نہ ہوئی کہ اس شخص کی بات سلطان کو بتلائے اور وہ بات چیمپانے لگا لیکن جب سلطان نے زور دے کر کہا کہ مجھے سچ سچ بات بتاؤ تو اس نے پوری بات بتا دی۔ اس کی بات سن کر سلطان نے فوراً انھی اپنے ہاتھ سے پتنگی اور میدان سے نکل کر قاضی کے پاس پہنچ گئے کہ جو اس وقت کمال الدین شہزادہ تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ : میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میرے خلاف مقدمہ ہے لہذا میرے ساتھ بھی دی روئے اختیار کرنا جو تم دوسروں کے ساتھ روا رکھتے ہو۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا تو قاضی نے انہیں مخالف فریق کے ساتھ ہی کھڑا کیا۔ بھران نے پوری پوری سمجھ بوجھ اور معاملے کی جانچ پڑتال کی لیکن سلطان کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو سکی اور مزید بحث چڑھ کر ملک سلطان ہی کے لئے ثابت ہوئی۔ اس موقع پر نورالدین نے قاضی کو در مقام حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ کہا : اے قاضی کا مجھ پر کوئی حق ثابت ہوا ہے ؟ انہوں نے کہا : نہیں تو بادشاہ نے کہا : تم کو ہمارا کہ جس چیز کی خاطر اس شخص نے میرے خلاف مقدمہ کیا تھا ، میں نے اس کی ملکیت اسے بخش دی ، یہ اب میری نہیں بلکہ اس کی ملکیت

ہے۔ مجھے پسند ہے کہ علم میں اس کا حق منصب نہیں، لیکن اس کے باوجود جس یہاں منبر ہو گا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ اب جبہ یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ میں حق پر ہوں۔ میں یہ بھی اس کی بخشتا ہوں۔

اسی اخیر فرماتے ہیں

”یہ تو محل و المنصب کی ابتدا ہے، جائز اس بات کی ابتدا ہے کہ محل سے بھی اوپر وہ ہے اللہ تعالیٰ اس پر بناؤ جس پر حضور فرمے اور حق سے اسے جتنے اور حق پر غصہ جائے اور حق سے کچھ دوسرے کہ فیضانہ اور حق وحدت سے بعد اسے اب وہ خدا سے ایسا محل و المنصب ظاہر کرنا بہت بڑی بات ہے، ورنہ خود فصاحت تک چل کر باور اس سے نفاد ہو جاتا تو جس سلف میں حضرت عمرؓ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت معاویہؓ سے قبل اللہ تعالیٰ کی شان تھی۔ اور بعد کے ادوار میں فیضانہ و حضرت منصور کے بارے میں ایسی روایات تھیں جن سے ہم نے ”السنن الخلیفہ“ میں بہت چار روایات نقل کر لی ہیں۔ ان میں عبداللہ بن طاہر کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ اور یہ ہیں فرق یہ ہے کہ اس نے فاضل اپنے پاس آیا تھا، فاضل کی عدالت میں نہیں گیا تھا، اسی طرح مجھے نور الدین دہلی کے متعلق یہ روایت بھی ملی ہے کہ ایک مرتبہ انیس صوبہ کی عدالت میں طلب کیا گیا کہ وہ فروع نہیں با اپنے نائب کو وہاں بھیجیں۔ آپ کا وہاں یہ پیغام لے کر انتہائی غصہ کے ساتھ اندر داخل ہوا اور آپ کو بتایا کہ فاضل کا نامہ رد وراثت پر کھڑا ہے۔ نور الدین رحمہ اللہ نے وہاں کو اسے اظہار غصہ پر لگا کر فروع روٹی سے لٹکے کھجور سے بوندے۔ البتہ راستے میں کچھ کھانسی کا کام جاری تھا جس کی بناء پر آپ آگے نہ جاسکے لیکن وہیں پر آپ نے دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا وکیل مقرر کیا (۲) وہ عدالت میں آپ کی جگہ حاضر کی دے گا اور خود اپنی پلٹ آئے۔“

(الترجمہ فی اخبار الدولین السوریہ و السلجوقیہ ۸۱، اسی طرح رجوع کیجئے، الکامل لابن الاثیر، نم دخلت سنة نسع و سنین و خمس مائة، ذکر وفاة نور الدین محمود بن زکی ۱۲۵۵)۔

آپ کی کے متعلق ان اخیر فرماتے ہیں

”وسنی دار العدل فی بلادہ و مکان یحلی ہذا فی القاصی بہا، نصف المظلم و لولہ انہ یفوزی، من الظلم، و لو انہ والدہ و اکبر، لعمریہ عندہ۔“
”چنانچہ انہوں نے اپنی مملکت میں دار العدل بنوایا تو جس میں وہ خود بھی قاضی کے برابر بیٹھے تھے۔ پھر مظلم کو اگر یہ دیکھ دے تو نہ دارالانصاف مہیا کرتے اور مظالم سے اس کا حق دلائے آگے چلا۔ ظالم کو اس کا کیا کیا ہو رہے ہے یا اسے حق کیوں نہ دے۔“

(الکامل لابن الاثیر، نم دخلت سنة نسع و سنین و خمس مائة، و ذکر وفاة

نور الدین محمود بن زکی ۱۲۵۵)۔

(ب) دوسرا بحث

و دستور پاکستان کی عدم افغانیت

جو بعض شخصیات کو کچھ اس کے اور مطالبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں

وفدہ ۲۸

دستور پاکستان کی وفدہ ۲۸ یہ کہتی ہے کہ اپنے فرائض اور ”مردار کی انجام دہی میں صدر پاکستان کو کاہنہ یا دوزخ یا عظم کے مشورے سے متاثر نہیں کرنا ہوگا۔“

پھر اسی وفدہ کی دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ کبھی شق میں بیان کردہ اصول کے باوجود جن امور میں صدر کا یہ مشورہ یا رائے اختیار کرنا مستعمل کرنے کا حق حاصل ہے وہاں وہ اپنی مشورہ سے عمل کرے گا اور جو کام صدر نے اپنی مشورہ سے کئے ہیں ان کو کس بھی وجہ سے مبراہ کچھ بھی ”بڑا ہوتا“ نہیں اس میں نہیں کیا جاسکتا۔

پھر اسی وفدہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت، مذہبی یا دینت مجازہ یا (یعنی کوئی اور جائداد) کو تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ، وزیراعظم، کسی دوسرے یا دوسرے محکمہ نے

صدر کو مشورہ دیا تھا یا نہیں، اور اگر، یا تھا تو کیا مشورہ دیا تھا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

'President to action advice, etc.

48. (1) in the exercise of this function, the president shall act in accordance with the advice of the cabinet or the prime Minister

Provided that president may require the cabinet or, as the case may be, the prime minister to reconsider such advice, either generally or otherwise, and the president shall act in accordance with the advice tendered after such reconsideration.

(2) Notwithstanding anything contained in clause (1) the president shall act in this discretion in respect of which he is empowered by the constitution to do so and the validity of anything done by the president in this discretion shall not be called in question on any ground whatsoever.

(4) The question whether any and if what advice was tendered to the president by the cabinet the prim Minister or minister of state shall not be inquired into in, or by any court tribunal or other authority "[PART III the Federation of Pakistan. CHAPTER 4 - THE PRESIDENT, Article -48]

گویا اگر صدر پاکستان نوب کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کر کے انہیں رند، الہ، یا اپنے خفیہ اہل دہل کو یہ حکم دے کہ ایسی تمام مملکات امریکیوں کے حوالے کر دی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب و غیر عرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لئے درکار ہیں یا ایسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کر دو۔۔۔ تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پھر اگر کوئی وزیر صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام افعال اسلام، اخلاق اور سوت کے منافی ہیں، اور ان کے نتیجے میں پاکستان، صحابہ کا شکار ہوگا، لیکن صدر پھر بھی ان تمام جرائم کی سہیلہ پر مصر ہے، تو نہ اس سے پوچھ جائے ممکن ہے، نہ ہی اس کے خلاف یہ جہت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم بھی طرح واضح کرو یا کیا تھا پھر بھی اس نے اس کا انکباب کیا۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دفعہ ۴۸ کی عبارت میں علوم اور اخلاق پایا جاتا ہے۔ یہ دفعہ ان دو قسم کے مسائل میں تفریق نہیں کرتی، ایک وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے اور مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صدر ان میں اجتہاد کر سکتا ہے، اور دوسرے وہ جن میں اپنی عقل اڑانا اور کسی پیشی کو ناحق حرام ہے، اور ایسا کرنا کبھی فسق تا کہ لے جاتا ہے اور کبھی تکلیف۔ الغرض یہ دفعہ صدر کو اس کے فرض میں کبھی جھوٹ اور تحفظ فراہم کرتی ہے، خواہ اس کا فعل شریعت سے موافق ہو یا شریعت کے مخالف۔

دفعہ ۴۸

آئین پاکستان کی دفعہ ۴۸ صدر پاکستان، وزیر اعظم، مسوئوں کے گورنر، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی مسوئوں و وزراء کے ان تمام افعال، مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جو انہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں۔

بالخصوص صدر اور گورنر کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے، نہ ان کی گرفتاری کے حکم نامے جاری ہو سکتے ہیں، نہ ہی کسی شرعی یا غیر شرعی عدالت کے تاحشی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ صدارت و گورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے۔

اس شخص کی اصل عبارت یہ ہے

748 protection to president, Governor, Minister etc
248 (1) the president, a Governor, the prim Minister a
federal Minister, Minister of state, the Chief Minister and a
provincial Minister shall not be answerable to any court for
the exercise of powers and performance of function of their
respective offices or for any act done or purported to be
done in the exercise of those power and performance of
those functions.

Provided that nothing in this clause shall be construed as
restricting the right of any person to bring appropriate
proceedings against the federation or a province
(2) No criminal proceedings whatsoever shall be instituted
or continued against the president or a Governor in any
court during this term of office

(3) No process for the arrest or imprisonment of the
president or a Governor shall issue from any court during
his term of office.

(4) No civil proceeding in which relief is claimed against the
president or a Governor shall be instituted during his term
of office in respect of any thing done or not done by him in

his personal capacity whether before or after the enters
upon his office unless, at least sixty days before the
proceeding are instituted notice in writing has been
delivered to him or sent to him in the manner prescribed by
law stating the nature of the proceedings, the cause of
action the name description and place of residence of the
party by whom the proceeding are to be instituted and the
relief which the party claims [PART XII Miscellaneous
CHAPTER 4 GENERAL, Article 248]

ممنوعہ قانون دان کے ذریعہ اس شخص کے لئے نہیں ہے۔
یہ دلائل عمومی کا عدل سے استثناء کی حیثیت رکھتی ہے کہ کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر
نہیں ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

commentary comment on article 248p417

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال پیدا ہوا ہے کہ: دفعہ ۱۴۸ آج مہدیہ زمان کو صرف ان کے فرائض کی
انجام دہی سے متعلق تحفظ فراہم کرتی ہے، مگر انہیں قانون و دستور کی مخالفت کا اختیار دیتی ہے۔ پس
ہب انہیں پاکستان کے اس اسلامی دستور و قانون کی مخالفت کا اختیار دیا جا رہا ہے پھر کیا شرعی قہر متبانی
رہ جاتی ہے؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ:

(الف) پہلی بات یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اور قانون دونوں ہی عطا فرمائے اور سے پر

جس اور کسی صاحب عقل و فہم کے لئے اس امر میں شک نہ ہو سکتا تھا۔ اسی مناسبت سے ذکر کرتا چلوں کہ مفتی محمود رحمانہ نے ۱۹۹۰ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ:

”مکتوی ٹولنے سے قیام پاکستان کے ۴۰ سال گزر جانے کے بعد بھی شرعی نظام نافذ نہیں کیا اور پاکستانی ہماتیں مسلسل استعماری جبریتوں کے شکنجہ زد تھیں کہ مطابق فیصلہ دینی چلی آ رہی ہیں۔“

(تحفیل زاد المنتہی شرح الجامع الغرمدی، مقدمۃ الطبیخ شیر علی شاہ

(۱۶)

پس اگر ۱۹۹۹ء میں آپ کا تبصرہ یہ تھا تو اب کن ۲۰۰۹ء میں کیا کہنا چاہئے جب کہ حکومت پاکستان اسلام کے خلاف لڑی جانے والی ملیشیا جنگ میں پوری طرح خلیک ہو چکی ہے؟ بلاشبہ آج بھی اس دستور قانون کی بیرونی کرتے رہنا بہت خطرناک شرعی مخالفتوں میں جھکا ہونے کے مترادف ہے۔

(ب) اگر ایک لمحے کے لئے اس دستور و قانون کو اسلامی دستور و قانون مان لیا جائے، تب

مجھى دفعہ ۲۳۸ کی عبارت کچھ یوں ہوتی چاہئے تھی:

”مذکورہ شخص اپنے فرائض انجام دہی کے دوران دستور و قانون کے موافق جو افعال سر انجام دیں گے وہ ان پر کسی قسم کی سزا نہیں ہوگی۔“

لیکن دفعہ ۱۳۸ تو عدالتوں کو یہ اختیار بھی نہیں دیتا کہ وہ ان اشخاص کو اپنے پاس طلب کریں اور دیکھیں کہ ان کے کون سے افعال موافق دستور ہیں اور کون سے خلاف۔ اگر یہ ٹوک واقعی ہے قصور میں اور انہوں نے ہر کام حسن نیت کے ساتھ دستور و قانون کے موافق کرنے کی کوشش کی ہے تو پھر یہ عدالتی کا دائرہ سامنا کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ کیوں کہ یہ ایسی قانونی عبادتوں کا سہارا لینے پر مصر ہیں جو انہیں ہر قسم کی سزا سے محفوظ فرما کر رکھتی ہیں؟

(ج) دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے

دوران میں جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں کوئی پچھتہ نہیں کی جاسکتی..... لیکن ایسی کوئی شرط مذکور نہیں کہ ان افعال کا شریعت سے موافق ہونا لازم ہے، نہ ہی انہیں کوئی تصریح کی گئی ہے کہ یہ قانونی

مذکورہ شخص اجتہادی امور کے دائرے تک محدود ہے۔ دفعہ ۲۳۸ اور شریعت سے متعلق کسی قیہ کا سرے سے ذکر نہ ہی نہیں کرتی۔

(د) جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں شریعت اسلامیہ میں یہ تصور سرے سے پایا ہی نہیں جاتا کہ کسی خاص شخصیت کو عدالت میں حاضری سے بالاتر سمجھا جائے۔ شریعت تو ہر ذریعہ، صرحان یا مصدر پر واجب کرتی ہے کہ جب اس عدالت میں طلب کیا جائے تو وہ حاضریہ و اور دلائل سے بات ثابت کرے کہ اس نے جس فعل کا ارتکاب کیا ہے، و شرعی احکامات کے موافق ہے یا وہ ان امور میں سے جن میں اجتہاد کی کی اجازت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ پھر یہ معاملہ شرعی عدالت کے سپرد کیا جائے وہ اس کے تصرفات کو صحیح یا غلط قرار دے اور اس کے نتیجے میں اسے بری کرے یا سزا کا حق پکے۔

(و) یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین ہے کہ کوئی بھی مکتوی ذمہ دار خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر کہے نہ قانون ہو، اس کا شرعی عدالت میں پیش ہونے سے انکار کرنا بذات خود ایک شرعی جرم ہے، چاہے وہ اس جرم سے بالکل بری ہو جس کے انعام میں عدالت نے اسے طلب کیا ہو۔

چنانچہ یہ بات تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دستور پاکستان کی دفعہ ۱۳۸ بعض مکتوی عہدیداران کو عدالت میں پیشی سے محفوظ فرما کر رکھتی ہے، شریعت سے سراسر متصادم ہے۔ اور یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کا قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف فتنی ہی ہو۔

سید فضل

آگے آئے والی شہادت کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ بات کوئی بات نہیں ہو جائے گی کہ واقعہ ۱۲۳۸ میں یہ سربراہی پیرشرفی اہل حق، دستور، حاکمیت، خلافت تک نہ پہنچیں، بلکہ یہ تو ایک خاص حد تک چکا ہے۔ جب بھی فوج کا کوئی سربراہ نہ ہو تو اسے تو فوج پر کسی خاص فرائض کے فرائض اور حکام اور ضابطے صادر کرتا ہے۔ پھر یہ سربراہ نہ ہونے کے بعد وہ مختلف خطیاتی طریق استعمال کر کے پارلیمنٹ سے ان تمام کرداروں پر عام حاکمانی حق مسلط کر دیتا ہے۔ اس سے غیر فوجی کے دوران صادر ہو سکتا ہے، جب عام حاکمانی اسے فوجی حاکمانی کا، ان کے عمل کو نظر فرام کرنا ہے۔ مغزات اور بے پاکستان کا اسلامی دستور اور

۱۰۰ سالہ مابین حکومتوں ۱۰۰ اضعاف ۱۰۰

دستور کی یہ دفعہ نہیں صرف ایک انحصار علیہ یاد دلاتی ہے۔ جب اس کی تفسیر یاد دہن فرمانالک و خلافت کا منصب حاصل ہوتا ہے اسے اپنے پیش رو جھگڑے خرمین ہوا اعرار و مصلحت کے مصالح و مصلحتیں پہنچنے کا ارادہ کیا۔ ان کے لئے ہمیشہ ہونے والے اس ایک ارادے سے باز نہ گئے۔ لے لے لیں عام اور فہم و ارادت کے مطابق چلیں۔ مگر... کوئی خاص فرائض نے اللہ کی قسم کہ اسے یقین دہایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ظفر بنا دے تو اس کی نیکیاں قبول کرتا ہے اور اس کے گناہوں سے رخصت فرماتا ہے۔ (بالکل اسی طرح آج دستور پاکستان بھی پاکستانی فکرواں کے تمام جرائم پر دے ڈالتا ہے اور انہیں مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے معاہدے سے خوف نہ ہو کہ وہ بکا کر تک کے مرتکب ہوں)۔

(فتحنا الحسنة الشوبه لان نعمة : الفصل : والفائدة الكلية في هذا ان
نعقد احدى معصوما بعد السی ۲۰۰۶ ۲۰۰۶ : البداية والنهاية لاین كثيره ثم دخلت
سنة خمس ومائة : ترجمة برید بن عبد الملک ۳۵۹ ۳۵۹ : تاريخ الخلفاء للسيوطي

فرمان عبد الملک ص ۱۰۰۱

۱۲۳۵

مستور کی تاریخ ۱۲۳۵ سے مطابق سال ۱۲۳۵ کے فوج ہے کہ کسی میں یہ وہی تسلط و خط و خبط کی ہے جس وقت قیامت کے اعلانات کے مطابق پاکستان کا فوج کریں اور بسبب انہیں غیر فوجی طرز میں بدلتے ہوئے کے لئے طلب کیا ہے تو اس کی حد و ایں۔
پھر اسی فوجی حق میں کہہ دیا ہے کہ اس کے لئے تو قیامت سے احکامات بھی جاری ہیں ان کی جس کسی حدالت میں نہ رہے جس میں ایسا نہ سکتا۔
اس فوج کی اصل مہارت یہ ہے؟

Function of Armed forces

245 (1) The Armed Force shall, under the direction of the federal Government defend Pakistan against external aggression or threat of war and subject to law, act in aid of civil power when called upon to do so

(2) The validity of any direction issued by Federal Government under clause (1) shall not be called in question in any court [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 2 – ARMED FORCE Article 245]

یعنی پاکستان بھر کو امریکہ کی خدمت پر مامور کرنا اور اس کے تمام افرادی، مالی وسائل میلیں فوج کے تابع کرنا پھر دیر مشرف کا دستور حق تھا اس لئے کہ اس نے جرم کو مسترد اور اعلا کرنے کے لئے جس میں دلیل کافی تھی مگر ہم اسے نہ کر سکتے تھے کہ پاکستان کو بکا کر ڈالتا اور یہی اصل دلیل پر دینے والی یا دواشتی پر مشتمل کتاب میں بھی ذکر کیا ہے۔

In the line of fire a memoir part 5: The war on terror chapter 20. one day that changed the work

اسی طرح دستور پاکستان میں نے پرویز کو یہ اعتبار بخشنا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے اور اس اور اس مسلمان، پڑوسی دوست ملک افغانستان کو تباہ کرنے کا مقصد ہے جس نے دوسری جنگ کا مقابلہ کرتے ہوئے انگوٹھی شہداء کی قربانی پیش کی یہاں تک کہ پاکستان میں کٹر سے محفوظ ہو گیا۔ اسی اسلامی دستور سے وہ نادرانی بھارتے ہوئے پاکستانی مسلح افواج، پولیس اور فضیہ ادارے افغانستان کے مسلمانوں کے قتل عام، امارت اسلامیہ کے خاتمے، اس کی قیادت اور مذہب داران کی جلاوطنی اور اس کے عرب، غیر عرب انصار کے قتل، گرفتاری، تعزین اور پھر امریکہ کے حوالے کر دیے جیسے گناہ کے جرائم کے مرتکب ہوئے۔ پھر اسی پولیس نہیں، بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو واپس پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے، اسلام آباد میں لال مسجد اور جاسعہ شخص پر بمباری کرنے، اس کے طلبہ و طالبات کو بے دردی سے قتل کر کے ان کی قبریں تک چھپا دینے کے احکامات دیئے۔ لیکن یہ سب قیامتیں اونٹنے کے بعد بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اسلامی دستور پرویز شریف کو مکمل تحفظ دینے، آج تک اس کے حامیوں کی راہ میں حائل ہے۔ یہیں نہ تو کوئی شرعی عدالت، مذہبی کئی شیطانی عدالت پرویز کو طلب کرنے اور محض عدالت میں پیشی پر مجبور کرنے کی جرأت دے سکتی ہے۔ پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دستور اسلامی ہے۔۔۔۔۔ بالحبیب!

﴿كُتِبَ كُلُّهُ فَخَرَجَ مِنْ أَفْرِهِيمَ أَنْ يَقُولَ لَا كُفْرًا﴾ (الكهف : ۵)

”بہت سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلی ہے (اور یہ کہ ٹھیک نہیں کہ) یہ جو کہہ کہتے ہیں وہ محض بھوت ہے۔“

آئیے ذرا دستور پاکستان میں موجود ان غرقانات کو لحاظ میں لے کر جو اس کی پہلے ذکر کردہ عبادت کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں، جہاں آپ نے یہ امر واضح کیا ہے کہ حکمرانوں کے جرائم پر غامضی اختیار کرنا اور انہیں نیکی کا حکم نہ دینا اور برائی سے زبردستی کیے خطرناک مفاسد اور نقصانات کا باعث بننا

ہے۔ فاکہ سے کے پیش نظر ہم ان کا کلام یہاں دہرائے دیتے ہیں

”جیسی یہ لوگ (۹) اس امت کے حق میں اس کے سبب دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو اپنی نمرہ کے خلاف قتل اور بادشاہوں کے علم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں نساہ، انفار غائب آئے، بھوس اور دیگر دشمنان اسلام کے قتل کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پال ہو گئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہو گئیں، دین و دنیا ت گئے اور زندگی، خلق اور مذہب شو، بخریب اور مردہ گردان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہوئے کا سبب یہی تھا کہ امر باعروف، نہی منکر اور غلام بادشاہ کو علم سے روکنا چھوڑ دیتے تھے، دانتہا مستان۔“

(احکام الخیران للجبصاص، سورۃ آل عمران، ص ۱۰۷، ص ۱۰۸)
بالمعروف والنہی عن المنکر ۳۶۷/۳ : ۳۶۸

وفدو ۳

دشور کی وفدو ۳۷۰ کے مطابق ۱۲۵ مارچ ۱۹۶۷ء سے ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء تک صادر ہونے والے تمام صدارتی فرامین، مارشل لا، ضوابط، اور دیگر قوانین پر کسی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اس وفد کی اصل عبارت یہ ہے:

Temporary validation of certain laws; etc

270 (1) Msjlis-e- shhura (parliament) may by law made in the manner prescribed for legislation for a matter in part 1 of the Federal legislative list validate all proclamation, president's Order, Martial law Regulation, Martial law Orders and other laws made between the twenty-fifth day of march one thousand nine hundred and sixty nine and the

nineteenth day of December, one thousand nine hundred and seventy one (both days inclusive)

(2) Notwithstanding a judgment of any court a law made by Mjilis-e- shooria (parliament) under clause (1) shall not be questioned in any court on any ground whatsoever.

(3) Notwithstanding the provisions of clause (1) and a judgment of any court to the contrary for a period of two years from the commencing day the validity of all such instrument as are referred to in clause (1) shall not be called in question before any court on any ground whatsoever.

(4) All order orders made proceeding taken and acts done by any authority or person which were made, taken or done ,or purported to have been made, taken or done , between the twenty- fifth day of March ,one thousand nine hundred and sixty- nine and nineteenth day of December ,one thousand nine hundred and seventy one (both days inclusive) in exercise of power derived from any president's orders ,Martial law regulation ,Martial law orders, enactment notifications, rules order or bye laws, or in execution of any order made or sentence passed by

authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid shall, notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made, taken or done, so however that any such order, proceeding or act may be declared invalid by 1[(parliament)] at any time w Mjilis-e- shooria ithin a period of two years from the commencing day by resolution of both Houses, or in case of disagreement between the two Houses, by such resolution passed at a joint sitting and shall not be called in question before any court on any ground, whatsoever. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7 TRANSITIONAL, Article 270].

دفعہ ۲۶۹

پاکستانی دستور کی دفعہ ۲۶۹ کہتی ہے کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے لے کر ۳۰ اپریل ۱۹۷۲ء کے درمیان جاری ہونے والے تمام صدارتی فرامین ، آرڈر لاء منظاماء اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ نہیں دائر کیا جاسکتا۔

اس دفعہ کی مکمل عبارت یہ ہے

269. Validation of law act, etc

269. (1) all proclamation, president orders Martial law regulations, Martial law order and all other law made between the twentieth day December, one thousand nine

hundred and seventy-one and the twentieth day of April one thousand nine hundred and seven tow (both days inclusive), are hereby declared notwithstanding any judgment of any court, to have been validly made by competent authority and shall not be in question in any court on any ground whatsoever

(2) All orders made , proceedings taken and acts done by any authority or by person, which were made taken or done or purported to have been made taken or done , between the twentieth day of December ,one thousand nine hundred and seventy one and the twentieth day of April one thousand nine hundred and seventy (both day inclusive)

In exercise of the power derived from any president orders, Martial law regulations .Martial law orders, enactments notifications, rules order or be-law or in execution of any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid. Shall notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made taken or done and be called in question in any court on any ground whatsoever

(3) No suit or other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made proceeding taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the power referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with order made or sentence passed in exercise or purported exercise of such power [PART XII Miscellaneous, CHARTER 7 TRANSITIONAL, Article 269]

دفعہ ۲۷۰ الف

دفعہ ۲۷۰ الف کی رو سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا اعلان، مقام صدر رقی فراٹن، مارشل لا ضوابط و احکامات ۱۹۸۸ء کے ریفرنڈم، دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم اور اس کے علاوہ وہ تمام احکامات و قوانین جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے ان تمام پرانے کے نتائج و اثرات سمیت کسی بھی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270A. Affirmation of president's Order, etc

270A-(1) The proclamation of the fifth day of July, 1977, all president's orders, ordinances Martial law regulation. Martial law Order including the referendum order, 1984(P.O NO 11 of 11984) under which in consequence of the result of the, referendum held on the nineteenth day of December 1984 General Mohammad Zia-ul- Haq become the

president of Pakistan on the day of the first meeting of the Majlis-e- shoora (parliament) in joint sitting for the term specified in clause (7) of Article 41 the Revival of the constitution of 1973 order 1985 (P O No 14 of 1985) the constitution (second Amendment) order 1985 (P O No 20 of 1985)the constitution(third Amendment) order 1985 (P O No 24 of 1985) and all other laws made between the fifth day of July 1977 ,and the date on which this Article comes into force are hereby affirmed adopted and declared notwithstanding any judgment of any court, to have constitution ,shall not be called in question in any court on any ground whatsoever :

(2) All orders made, proceeding taken and acts done by any authority or by any person, which were taken or done or purported to, have been made taken or done ,between the fifth day of July 1977 ,and the date on which this Article comes into force ,in exercise of the powers derived from any proclamation president's order ordinances ,Martial law regulation ,Martial law orders enactments notification ,rules orders or bye -laws ,or in execution of or purported exercise of powers as aforesaid, shall notwithstanding any

judgment of any court ,be deemed to be always to have been validly made ,taken or done and shall not be called in question in any court any ground whatsoever

(4) No suit, prosecution or other legal proceeding shall lay any court against any authority or any person for or on account of or respect of any order made, proceedings taken or act done whether in the exercise of purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made sentences passed in exercise or purported exercise of such powers [CHARTER 7 – TRASITIONAL, Article 27D] .

لیکن سپریم کورٹ نے دفعہ ۷۷ الف کے حوالے سے اپنا ایک فیصلہ سناتے ہوئے (1990 CLC 1683) کہا ہے کہ قرارداد، مقاصد میں شامل تمام احکامات اور اصول دستور کا اساسی اور مفاد اصل حصہ ہیں اور ریاست کے کسی ایسا کو بھی قرارداد، مقاصد کی تقریر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔ جو ریاستی ایسا کو بھی ان حدود سے تجاوز کرے تو اس کے اس عمل کو قرآن و سنت سے ثابت شدہ حدود ایسی اور اسلامی مقاصدوں کی مخالفت کے سبب غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری ارسل لائی احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۱۲۷ الف کی بنیاد پر محفوظ فرما تم کیا گیا ہے، اگر وہ ایسی اسلام اور قرارداد مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابندی ہیں کہ اس دفعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک سبحانہ تعالیٰ کے قانون اعلیٰ سے مطابق نہ رہنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 , with

اس فیصلے پر تفصیلی بحث تو ہم ان شاء اللہ پہلی فصل کے آخر سے باب میں کریں گے جہاں ہم نے پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں قرارداد مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲۷ الف کا جائزہ لیا ہے۔

البتہ یہاں ہم اس فیصلے کے ذرائع سے چند مختصر گزارشات کا ضروری جائزہ لیتے ہیں:

(الف) عدالت کا فرض تھا کہ وہ دفعہ ۱۲۷ الف میں بیان کردہ اصول کو، جو کہ کسی دیگر دفعات میں بھی بیان کیا گیا ہے، باطل قرار دے کیونکہ شریعت میں کسی کو بھی عدالتی پیشی سے کوئی تخطا حاصل نہیں خواہ وہ حاکم یا محکمہ دینی ہو یا اعلیٰ کسی عدالت میں مقدمہ کیا جاسکتا ہے۔

(ب) عدالت نے قرارداد مقاصد کے ساتھ یوں معاملہ کیا ہے گویا وہ شرعی احکامات کے مترادف ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان کی بنیادی فرق ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) قرارداد مقاصد انسانوں کے وضع کردہ ایک دستوری عہدیت ہے جسے پہلی دستور ساز کمیٹی نے غالب اکثریت سے منظور کیا تھا اور اس کے بعد اسی اسلوب سے یہ مختلف دساتیر کا حصہ بنی، جبکہ شریعت تو وحی الہی ہے اور اپنی منظوری کے لئے کسی بھی انسان کی موافقت کی محتاج نہیں۔

(۲) قرارداد مقاصد اور دستور، دفعات قانونی حیثیت سمیعی حاصل کرتی ہیں جب انہیں استعواب رائے یا اپنے دیگر ذرائع سے عوامی تائید حاصل ہو، جبکہ شریعت کو کسی وقت یہ حیثیت مل جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ اسے نازل فرماتے ہیں۔ شریعت کی حیثیت منوالہ ہے کہ کسی قسم کا استعواب رائے نہ کرے قطعاً قانونی قبول نہیں۔ شریعت تو انسانوں پر حاکم نہیں کرتی ہے، نہ کہ انسانی آراء کی محکمہ دینی لئے شریعت کو قبول کرنے، نہ کرنے کے معاملے پر عوام سے رائے لینا یا استعواب رائے کروانا خود شریعت سے عبادت کے مترادف ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا بِمَا نَـُٔيٰهُمْ ثُمَّ لَا يَتَذَكَّرُوا أَلَيْسَ آنِفَهُمْ حُرًّا مَّا قَضَيْتَ وَيَسْمَعُوا تِلْكَ آيَاتِ الْآلَاءِ﴾ [النساء: ۶۵]۔

”تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ (اے نبی) تمہیں اپنے

بائیں جانب میں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس لئے کہ تم تسلیم فرمادیں۔“

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَعِمْ كَيْفَ أَمْرًا وَمِنْ ذَاتِ مَعْنٰى وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا نَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

”(اے نبی! تم اپنے آپ کو حکم نہ بناؤ، (اس پر) آپ اور جو آپ کے ساتھ تائید ہوئے ہیں کام نہ رہنے اور وعدے نہ پور نہ کیجئے، وہ آپ کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا خُصِمْتُمْ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ وَرِسُوْلَهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَكُمْ الْخِيْرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمِنْ بَعْضِ اللّٰهِ وَرِسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ لَا مَبِيْطًا﴾ [الأحزاب: ۳۶]۔

”اور کسی مومن مرد، اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار باقی سمجھیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تائید کی وہ صریح کراہی میں جا پڑا۔“

(۳) اسی طرح پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی دستوری عہدیت میں مکمل آزادی کے ساتھ ترمیم کر سکے جیسا کہ ہم پہلے باب میں وضاحت کر چکے ہیں، جبکہ شرعی احکامات میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ پس شریعت کو کسی قانونی دستاویز کے درجے پر رکھنا شریعت کی تائید ہے۔

دفعہ ۲۷ الف کے حوالے سے یہ عدالتی فیصلہ پڑنے سے کہ بعد میں ردالہ یا کہ فیصلہ منسلک والے بیج کا قلب شریعت کی محبت و تقسیم اور غیرت دینی کے جذبات سے معمور تھا۔... کہ کیا یہاں مغرب مداخلی یا عوامی لوگ کہتے ہیں، اس جمہوری نظام میں رہنا ہمیں کی مجبوری ہوتی ہے اور اسلامی نظام کے تقاضے پورے ہوتے دیکھنا جن کی تعلیمات انارباب چونکہ بددلوں اور دیگر مختلف عقیدوں سے پھرتے ہیں لہذا ایسی کوششوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلا کہ کفر و اسلام کا ایک مشترکہ خیر سامرکب وجود میں آجائے۔“ جمہور بتا کہ تو بنیادی عقیدہ ہی ہے کہ انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے

اور اپنے لئے مسلمان بننے اور سرایہ تہذیب کو بے جا کھینچ کر لئے کسی کا بے بنڈھنکس۔ اس بار پھر آزادی کے پیچھے ظالم جاگیرداروں اور سرکش بادشاہوں اور خریف کلیسا کی کروہ شکست اور مغربی حوام کے درمیان کشمکش پر مشتمل ایک طویل اور سخت تاریخ ہے۔ یہ کشمکش باآخر جوہریت اور ظلم و کلام کی فتح پر منتج ہوئی اور یہ بڑے پاپاک حاکمیت اور افتداری الٰہی اب سے حوامی اکثریت کا حق ہے۔

یہ تو ہے مغرب کی تاریک تاریخ سے مجھ بونے والا باطنی مغلیہ و اس کے برعکس اسلامی تصور "خلافت" (تہذیب اللہ رب العالمین کی ہندگی و خلافت اور غیر تہذیبی کی جوہریت سے مکمل آزادی کی تہذیب سے)۔ یہ بال کثرت و افاداری بھی اللہ ہی سے بھائی جاتی ہے۔ اور ذات و عاجزی بھی اسی کے سامنے اضیاری جاتی ہے۔ یہ نظام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیتا ہے اور تہذیب اللہ کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے۔ اسلام کے عطا کردہ اس تہذیب کے کی تاریخ میں یادوں کا کوئی ٹکڑا نہیں آؤ اس کے رشتہ دہی سے جا کر ملت نظر آتی ہیں۔ اسلام تو اللہ کی جانب سے پوری انسانیت کے لئے توحید کا آخری پیغام ہے جو مسیح و محمد رسول اللہ ﷺ نے لے کر آئے۔ اسلام کا عطا کردہ نظام تو عدل و انصاف، مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے و باہمی مشورے اور سرکاروں کے احتساب جیسی روشن افتداری کا حامل نظام ہے، جو کہ اسے خلافت راشدہ کے مثالی دور سے دلتے ہیں جلی ہیں۔ پھر یہی اللہ اور اسلامی توحیات میں بھی ایک ہم عالم کے طور پر سامنے آتی ہیں اور انہی فوج حاکمیت کی ہدایت انسانیت کو قیام کی غلامی سے نجات کا کھلوانے کے سبب کی ہندگی سے سرفراز ہو جاتی ہے۔ ان غرض اسلامی نظام خلافت میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کا حق ہوتی ہے، کسی دستور اور قرار و امتداد کے بغیر۔

(ج) قرار و امتداد..... جس پر سرپرہم کوٹ نے اپنے اس فیصلے میں مکمل انھار کیا ہے... کاجت ہونا خود ایک قیاد عاشر ہے۔ ایسی تو پاکستانی عدالتوں میں اس کی حیثیت سے متعلق متنازعہ اپائی جاتی ہیں۔ اس تنازعے و اختلاف کی تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب کی پہلی فصل میں پیش کی جائے گی۔

(د) جہاں ایک طرف زیر بحث عدالتی فیصلے میں دفعہ ۱۲۷ کے الفاظ میں مذکور احکامات و قوانین

اور یہ دیکھنا دینے کی نفی کی گئی ہے جبکہ وہ قرار و امتداد سے متنازعہ ہیں، وہ ہیں انہی پاکستانی عدالتوں سے تہذیبی فیصلے بھی صادر ہوئے ہیں جن سے اس انصاف میں مذکور قانونی تحفظ کی تاکید ہوتی ہے۔ انہیں انصافوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سرپرہم کوٹ نے دفعہ ۱۲۷ کے الفاظ کی بناء پر عدالتوں کو سب کے سلطان کا اہلسلہ دینے سے روک دیا اور یہ "بلف اختیار کیا کہ سرپرہم کوٹ پاکستانی قانون کی بعض دفعات (۱۶) کی رو سے باطل ہے، لیکن مذکورہ دستور قی و دفعہ کے تحت اسے قانونی تحفظ حاصل ہے اور عدالتوں کو اس معاملے میں اہلسلہ دینے کا کوئی اختیار نہیں۔

PLD 1987 Kar. 612. اسی طرح درج ذیل فیصلے بھی:

pld 1986 Kar. 301, 1987 MLD 312, PLD 1987 Kar
291 and 1987 MLD 279 [THE CONSTITUTION OF
PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article
270Ap.444&445]

(۱) اسی طرح بعض عدالتی فیصلوں میں مذکورہ بالا دونوں آراء سے بچھ ہوئے ایک درمیانی راہ بھی نکالی گئی ہے۔ مثلاً: "جوہرانی کوہر نے اپنے ایک فیصلے میں... جس کی تائید سرپرہم کوٹ نے بھی کی ہے، وہ تحفظ اس حد تک نہیں دیتا جتنا وہ افتداری اپنے وارڈ اختیار سے باہر کل کر یا اختیار و استقامت استعمال کرتے ہوئے، باہر دینی سے کئے گئے ہوں۔"

PLD 1988 Lah.49 & PLD 1988 SC 26

میرے خیال میں یہ رائے اس افتداری کو واضح کرتی ہے جو دستور کو اپنے لئے واجب الامرار صعد اختیار و قانون قرار دینے والا ج محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے چارہ ایک طرف تو اپنے کو دستور کا پابند سمجھتا ہے جب کہ دوسری جانب اسے ایسی دستور کی دفعات سے واسطہ ہے جو عیسوی جمہوریوں ہی کے خلاف ہیں، چنانچہ چارہ و چارہ کوئی درمیانی رشتہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اگر یہ نئے شرعیات کوئی معتدراصلی بھتا اور اس بات پر ایمان رکھتا کہ شریعت کے مقابلے میں

کسی دستہ کی کوئی حیثیت نہیں، تو اسے اپنی مجلس و مہر کی مجلس کا پیشانی برابر مل جاتا۔ رب تعالیٰ کی شریعت میں تو کسی شخص کو بھی شرعی احکام سے بالا قرار دینا عداوتی معاملے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ یہ تو اللہ جل جلالہ کی صفت ہے کہ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اپنے لئے یہ صفت پسند کرنے والا نہیں تو کو با خدا کی اختیارات کا مالک بننے کا خواہاں ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿لَا تَقْصُصْ رُكُوسَهُمْ عَلَى الْبَشَرِ ۚ هُمْ يُعَذِّبُهُمْ أَيُّهَا اللَّهُ ۚ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْفٰسِقِينَ﴾
 (النساء: ۲۳، ۲۴)

”تو کیا انہوں نے زمین سے ایسے بہت بڑے جانے ہیں جو انہیں (مرنے کے بعد) زندہ انہیں کے؟ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ جو عزوجل کا مالک ہے، ان امور سے پاک ہے جو باوجود بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے، کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا جبکہ دوسروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔“

دفعہ ۲۴ الف

یہ دفعہ ان تمام قوانین، تنظیمات، احکاموں اور ضابطوں کو جاری کر دیتی ہے جو ۱۹۹۹ء سے لے کر اس دفعہ کے نافذ کیا گیا صادر کئے گئے۔ انہی احکامات میں ۱۹۹۹ء کا عبوری آئینی حکم Provisional Constitution Order No.1 of 1999 اور ۱۹۹۹ء میں منظور ہونے والی ترمیم ”ایم۔ ایف۔ او“ اور اس کے بعد دہائی ترمیم بھی... اپنے نتائج و اثرات سمیت..... شامل ہیں۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270AA, Validation and affirmation of laws etc

270 AA, (1). The proclamation of emergency of the fourteenth day of October, 1999 all president's orders,

ordinances, chief Executive's orders Including the provisional constitution order No 1 of 199 the oath of office (judges) order, 2000 (No 1 of 2000) chief Executive's order No 12 of 2002, the amendments made in the constitution through the legal framework order 2002 (chief Executive's order No 24 of 2002) the legal framework (Amendment) order, 2002 (chief Executive's order No 29 of 2002) the legal framework (second Amendment) order 2002 (chief Executive's order No 32 of 2002) and all other laws made between the twelfth day of October, one thousand nine hundred and ninety nine and the date on which this article comes into force (both days inclusive), having been duly made are accordingly affirmed adopted and declared to have been validly made by the competent authority and notwithstanding any contained in the constitution shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever.

(2) All order made proceeding taken appointments made including second amendments and deputations, and acts done by any authority, or by person which were made taken or done or purported to have been made taken or

lone, between the twelfth day of October one thousand nine hundred and ninety-nine, and the day on which this

Article comes into force (both days inclusive), in exercise of the powers derived from

Any proclamation president's orders ordinances, chief Executive's orders, enactment's including amendments in the constitution notification rules orders bye laws, or in execution of in computed exercise of powers as aforesaid shall notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made taken or done and be called in question in any court or forum on any ground whatsoever

(4) No suit prosecution or other legal proceeding including writ petitions shall lie in any court or forum against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made . Proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the power referred

to in clause (2) or in execution of or in compliance with order made or sentences passed in exercise purported of such powers. [PART XII Miscellaneous CHAPTER 7 TRANSITIONAL Article 270 AA]

۲۶

اس دفعہ کے تحت پارلیمنٹ کے ہر رکن اور ہر اس شخص کو جو پارلیمنٹ میں بات کرنے کا اختیار رکھتا ہے، یہ تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں نہ بات کہی کرے اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اسی دفعہ کی ٹی ۲ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو رکن پارلیمنٹ بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے، کمیٹی کے سربراہ کے مقابلے کے باوجود اپنی دستاویزات یا دیگر ثبوت پیش کرنے سے انکار کرے، اسے سزا دیئے گئے قانون سازی کی جائے۔

Privileges of member etc.

66 (1) subject to the constitution and to the rules of procedure of Majlis e Shoora (parliament) there shall be freedom of speech in Majlis e Shoora (parliament) and no member shall be liable to any proceeding in any court in respect of anything said or any vote given by him in Majlis e Shoora (parliament) and no person shall be so liable in respect of the publication by or under authority of Majlis e Shoora (parliament) of any report, paper votes or proceedings

(2) In other respects the powers, immunities and privileges

CHAPTER 2 -- THE MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)

Article 66]

یعنی پارلیمنٹ کے ہر رکن، ار پارلیمنٹ میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے کہ پارلیمنٹ میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی کرے، جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترقیب دلائے، یہ دفعہ اسے مکمل تحفظ دیتی ہے۔ اسے دہرہ کی عزت اچھالے، بہتان تراشی کرنے، گناہوں پر اہمارے، کفر کہنے، اسلامی کا مذاق اڑانے اور ملکی راز افشا کرنے کی کبھی چھوٹ ہے..... اور اس سب پر شرعی کا سب سے دور کی بات، عدالت کی حاکمیت نہیں کیا جاسکتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر بھی حیا نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمنٹ سے اپنے راز بادشاہت، عزت پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ کیا جائے..... لیکن لوگوں کی عزت وہ اس پر زبان درازی کرنے اور اسلام پر کھینچا اچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اظہار رائے کی اس مطلق دستاویز آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر اور جذبات میں کوئی بل چل پیدا نہ ہوگی ایسی دراصل وہ انگریزی ثقافت ہے جس میں اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت و ناموس کا کوئی پاس دیا جاتا نہیں، البتہ ان کے سامنے محترم و مقرب ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے یہاں کوئی اعتراض کرے کہ دفعہ ۶۳ (g) اس رکن پارلیمنٹ کی رکنیت کو منسوخ قرار دیتی ہے جو پاکستان کے نظریے، پاکستان کی سلامتی یا اخلاقیات وغیرہ کے برخلاف کوئی کام کرے۔

Disqualifications for memberships { Majlis e Shoora

(parliament)]

63 (1) A person shall be disqualified from being elected or chosen as, and from being a member of the Majlis e

Shoora (parliament) shall be such as may from time to time be defined by law and . until so defined ,shall such as were immediately before the commencing day enjoyed by the National Assembly of Pakistan and the committees thereof and its members.

(3) Provision may be made by law for the punishment by a House of persons who refuse to give evidence or produce documents before committee of the House when duly required by the chairman of the committee so to do:

Provided that any such law

(a) may empower a court to punish a person who refuses to give evidence or produce documents , and

(b) shall have effect subject to such order for safeguarding confidential matters for disclosure as may be made by the president .

(4) the provisions of this Article shall apply to persons who have the right to speak in and otherwise to take part in the proceedings of Majlis e Shoora (parliament) as they apply to members

(5) In this article Majlis e Shoora (parliament) member either House or a joint sitting or a committee thereof [

Shoora (parliament) if-

(g) He is propagating any opinion or acting in any manner prejudicial to the ideology of Pakistan or the sovereignty integrity or security of Pakistan or morality or the maintenance of public order or the integrity or independence of the judiciary of Pakistan or which defames or brings into ridicule the judiciary or the Armed Force of Pakistan PART III The Federation of Pakistan CHAPTER 2 - THE [MAJLIS -E-SHOORA (PARLIAMENT) Article 63].

اور یہ کہ ریاست پاکستان تو اسلام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے ہی پر قائم ہے

اس مسئلہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ:

اولاً: ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ریاست پاکستان اسلام کے احترام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر قائم ہے۔ یہ کتاب جو نئے دعوے کی قلعی کتبہ لئے کے لئے لکھی گئی ہے

ثانیاً: اگر ایک لمحے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ ریاست پاکستان اسلام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر کھڑی ہے، تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دستور پاکستان کی رو سے پارلیمان میں خلاف شرع گفتگو کرنے والے شخص کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کر سکتی ہے؟ اس حوالے سے ہمیں زیادہ سے زیادہ دفعہ ۶۳ کی دوسری اور تیسری شق ملتی ہے، جن میں درج ہے کہ جب

بھی کسی رکن یا رہبان کی اہلیت پر سوال اٹھے تو پہلی کے پیکیجری و سبب داری ہے کہ وہ اس معاملے کو چیف ایگیشن کشن کے سپرد کرے اور وہ اس معاملے کو ایگیشن کشن کے سامنے پیش کرے گا۔ کس کی چھان بین کرنے کے بعد اس حوالے سے کوئی فیصلہ کیا جائے۔

Disqualifications for membership of Majlis-e-shoora (Pakistan)

63

(2) if any question arises whether a member of Majlis-e-Shoora (Pakistan) has become disqualified from being a member, the speaker or as the case may be chairman shall. Within thirty days from rising of such question refer the question to the Chief Election Commissioner.

(3) Where a question is referred to the Chief Election Commissioner under clause (2) he shall lay such question before the Election Commissioner which shall give its decision thereon not later than three months from its receipt by the Chief election Commissioner. [PART III The Federation of Pakistan . CHAPTER 2 -THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)]. Article 63]

ایگیشن کشن جو خود بھی ایسے حضرات پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تقرری کے لئے نہ تو

مسلمان ہونا شرط ہے۔ نہ پابند شرع یا میں ہونا چاہیے اکثر کشمیری بنیادی شرائط کے لئے دیکھتے آئیں
کی دفعہ نمبر ۱۱۳ کی شق نمبر ۲ جبکہ ارکان انکیشن کمیشن کی شرائط کے لئے دیکھتے دفعہ نمبر ۱۱۸ کی شق نمبر ۴ کا
جواب)..... دفعہ نوادہ سے ذرا ہوا اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رکن پارلیمان کی رکنیت منسوخ
کر دے۔ پھر اس کے بعد اس دفعہ ۶۶ کے تحت ہر قسم کے عاصہ اور قانونی چارہ جوئی سے تحفظ حاصل
ہوتا ہے۔

کیا اس سب کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ ریاست پاکستان اسلام کے
التراس اور ارکان کا مشرک ہے اس پر قائم ہے۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ جگت بھی پیش کی جائے کہ ارکان پارلیمان کا قانونی جوابدہی سے مستثنی
قرار دینے جانے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ اس کی سبب کے حامل افراد ہر قسم کی انتقامی کارروائی اور دھونس
وجہی سے بے خوف ہو سکیں۔ یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اس ارکان پارلیمان بھی اپنے آپ کو قانون نافذ
کرنے والے اداروں کے ہوا ہے آزاد اور عدالتی سازشوں سے بچنے والے اپنے ضمیر کی آواز پر
اطمینان سے لبیک کہیں۔

اس جگہ چوتھے نمبر پر اصل صادق آتی ہے کہ "مذکورہ بالا ہر فرد کو ان کا "اور دھونس" دھمکی، انتقامی
کارروائیوں اور عدالتی سازشوں سے تحفظ دینے کا طریقہ تو یہ تھا کہ آزاد، امانت دار اور غیر جانبدار عدلیہ
تفکیک دی جاتی، اس تمام اداروں کے ہوا سے تحفظ فراہم کیا جاتا اور ارکان پارلیمان سمیت بھی کو ان
عدالتوں کے سامنے جوابدہ بنایا جاتا۔ کوئی چیز نہیں کہ اس کے بعد بھی ان سے نا انصافی ہوتی۔ یہ تو کوئی
علاج نہ ہوا کہ حکومتی عہدیدان کو جوابدہی سے مستثنی قرار دے کہ شریعت اسلامی کی واضح مخالفت کی
جائے اور لوگوں کو گمراہ و گمراہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک دو جھجکا اور اس کا نشانہ نہیں اور دوسرے
دو جہان دونوں سے ہی ہر اقتدار پائیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے دفاع میں جو پبلک پیش کرتا ہے۔... یعنی یہ
کہ اگر انہیں بھی ہم شریعت کے سامنے دوسروں کے برابر رکھ کر دیا گیا تو انہیں ظلم و نا انصافی کا کوئی پیر ہے
..... یہ تو یہی دلیل ہے جو اللہ رب العزت نے قرآن میں ہمیں مسافین کے حوالے سے بیان فرمائی ہے:

"وایقولون آمنا باللہ وبالرسول وأطعنا ثم بنوی فریق منهم من بعد ذلک
وما أولتک بالمؤمنین . وإذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم اذا فریق منهم
معصرون . وإن سکن لہم الحق بانوا الیہ مذعس . افی قلوبہم مرض أم ارتابوا أم
یتخاضون أن یحلف اللہ علیہم ورسولہ بل أولتک ہم الطالمون . إنما کان قول
المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم أن یقولوا سمعنا وأطعنا وأولتک
ہم المفلحون" (النور : ۴، ۵۱)۔

"اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور (ان کو) حکم
مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ بھڑک اٹھا ہے، اور یہ لوگ اہل ایمان نہیں ہیں۔ اور جب
انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے
ایک گروہ سنبھیر لیتا ہے۔ اور اگر معاملہ ان کے حق کا ہو تو قطعاً فراموش کران کی طرف پلٹ آتے
ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بھڑکائی ہے، یا یہ شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا
رسول ﷺ ان کے حق میں ظلم کریں گے۔ (نہیں؟) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔ مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ
جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے
(حکم) سنا اور مان لیا، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

تیسرا اقتدار

سربراہ ریاست (یعنی صدر) کو

ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ۴۵ صدر پاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، زیر پوئل، یا دیگر ہیئت
جائز کی دی ہوئی سربراہوں کے لئے موت کو معاف کر سکتا ہے۔ مصلحت یا تبدیلی کر دے۔

President's power to grant pardon, etc

45. The president shall have the power to grant pardon, reprieve and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER I – THE PRESIDENT, Article 45]

یعنی یہ دستور ایک ایسا آئین پیش کرتا ہے جس میں حاکم اعلیٰ سربراہ ریاست ہے۔ وہ بالک کا مات اس دستور کی دفعہ پہ پاکستان کے قانونی حلقوں میں بونی اے۔ اسے ہونی ہے۔ خصوصاً جب دسمبر ۱۹۷۹ء میں صدر پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استہلال کر کے پورے ممالک سمیت کے تمام قلعوں کو بحریہ میں تبدیل کر دیا۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with Commentary, comments on article 2-A

P: 54 to 56 and comments on article 45p: 115.

صدر کا یہ دستورقی حق شریعت سے صرف امتناع ہے۔ شریعت تو یہ حق صرف متقبل کے ورثہ کو دیتی ہے کہ وہ قصاص لیں یا قصاص کی جگہ دیت قبول کریں یا مطلق طور پر معاف کر دیں۔ ۱۹۸۸ء میں اٹھنے والی یہ بحث آجستہ آرتھروڈر کی پوزیٹو گئی یہاں تک کہ ساری پوجہ ان دستور کی دفعات پر مرکوز ہو گئی جو آئین پاکستان کو شریعت کے موافق اچھالنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اب اسامی سوال یہ بن گیا کہ یہ دفعات صرف دایات اور مشورہ اور دیگر کچھ ہیں جن پر عمل ضروری نہیں یا یہ ایسے احکامات وادامیں جن پر عمل لازماً ہے؟ کیا یہ دفعات دستور سے بالاتر کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟ یا سرے سے دستور کا جزو بنی گئیں؟

یہ بحث ۱۹۹۲ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنایا کہ یہ بحث ہی ختم کر دی۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی قانون کو اس بنا پر منسوخ قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدوں سے تجاوز ہے۔ نیز یہ کہ دستور کی دفعہ الف عدالتوں کو مخاطب نہیں

کرتی، وہ تو عدالتی نمائندوں کو قانون سازی کے حوالے سے کچھ دایات دیتی ہے۔ اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر ہم تیسرے باب میں دستور کے دیباچے اور دفعہ الف پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں تو صرف یہ نکتہ اچھالنا مقصود ہے کہ باوجود اس کے کہ دفعہ ۴۵ کے حوالے سے مختلف باتیں، اعتراض عدالتی فیصلے موجود ہیں۔۔۔۔۔ کوئی فیصلہ صدر کو عطا کردہ اس دستور کی حق کی حمایت کرتا ہے تو کوئی مخالفت، کوئی فیصلہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق اچھالنے کی مستثنیٰ دفعات کو واجب العمل قرار دیتا ہے اور کوئی اس کے برعکس۔۔۔۔۔ لیکس اس باجمعی اختلاف کے باوجود بھی یہ تمام فیصلے ایک امر پر متفق ہیں، یعنی کہ یہ دستور کی دفعہ ۴۵ جو صدر پاکستان کو ہر قسم کی مزا، معاف کرنے کا اختیار دیتی ہے، اسلامی شریعت سے متعارض و متصادم ہے۔

چوتھا تضاد

قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگا ئی گئی، اور اہل ان ہونے کی شرط

بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد ئی گئی ہے

(الف) اسلام میں قاضی کے لیے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے

اس بات پر تمام فقہائے اسلام اجماع ہے کہ قاضی بننے کے لیے مسلمان ہونا اور پھر عادل ہونا شرط ہے (عادل کا لفظ یہاں شرعی اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے) امام گجاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فصل : وأما بيان من يصلح للفضاء فقول : الصلاحية للفضاء لها شرائط

منها العقل ، ومنها البلوغ ، ومنها الاسلام ، ومنها الحرية ، ومنها البصر ، ومنها النطق ، ومنها سلامة عن حد الغف ، لما قلنا في البداية ، فلا يجوز تغليب المجنون والصبي والكافر والعبد والإعمي والأخبرس والمحدود في الغف ، لأن الفضاء من

ماہ الولایہ، بل ہو اعظم الولایات، و ہذا لیس لیس اہلیہ اذنی الایات، وہی الشہادۃ، فلا ینکون لیس اہلیہ اعلیٰ اولیٰ۔

”زبانہ معاملہ کر کے انھیں قاضی بنے گا اہل ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس منصب کا اہل ہونے کے لیے انسان میں کچھ شرائط کا یا یا لازم ہے۔ مثلاً اس کا عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد، پناہ، عظیم اور حد قضا سے پاک ہو (یعنی عادل) یہ شرائط عائد کرنے کے اسباب ہم گواہی کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ ان شرائط کی رود سے کسی کا اہل و عاقل، بالغ، عاقل، نام، اندھے، بہرے یا حد قضا میں سزا یافتہ شخص کو قاضی بننا جائز نہیں۔ کیونکہ قضا، یعنی ایک طرح کی ذمہ داری ہے، بلکہ عظیم ترین ذمہ داری ہے، جبکہ مذکورہ لوگ تو گواہی نہیں چھوٹی ذمہ داری بھی ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پس اس سے بڑی ذمہ داری کے تو وہ کسی طرح مستحق نہیں ہو سکتے۔“

(امداد الصنائع فی ذنب المسالین، کتاب آداب القاضی، الفصل فی بیان من ینصحب للقضاء ص ۳۰۷)

(ب) دستور پاکستان میں مسلمان: ذمہ کی شرط محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے ہے پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور پریم کورٹ کے شرعی مراعات کا قاضیوں کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لیے دستور میں کوئی شرط عائد نہیں کرتا۔ جبکہ عادل (یعنی پابند شریعت) کی شرط تو وفاقی شرعی عدالت سمیت کسی عدالت کے لیے عائد نہیں کی گئی۔ گویا پاکستان میں کسی چھوٹی ہی عدالت سے لے کر عدالت عظمیٰ تک کا قاضی بننے کے لیے حتیٰ کہ چیف جسٹس بننے کے لیے بھی مذکور مسلمان ہونا شرط ہے اور ذہنی حد قضا سے پاک ہونا۔

جسٹس سمیت پریم کورٹ کے جج حضرات کی شرط جاننے کے لیے دفعہ ۱۷۱ کی مشق ۴ دیکھئے جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of Supreme court Judge

177-----

(2) A person shall not be appointed a judge of the Supreme Court unless he is a citizen of Pakistan and-

(a) Has for a period of, or for periods aggregating, not less five years been a judge of a High court (including a High court which existed in Pakistan at time before the commencing day), or

(b) Has for period of or for periods aggregating, not less than fifteen years been an advocate of a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day

(PART VII the judicature CHAPTER 2- THE SUPREME COURT OF PAKISTAN. Article 177)

ہائی کورٹ کے ججوں کی شرائط کے لیے دفعہ ۱۷۳ کی مشق ۲ دیکھئے۔ جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of High court Judges

193-----

(2) A person shall not be appointed a judge of High Court unless he is a citizen of Pakistan, is not less than forty-five years of age, and

(a) he has for a period of or for periods aggregating, not less than ten years been an advocate of a high court which existed in Pakistan at any time before the commencing day

); or

(b) He is and has for a period of not less then ten years been a member of a civil service prescribed by law for the purposes of this paragraph , and has for period of not less than three year , served as exercised the functions of a District Judge in Pakistan, or

(C) He has, for period of not less then ten years, held a judicial in Pakistan [PART VII the Judicature, CHAPTER 2 – THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 193]

یہ دونوں شرائط نہ ہونے کے سبب کئی بار اور فساد کی تباہی مقرر کرنا آئین پاکستان کی رو سے جائز ہے یا نہ ہو، دیگر شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ (ای کے نیچے میں جھگڑا داس کے لئے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس جی ایم جی (جی ایم جی) نے صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا، بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا روپ دیا: کہ اللہ کے حرام کردہ امر کو سب سے پہلے حلال قرار دیا۔ گویا یہ دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے اور حکم الہی سے تصادم قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے۔ کیا ان کے دوسرے باب میں اس حوالے سے تفصیلی بحث کرنا چاہیے؟

مشارکتی جریضہ رہتے ہیں۔

”ان من عدل عن شرع اللہ الی شرع غیرہ“ فہذا عدل بشرع اللہ شرعا آخری ، ومن ثم عدل باللہ الیہ وازیاء آخرین، لان الشرع ابتداء خالص حق اللہ باعتبارہ من خصائص الربوبیۃ والالوہیۃ ، کذلک من لم يعدل عن شرع اللہ کلمہ ولکنہ عدل لہ۔ لانه لا یسلک ذلک الا سلطۃ فی نفس المستوی او سلطۃ اعلیٰ ، فمن فعل ذلک فقد جعل من نفسه ندا للہ ، تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبرا .

والتحریم والتجلیل اللذان أشارت الیہما الآیۃ الکریۃ بتخذ صورۃ العدول أو التعديل، فمن عدل عن تحریم الخمر الی اباحیہا فقد أحل ما حرم اللہ ووقع فی الکفر والشرک، وکما یكون العدول صریحا بأن یقال عن الحرام حلال، فانه یكون کذلک ضمیا بتغییر وصرف الحکم من الحرام الی الحلال، ففي مثل الخمر جاء تحريمها بالنص والاجماع، فإذا جاءت نصوص وضعية خالية من العقاب فقد غیرت وصف الحکم وجعلہ مباح، والمباح أحد أقسام الحلال، ومن لم فانیہا لیکون قد أحل ما حرم اللہ.... واذ جاءت نصوص وضعية خالية من النص علی العقاب علیہ ولو فی بعض الأحوال فانیہا لیکون قد اباحہ فی هذه الحالات ای لیکون قد أحلت ما حرم اللہ ، وهذه صورة من صور العدول.... أما صور التعديل فإن الحکم یرقی علی وصفه الأصلي، فلا یقلب من الحرام الی الحلال، ولكن مثلا یجرى التعديل فی العقوبة، الی وضعیۃ اللہ سبحانه للعدل، کان یحفظ بالنص بتحریم الفعل وجرمہ ولكن بعدل العقوبة المفروۃ له شرعا، ویمکن التحس بدلًا من الجدل أو الرجم، ویمکن أن یقال ان مثل تلك النصوص الوضعیۃ الی تنص من عدل فی الحکم الشرعی تنصمن کذلک عدولا، ان وضع عقوبة مسکن آخری عدول عن العقوبة الأصلیۃ الی شرعیۃ الشارع الحکم علاجاً للداء، وهو أعلم بمن خلق وهو اللطیف الخبیر، وعلی ذلک فالعدول والتعديل جو من فیصل التجلیل والتحریم، الذی دمعہ الفرقان بالکفر والشرک.... ونلک أقصى صور عدم الشرعیۃ

”جس کی سنے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی، ہر قانون اختیار کر لیا تو گویا اس نے اس خود ساختہ قانون کو شریعت الہیہ کے برابر ٹھہرایا اور دیگر خود ساختہ قوانین کو اللہ کے مساوی گردانا۔ انسانوں کے لیے قانون بنانا تو روایت اور اوجیت کا خاصہ ہے اور اسی لیے جس اللہ جل جلالہ کا حق ہے کہ وہ

قانون سازی کرے۔ یہی طرح اس شخص کا جرم بھی کہ کچھ تکلیف دہ الیہ کا باقیہ ترک نہ نہیں کرتا۔ اس خیریت میں عن بانی ترسیما کرتا ہے۔ اللہ کی خیریت میں ترک ہم کو تہی تو ہی ہو سکتا ہے۔ (نور مجاہد) اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر اعتبار دیکھتا ہو۔ جس کو بھی جوتی ایسا کرے۔ (یعنی خیریت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے۔ یا خیریت میں عن بانی ترسیما کرے) تو کو کہاں نے خود کو خدا کا جسر بنانے کی کوشش کی اور باخبر اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور برتر ہے۔

قرآنی آیات جب اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور اس کے حلال کردہ کو حرام ٹھہرانے والوں کی مذمت کرتی ہیں تو وہاں ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

----- وہ جو حکم شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالیں (عدول)

..... اور وہ بھی جو شریعت میں ترمیم کریں (تقدیل)

مطلب اس شخص نے شراب کو حرام کے بجائے مباح قرار دیا تو کوئی اس نے اللہ کے حکم کو حرام سے بدل کر حلال میں تبدیل کر دیا اور حلال وہ صریح کفر و شرک کا مرتکب ہوا۔ بجز اس طرح یہ ممکن ہے کہ حرام کو کسیدہ حاسدہ حامل قرار دے کر پورا حکم ہی بدل دیا جائے اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص میں بعض قسمتی تبدیلیوں سے حرمت کو کھلتے میں تبدیل کر دیا جائے۔ مطلب شراب کی حرمت میں اور اجتماع دونوں سے ثابت ہے۔ پہلا اب اگر خود سے کوئی قانون بنا دیا جائے جس میں شراب نوشی (کو کھولتا) حلال نہ لکھا جائے لیکن اس کو پوری سزا محرم نہ ہو تو شراب کو مباح قرار دینے کے بغیر خلاف ہے۔ اور مباح بھی حلال کی ایک قسم ہے۔ الفرض اس تبدیلی کا نتیجہ بھی وہی بنتا ہے کہ اللہ کا حرام کردہ وہ مباح یا مضمحل ہو گا۔ اس طرح اگر کوئی خود ساختہ قانون بعض مخصوص شخصیات کو بعض مخصوص حالات میں شراب نوشی کی تشریح سزا سے مستثنیٰ رکھتا ہے تو گو یہاں شراب نوشی کو ان مخصوص حالات میں مباح قرار دیتا ہے۔ یعنی دوسرے انہیں میں وہ ان مخصوص حالات میں اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھتا رہا ہے۔ یہیں سے سب صورتیں ممکن شریعت کے مطلقہ ہر کسی دوسرے قانون سے بدل دالنے (یعنی بدل) میں داخل ہیں۔

جبکہ دوسری صورت (یعنی تعدیل) یہ ہے کہ اصل حکم تو اپنی جگہ باقی رکھا جائے، حرام کو حلال

119
 ایا جائے لیکن اللہ نے اس جرم کو جبراً عسر کر کے اس میں ترسیم کر دی جائے۔ مثلاً کسی فعل کو عسر کر دیا جائے اور اس فعل کے عسر کو کمراد بھی دی جائے، لیکن جبراً شریعت سے مقرر کی ہے۔۔۔ مثلاً وہ بے اختیار ہو جائے۔۔۔ اس میں ترسیم کر کے اسے سزا سے قید میں بدل دیا جائے۔ یہ کبھی جملہ مثلاً نہ ہوگا ایسے خود ساختہ قوانین جو حکم شرعی میں ترسیم (یعنی تغویل) کرتے ہیں۔ اور اس میں ترسیم شرعی کی کسی دوسرے قانون سے بالکل بدل ڈالنے (یعنی بدول) کی کے احکام ہیں۔ جب رب تکمیل ہے، جبراً اپنی مطلق سے خوب آگاہ اور باریک بین و باخبر ہے، ایک بنیادی مسئلہ کے طور پر ایک شرعی مقرر اور مقرر کر بھی ہے تو اسے کسی دوسری سزا سے بدل دینا ایک طرح کا بدول ہی ہے۔ جبراً بدول (یعنی تغویل) (یعنی ترسیم شرعی کو بالکل بدل دینا) اس میں جبراً ترسیم کرنا (کودوں میں اللہ کی رہنمائی سے آواز دہو کر چیزوں کو محال و حرام قرار دینے سے ناخالص ہیں) اور یہ جرم عظیم ہے جسے قرآن نے کفر و شک قرار دے کر مایا بدول کرنے کا حکم دیا ہے۔۔۔ اور با مشیروں مختلف شرعی کی انتہائی صورت ہیں۔

(أصول الشريعة الإسلامية للمستشار علي جريشة ٢٢/٢٣: ٢٣. نقلها من كلمة حنّ للشيخ عمر عبد الرحمن ص: ٣٦، ٣٧).

انچوائے تضاد

سربراہ و یا ست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ ۳۱ اور شرط ذکر کرتی ہیں جن کا سربراہ ریاست میں پناہ جانا لازم ہے۔ ان شرط
میں سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں، حالانکہ اس شرط پر جو تمام علماء کا اجماع

اس: فعدہ کی اصل عبارت یہ ہے:

The president 41-----

(2) A person shall not be qualified for election as president

twenty- third day of March one thousand nine hundred and
fifty-six ,an offence [PART II Fundamental rights and
principles of policy ,CHAPTER 1 - FUNDAMENTAL
RIGHTS Article 12]

(۱۱) گویا اگر کوئی شخص، جو عالمی جرم کا مرتکب ہوا اور اسے عدالت میں پیش کر کے شہر کی طرف بھاگ کر کے چلا، اس کا جرم ہوتا ہے کہ وہ بھاگے۔۔۔ جب تک اسے گرفتار نہیں کی جاتی یہاں تک کہ یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ جرم کا ارتکاب کے وقت یہ فعل پاکستانی قانون میں بھی جرم تھا۔ یا شہریت سے محروم ہے، یا ایک باطل اصول ہے کہ نیکہ اس کے مطابق:

(۱) تشریح اور اس وقت تک وجہ العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان سربراہ ریاست خلیفے کی کاروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون پر قرار دے کر گئی اندکی مازاں کہ: "شرعیات ان کے نزدیک واجب الاتباع شریعت نہیں بلکہ یہ کیوں ان کی قانون ساز مجلس (پارلیمان) کے سامنے منظور نہیں کیا۔

دستور پاکستان کا یہ اصول شراب پالک باطل ہے۔ اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی کی عطا کردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادر ہونے والے قوانین دو مختلف عقیدے ہیں۔ پہلے سے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تقاضا ہے۔ وہ یہی نازل کردہ شریعت تو کسی انسانی پارلیمان سے منظر کی کھجائ نہیں۔ یہی ذاتی دقت سے واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور یہی آکر مسلمانوں تک پہنچا یا کوئی دنیاوی قانون اس شریعت کو تسلیم نہ کرے۔ یہ شریعت الہی کی قدر و منزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے یا کہ یہ شریعت تو بہت نبوی علیہ السلام کے دقت سے موجود اور واجب العمل ہے، چودہ سو سال اسلامی مملکتوں میں حکما نازل نہ ہوئے اور شرعی تاحشی اس کے مطابق ان چودہ صدوں میں فیصلے کرے آئے ہیں۔

(اسی طرح کی ایک کوشش کے ذریعے مصر کی اعلیٰ دستوری عدالت نے بھی دستور کی دفعہ ۲ کی

طبقاً سے راہ فرار اختیار کی جس میں کہا گیا ہے کہ: شریعت اسلامیہ کے اصول و مبادی کی قانون سازی نافذ ہیں۔ لے کہا کہ اس دفعہ کا اطلاق ان قوانین پر نہیں ہوگا جو اس سے قبل صادر ہوئے۔ اور چونکہ ملک کے غالب قوانین اس دفعہ کی منظوری سے پہلے ہی میں اللہ ان پر اس دفعہ کو کئی اطلاق دیا گیا۔ دیکھئے مکرر المراسلات السياسية والاستراتيجية بالامراء، التفویض الاستراتيجی العربی لسنة ۱۹۹۳، ص ۳۳۲، الفاشرة ۱۹۹۳، (الحکم رقم ۲) لسنة ۲۱ قضائية (دسوریہ) الصادر فی ۱۳ ابریل ۱۹۹۳ م.

(۲) دواۓ دہلی میں جان کر وہ اس اصول کے مطابق لوگوں پر جت اس وقت قائم ہوتی ہے جب پاکستانی قانون کوئی یا متعدد فرماں جاری کرے، حالانکہ یہ جت تو دراصل چودہ سال قبل ہی قائم ہو چکی تھی۔ جب یہ خرید و بیعت خانوں سے نازل ہوئی تھی۔ اب تو اس کے بنیادی احکامات مٹا کر شراب، زنا اور بیہوشی وغیرہ کو حرمت سب کی کو معلوم ہے۔ کوئی بھی اس سے نفائی کا پتہ نہیں دیکھ سکتا۔

(۳) یہ اصول شرعی اور غیر شرعی سڑاؤں میں تفریق کیے بغیر یہ عمومی وعدہ دیا جاتا ہے کہ یہ قانونی سڑاؤ جاری کیا جائے گا جس کے تحت جرائم کے ارتکاب کے وقت قانون میں جو سزا مقرر تھی اس سے مختلف کوئی سزا دی جائے گی۔ یہ سزا اگر جرائم کے ارتکاب کے وقت قانون میں کوئی غیر شرعی سزا مقرر تھی تو وہ اسے تبدیل کر کے شرعی سزا دیا جائے گی۔ یہ سزا تبدیل نہیں کی جائے گی۔ اس بات کا دائرہ دیا کہ یہ غیر شرعی سزا، شرعی سڑاؤ کا متبادل نہیں۔ شریعت، غیر شرعی سڑاؤ کو لایا، اعتبار ہی نہیں سمجھتی لہذا یہ اصول شرعاً ناقابل قبول ہے۔

(۳) اس دستور و وعدہ سے بات بھی چلتی ہے کہ ریاست پاکستان میں اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ نہیں، انسان ہیں۔ لیکن اللہ کے کلمہ بھی ہے، تشریف بھی ہے کہ یہ ہے جب اللہ کا پارلیمان اس پر مقرر ہے۔ یہ قدرت ہے۔ کس اللہ پر حضرت خواجه ابی نقیہ رحمہ اللہ میں، خدائی تاکیہ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ قانون بنانے اور حکم دینے کا حق صرف اسی کی ہاتھ والا سماعت حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِلَىٰ عَلَىٰ بَيْتِهِ مَن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ مَا عُدِّي مَا تَعْمَلُونَ بِهِ إِنَّ الْحَكَمَ

الا لله يقض الحق وهو خير الفاصلين ﴿۱۵۷﴾ [الانعام: ۱۵۷]۔

"آپ کہہ دیجئے! میں تو اپنے پروردگار کی روش و نکل پر قائم ہوں جبکہ تم اسے چلا رہے ہو جس چیز (عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم اللہ ہی کے لیے خاص ہے، وہ حق بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ثم رددنا إلى الله مولاهم الحق ألا له الحكم وهو أسرع الحاسبين﴾

[الانعام: ۱۶۳]۔

"پھر (تو) تم کے دن لوگ (اپنے مالک حقیقی اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، سن لو کہ تم اسی کے لیے خاص ہے، اور وہ نہایت جلدی حساب لینے والا ہے"

اور فرمایا:

﴿ما تعبدون من دونه إلا أسماء سميتموها أنتم وآبائكم ما أنزل الله بها

من سلطان إن الحكم إلا لله أمر ألا تعبدوا إلا إياه ذلك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون﴾ [يوسف: ۳۰]۔

"اس (اللہ) کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو تو صرف نام ہی ہیں جو تم نے اور نہایت باپ دادائے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان (کے حق ہونے پر کوئی سند نازل نہیں کی) (یہ سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی میرا حکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اور فرمایا:

﴿وشأن بيتي لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من أبواب متفرقة وما أغنى

عنكم من الله من شيء إن الحكم إلا لله عليه توكلت وعليه فليتزكل كل امرئ كلون﴾ [يوسف: ۶۷]۔

"اور (تلقیوب علیہ السلام نے) فرمایا: اے بیت! (شیریں) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہو، بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمہیں اللہ کی اللہ پر سے تو نہیں بنیاستا، تم تو صرف اسی کے لیے خاص ہے، میں اس پر بخیر و شر ۲۱ سوں اور اہل توکل کو صرف اسی پر بخیر و شر ۲۱ بنیاستا۔"

اور فرمایا:

﴿وهو الله لا اله الا هو له الحمد في الاولى والاخرة وله الحكم واليه

نرجعون﴾ [الفصل: ۷۰]۔

"اور اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا و آخرت میں اس کی تریب ہے اور اسی کے شکر، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔"

اور فرمایا:

﴿ولا تدع مع الله شيئا اخر لا اله الا هو كل شيء هالك الا وجهه له

الحكم واليه نرجعون﴾ [الفصل: ۸۸]۔

"اور امانت کے ساتھ کسی دوسرے کو مت بکاؤ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔"

اور فرمایا:

﴿ذلكم بانه اذا دعى الله وحده كفون من وان بشر ك به نرسموا فالحكم لله

العلی الکبیر﴾ [عاف: ۱۲]۔

"یہ اس لیے ہے کہ جب تمہا اللہ کو پکارا جاتا تو تم قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے، پس حکم تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جو (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے۔"

لیکن ان تمام آیات کے عل الرغم پاکستان کا قانون سازی کا حق صرف ارکان پارلیمان کو حاصل ہے، جب چاہیں کسی حکم کو قانونی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج

کر دیں۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے ذیل میں یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ اگرچہ باطنی سزا نہ دینے کو اصول سمجھتے، خطرناک نتائج کا حامل ہے اور کس صفائی کے ساتھ یہ اصول اذکارا شرعیہ سے چھٹکارا پانے، انہیں مطلق کرنے اور سوہی نظام جاری رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (ب) یہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر حیا تک نہ آئی کہ انہوں نے (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد) دستور پاکستان کی مخالفت کرنے والے ہذا اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کا مستحق گردانا، لیکن شریعت رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ مالک ملک کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد

ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے کی مطلق ممانعت

دستوری دفعہ ۱۳ ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے منع کرتی ہے۔

اصل ممانعت یہ ہے:

Protection against double punishment and self incrimination

13 No person –

(a) Shall be prosecuted or punished for the same offence more than once; [PART II Fundamental right and principles of policy, CHAPTER-1 FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 13]

شریعت کے بنیائے سے یہ اصول بھی درست ہو سکتا ہے، جب سب اس جرم پر پہلی مرتبہ ہی سزا شرعیہ کے مطابق ہو۔ البتہ اگر پہلی سزا ہی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہو اور پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزا دے دیں یا پھر

صدہ پاکستان اس لیے صواب یہی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا میں تخفیف کر دے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر شرعی سزا قائم کر سکے۔۔۔۔۔ اور یقیناً یہ امر شرعاً ناقابل قبول ہے۔

غیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزا کی قائل نہیں ہیں، یہ عدالتیں کسی بھی سزا کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک وہ پاکستانی قوانین میں مدون نہ ہو۔۔۔ جس کا عملی نتیجہ یہ نکال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض سمجھیے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا جرم پیش کیا جاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جا چکی ہے۔۔۔ تو اگرچہ دفعہ ۱۳ کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے۔۔۔ لیکن پاکستانی عدالت اسے دوبارہ سزا دے گی البتہ کہ پہلے ہی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوگئی ہو۔

بلکہ امریکہ سمیت کئی ممالک کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے قانون کی ننگہ میں جرم کا مرتکب ہوا اور اسے اس جرم کی سزا پاکستان میں دی جا چکی ہو۔۔۔ تو وہ اس سزا کو معترف نہیں سمجھتے اور دوبارہ خود سے سزا دیتے ہیں۔ اس کی مثال واضح ہے کہ جن فلسطینیوں نے ۸ کی دہائی میں پان امریکی غلیہ اٹھا، کیا تھا امریکہ نے ان کی اس طویل قید کو غماز نہیں کیا تھا جو انہوں نے پاکستانی جیلوں میں کاٹی تھی اور اس طویل سزا کے بعد پاکستان کی رذیل حکومت نے ان فلسطینیوں کو امریکہ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ امریکہ انہیں اور سزا دے۔

آٹھواں تضاد

سود کے حوالے سے دستور کا موقف

دستوری دفعہ ۲۸ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر ملحد لیکن ہرگز خوش کام نہ جائے۔

اس واقعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people

38. The state shall-

(f) Eliminate riba as early as possible. [PART II Fundamental right and principles of policy CHAPTER 2 - PRINCIPLE OF POLICY, Article 38]

(الف) یہ عمارت مستقبل کے لیے ایک عمدہ حق جو کہی و بانٹاں زورنے کے باوجود بھی پورا نہیں ہو سکا۔ اس وعدہ کی مثال اس طرح ہے جیسے کہ ایک شخص کہے کہ میں حق بیع نماز پر انھوں گایا میں حق بیع اسلام قبول کروں گا۔۔۔ تو کیا شخص ایک ذاتی وعدہ پر یہ شخص نمازی یا مسلمان بناسکتا ہے؟

(ب) علاوہ انہیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حالت نہیں دیتی یہ عدالتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔ اس کی حیثیت تو ایک وعدہ سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اسی لیے دلیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ:

''دفعہ ۱۹ سے ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں (نہ کہ نافذ انہیں قوانین کی) لہذا ان کی روشنی میں نہ کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کر سکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اعتراض کے لیے اپنے دائرہ اختیار میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لیے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے۔''

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY, 108.

(ج) اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً دکانوں یا جاری دساری ہے۔ انشاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے دوران میں اس کی مزید کچھ مثالیں سامنے آجائیں گی۔

(د) ممکن ہے کہ یہاں کوئی اعتراض اٹھائے کہ: سودی لین دین تو ایک بین الاقوامی حقیقت ہے اور اس سے یکساں چھکارا پانا ممکن نظر آتا ہے، لہذا اسے مجبوراً بدوینج ہی ترک کرنا ہوگا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتراض میں جس 'مجبوری اور تدوینج' کا ذکر ہے، دفعہ ۳۸ کی عبارت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۲) پھر اگر بین الاقوامی معاملات میں یہ 'مجبوری' تسلیم کر لی جاتی ہے تو پاکستان کے اندر داخلی معاملات میں تو کسی ایسی 'مجبوری' کا وجود نہیں۔

(۳) اگر ایک لکھ کے لیے خود پاکستان کے اندر بھی 'مجبوری' کا وجود فرض کر لیا جائے تب بھی یہ طے کرنا کہ یہ 'مجبوری' واقعتاً کہاں کہاں پائی جاتی ہے، اضطراب کی غیر شرعی لین دین میں اترنے کی حدود وجود دیکھا ہیں اور اس اضطراب کی کیفیت سے بھٹکارا پانے کی کیا سود میں ممکن ہیں۔۔۔۔۔ علمائے شریعت کا کام ہے، جبکہ مذکورہ دفعہ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہ کرے۔ یہ موجود نہیں۔

(۴) دفعہ ۳۸ کی یہ عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی آج پچاس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفا نہیں ہو سکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلا چلا جا رہا ہے۔ یہ ہم دستور پاکستان کے اسلامی عناصر پر بحث کے دوران مشاہدہ کریں گے کہ شریعت کے خلاف اور قوانین پاکستان کو خلاف شرع امور سے پاک کرنے کا وعدہ بھی ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج تھا اور یہ وعدہ بھی محض وعدہ رہا ہے، وفا کی نوبت ابھی تک نہیں آئی ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary 1965 constitution, p; 31

باب سوم

دستور کے بیان کردہ مسائل

شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں

پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیت شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلاف شرع امور سے پاک کرنے کی ضمانت دیتی ہیں، لیکن یہ تمام عبارتیں نظری اور محلی دواؤں اظہار سے اتنی کمزور رہے ہیں کہ ان کے ذریعہ شریعت افریقہ کی حاکمیت قائم ہونا محال ہے۔ بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلاف شرع ذہنیات قائم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

اس باب میں دستور کی ایسی ہی متعدد عبارتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے اس بحث کو پانچ نکتوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلی فصل: دستور کا دیباچہ، قرارداد، مقاصد دفعہ ۲ اور دفعہ ۳ الف

(۲) دوسری فصل: دفعہ ۳۱

(۳) تیسری فصل: دفعہ ۳۸

(۴) چوتھی فصل: ذاتی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف

(۵) پانچویں فصل: دستور کا حصہ نهم، اسلامی احکام دفعہ ۱۲۱ تا ۱۳۱

دستور کا دیباچہ، قرارداد و مقاصد دفعہ ۲ اور دفعہ ۳ الف

۱۔ دستور پاکستان کے دیباچے میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

”یہ بات اظہارِ اخص ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا مالک و مالکِ مطلق ہے۔ اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر مقرر استعمال کرنے کا حق

حاصل ہے، وہ ایک متعدد کائنات ہے۔

۲۔ جمہوریت، آزادی، مساوات، درباری اور عدل عرفانی کے اصولوں پر جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو نظریاتی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن پاک اور سنت محمدی ﷺ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، اشریات اور ضروریات کے حسبِ نشانہ ترتیب دے سکیں۔

۳۔ لہذا ہم جو اس پاکستان، اس قادرِ مطلق رب تبارک و تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ

پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس ایمان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ

پاکستان عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی،

جمہوریت کی حفاظت کا عزمِ محکم لیے جو علم و استعداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔۔۔۔۔

حقائق مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعہ یہ دستور منظور کر کے اس قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں۔“

اصل عبارت یوں ہے:

Whereas sovereignty over the entire universe belongs to almighty Allah alone and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;

Wherein the principles of democracy freedom, equality tolerance and social justice, as enunciated by Islam shall be fully observed

Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;

Now therefore we, the people of Pakistan;

Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

Faithful to declaration made by the founder of Pakistan Quaid-i-Azam Mohamad Ali Jinnah, that Pakistan would be a democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny - [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN 1973, preamble]

ان عبارتوں پر بحث کرنے سے قبل میں اس امر کی وضاحت کرنا چاہوں کہ دستور پاکستان کے اس دیاچہ کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کی صورت میں منظور کیا۔ یہ قرارداد ”قرارداد مقاصد“ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

OBJECTIVE RESOLUTION

یہ قرارداد مقاصد پہلے ۱۹۵۹ء کے دستور میں دیاچہ کے طور پر شامل کی گئی، پھر ۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی اسے دیاچہ قرار دیا گیا اور اپریل ۱۹۷۳ء کے چھٹے دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیاچہ کی حیثیت دی گئی۔

اصل عبارت یوں ہے:

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

Commentary comments on Article 2- A p; 52

پھر دفعہ ۱۲ اور دفعہ الف کے ذریعے اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔ دستور کی

دفعہ ۲ کہتی ہے کہ:

”ریاست پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا“

اور دفعہ الف میں مذکور ہے کہ:

”قرارداد مقاصد جسے دستور کے ساتھ بطور غیر ملکی مقرر کیا گیا ہے، میں درج اصول و احکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو بعد میں دین مندرجہ ہوں گے۔“

اصل عبارت یوں ہے:

Islam to be state religion

2. Islam shall be the state religion of Pakistan.

2A The objectives resolution to form part of substantive provisions.

2A the principles and provision set out in the objectives resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the constitution and shall effect

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ فَدَعَاكُمْ بَرَهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾

[النساء: ۱۷۴]

”اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) بجلی آ چکی ہے اور ہم نے (کفر و غلط فہمی کا اندھیرا دور کرنے کے لئے) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا

عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا نَبِيَّ أَهْوَاءَ هُمَ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لَكُلِّ جَلِيلًا

مِنْكُمْ شُرْعَةٌ وَمِنْهَا هِيَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِن لَّسَبَلُوكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ

فَاسْتَفْهِمُوا الْخَبْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرَّجَعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ . وَأَنَّ

أَحْكَمَ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْضُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ

اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصَيِّبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ

النَّاسِ لَفَاسِقُونَ . فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَمَن أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِلَّذِينَ هُمْ يُوقِنُونَ﴾

[المائدة: ۴۸، ۵۰]

”اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے

کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر تمہارا ہے، پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے

مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو آپ کے پاس آچکا اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی

پوری امت کیجئے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ

چاہتا تو ہم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن جو حکم اس نے تمہیں دے دیا اس میں تمہاری آزمائش کرنا

چاہتا ہے، سو ایک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، مگر جن باتوں میں تم

اختلاف کرتے ہو وہ تمہیں متلاوے گا۔ اور (تم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) ان کے درمیان اللہ کی نازل

شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچنے کو کہیں یہ

ہی طرف اللہ کے نازل کردہ حکم سے آپ کو ہر کا نہیں۔ اب اگر یہ باتیں تو جان لیجئے کہ اللہ

فرماتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے، اور یقیناً اکثر لوگ تو گمراہ

ہیں۔ (اگر یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے منہ مٹاتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور

میں دیکھنے والوں کے لئے اللہ کی پوری مصلحت دیکھ کر نہ ڈراؤں، ہوسکتا ہے۔“

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ نفرو اسلام کو حفظ منظر کرنے کا یہ سلسلہ دستور پاکستان کی

اندیشہ منظر سے ہی شروع ہوا ہے۔۔۔ اور اس کے نتیجے میں آج ہم بہت ماحول دھساؤ دیکھ رہے

ہیں اور میں قدم قدم پر خالص اسلامی احکامات و نصوہات کے ہواے کفر و شرک اور شرعی مخالفتوں سے

”اور مخلصانہ وسعتی سے واسطہ پڑتا ہے۔“

(۲) ”جمہوریت“ کا تذکرہ کرتے ہوئے دستور پاکستان جتنا ہے کہ:

(الف) ”۔۔۔ جمہوریت، آزادی، مساوات و برادری اور عدل جمہوری کے اصولوں

پر مبنیہ کیا اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح تسلیم کیا جائے گا“

تجائے اسلام نے کہاں جمہوریت کا تصور بیان کیا ہے، جبکہ ہم گزشتہ طور میں اسلام اور

جمہوریت کا سرخ تھانہ بھی واضح کر چکے ہیں!

(ب) اسی طرح، بنیاد میں یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ:

”پاکستان عدل اجتماعی کے اصولوں پر تاسیس کیا گیا ہے، جمہوریت کی بنیاد جمہوریت“

مجھے نہیں معلوم کہ اسلام اور جمہوریت کی دو متضاد چیزوں کو ایک ہی جملے میں جمع کرنے

سے کیا مقصود ہے؟ نیز اس عبارت میں شخص اسلام کے ”عدل اجتماعی“ کا تذکرہ ہی کیوں کیا گیا

ہے، اسلام کے دیگر پہلوؤں: عاقلیت، اخلاقیات، اقتصادیات اور سیاسیات و غیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا

گیا؟ اسلام تو اس کی عبارت کا نام ہے، نہ کہ اس کے چند اجزاء!

(ج) دوسری عبارت میں یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ:

”ہم اس مجبوریت کی حفاظت کا غرض ہم سمجھتے ہوئے ہیں، جو ظلم و استبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔“

نبائے اس عمارت کے ذریعے یہ اسلامی دستور کی بچہری حفاظت کا ذمہ لے رہے ہیں؟ یہی مجبوریت کی حفاظت کا غرض؟ اکثریت کے حق تکرائی اور حق قانون سازی کے تحفظ کا؟ آخر کس بات کا؟ جنس یہ بات تو بڑے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دستور پاکستان کی ابتدائی مکتوبہ سے ہی حق و باطل کی آئینہ نگاری کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ب۔ قرارداد مقاصد میں موجود اسلامی احکامات کی حیثیت

جہاں تک قرارداد مقاصد میں موجود اسلامی ہدایات و احکامات کا تعلق ہے، جو ہم غیر یس ویکہ لیں گے کہ ان کی عبادتوں میں ایسا عوام پلایا جاتا ہے، کہ ان سے کوئی تعین حکم دفعہ کرنا ممکن نہیں، البتہ کچھ عمومی یا خاص شرائط کی جا سکتی ہیں۔

(۱) مثلاً یہ عمارت کہ:

”یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکت غیر سے حاکم کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو افتادہ داخلی و خارجی امور مقرر کردہ حدود کے اندر وہ کراستمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امر ہے۔“

یہ ایک عمومی ہی عمارت ہے جو مذہب یا مذہب پرستوں کی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف شریعت اسلامی کی ہوگی اور نہ ہی اس بات پر دو ٹوک دلائل دیتے ہیں کہ شریعت احکامات کو ایک ایسے بلند و بزرگ مصدر کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابل قبول نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اس عمارت میں یہ تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شریعت احکامات کو کوئی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔

(۲) اسی طرح یہ عمارت کہ:

”مسلمانوں کو ذاتی، انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن

اس اور سنت محمدی میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، اشیائے اور ضروریات۔ حسب نفاذ و ترمیم کے ہیں۔“

یہ حق نہیں ایک وعدہ ہے، جو کہ مسلمانوں کو ملنے کے باوجود بھی پورا نہ ہوگا۔

ج۔ قرارداد مقاصد کے ایجاب دستور ہونے کی حیثیت

قرارداد مقاصد کو دستور کا ایجاب دینا، لفظ الف کا، ایجاب دستور کا؟ سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی وقتہ اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے۔۔۔ کیونکہ:

اولاً: قرارداد مقاصد، ایجاب دستور، لفظ الف اور اس قسم کی دیگر تعلیمات نے تو قانونی حیثیت بھی، اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے۔ جبکہ اسلام کی رو سے تو شریعت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ شریعت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر۔۔۔ بجائے اس کے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں قسم قبول کیا جائے یا رد، اقتدار اعلیٰ تو ہر صورت میں شریعت کا حق ہے۔ خواہ اکثریت اس پر راضی ہو یا ناراض۔“

ثانیاً: دستور کو ہی طور پر دستور کی حیثیت بھی حاصل ہوتی ہے جب عوامی اکثریت باوجود اشتہاب رائے کے ذریعے یا پھر ان کا پارلیمان کے واسطے سے اپنی تائید و موافقت کا اظہار کرے۔ یعنی دستور کی پرفریب خوشامیادوں کے باوجود بھی اس مجبوریت کا نظام میں تکرائی عوام ہی کا حق ہے اور عوامی تائید ہی دستور کا قانونی حیثیت بخشتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا ایجاب مندوبہ ذیلی عمارت پر ختم ہوتا ہے:

”ہم عوام پاکستان (حقائق مندوبہ بالا اعلیٰ جاہد پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے اراکندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں۔“

اصل عمارت یوں ہے:

Now therefore, we, the people of Pakistan

Do hereby through our representatives in the National Assembly adopt, enact and give to ourselves, this constitution [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN 1973, Preamble]

اس کے برعکس شریعت الہی اپنی حاکمیت سنبھالنے کے لئے عوامی مفکوری کی تباہی نہیں۔ اس پر تو ہر تہذیبی اسی وقت سے ٹھہرتی ہے جب یہ اللہ وحب العالمین کی جانب سے زمین پہ نازل ہوئی ہے۔ رب کی شریعت قبول کر۔ نہ یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے مظلوم کا بڑا ذرا خود شریعت سے عبادت کے مترادف ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فاحكمم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم عما جاءك من الحق﴾
[المائدة: ۴۸]

”میں اے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے دوڑ دانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے“

اور فرمایا:

﴿وان احكمم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم﴾
يفتوك ۵۔ بعض ما أنزل الله اليك﴾ [المائدة: ۴۹]

”اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچو کہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیا“

اور فرمایا:

﴿ولو اتبع أهواءهم لفسدت السفوت والأرض ومن عليها﴾

[المؤمنون: ۱۷۱]

”اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب ویران ہو جائیں گے“

شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے حوالے سے استصواب رائے یا رائے شماری کرنا شرعاً کسی طور جائز نہیں، البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرنا جائز ہے۔ لہذا ان دونوں باتوں کو باہم خلطہ نہ لیا جائے۔

مثلاً: پارلیمنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی و فضاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے، جیسا کہ دستور کی دفعہ ۱۳۸ اور دفعہ ۱۳۹ میں صراحتاً مذکور ہے۔ اس حوالے سے ہم پہلے باب میں تفصیل بات کر چکے ہیں۔ پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت کو با اختیار حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے، یا پھر اور دفعہ کو دستور سے حذف کر دے کیونکہ دستور پارلیمنٹ کے اس حق پر مذاق کوئی قید عائد کرنا ہے، نہ ہی کوئی شرط، نہ تو اس پر کوئی نگران ہے اور نہ ہی کوئی تعصب۔ اس کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار بھی کسی کو حاصل نہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿واحللهم أن يفتنوك عن بعض ما أنزل الله اليك﴾ [المائدة: ۴۹]

”اور ان سے بچو کہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں“

و قرار داد و مقاصد اور دفعہ الف کے بارے میں عدالتی فیصلوں کا تقاضا

دستور میں پائے جانے والے تقاضات اور دیسپا کی یہ تمام عبارات کے سبب پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں بھی دیا ہے اور دفعہ الف کے فہم کے حوالے سے بہت تعداد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ان عدالتوں نے مختلف متغیر فیصلے جاری کئے ہیں، البتہ سبب باہم متضاد و مخالف فیصلے

اس بات پر متعلق ہیں کہ دستور میں اسلامی شریعت سے متصادم دفعات بھی پائی جاتی ہیں۔ (جیسا کہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے تیسرے تشاد میں صدر پاکستان کے کسی بھی جرم کو معاف کرنے کے حق پر بحث کے دوران یہ بات واضح کی جا چکی ہے)۔ اختلاف صرف اس امر میں رہا ہے کہ کسے ترجیح دی جائے، اسلامی دفعات کو یا اسلام سے متصادم دفعات کو؟ اور ترجیح دینے کا یہ حق کون رکھتا ہے؟ انہی سطروں میں ہم اللہ کی توفیق سے پاکستان کی سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ایسے متضاد فیصلوں کی چند مثالیں پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان پر تبصرہ بھی کرتے چلیں گے۔

(۱) قرارداد معاصد اور دستور کی دفعہ الف کی حیثیت سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں موجود تضاد و اختلاف کی چند مثالیں:

پیر منیر محمد رفعتی بٹ نے دفعہ الف اور دفعہ ۲۲ پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے قانونی اہلکاروں میں قرارداد معاصد اور دفعہ الف کے مقام پر ایک اہم بحث کی ہے جس سے ان دونوں کی حیثیت و پاکستان کے قوانین اور فیصلوں پر ان کے عملی اثرات واضح ہوتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر میں اس کا خلاصہ یہاں (معمولی تصورات کے ساتھ) ذکر کروا رہا ہوں:

پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں یہ بحث چلتی رہی ہے کہ قرارداد معاصد کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ دستور پر غالب ہے؟ کیا پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں یہ حق رکھتی ہیں کہ کسی قانون یا کسی بھی ضابطہ مجاز سے جاری ہونے والے فیصلے کو قرار داد معاصد سے ٹکرا کر اس صورت میں کالعدم قرار دیں، اچانک یہ تو قانون یا فیصلہ دیگر دستوری واجبات کے موافق ہی کیوں نہ ہو؟

ایک مقدمے میں (مقدمہ عاصد جہانگیر بنام حکومت پنجاب [1973 SC PLD 1]) پاکستان کی سپریم کورٹ نے قرارداد معاصد کو پاکستان میں قوانین کا سب سے بڑا آئین تسلیم کیا ہے۔ (Grundnorm) اس فیصلے میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کو مغرب کے قانونی نظریات کی طرف دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے یہاں سرچر آئین کا آئین کے آئین سے کچھ مختلف ہے۔ اس سب سے بڑے آئین و صدر کی طرف اشارہ پاکستانی دستور ان الفاظ میں

کر رہا ہے۔

”اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکت غیرے ماحکم فی امور پاکستان کے تمام امور کو جو اللہ اور واقعہ بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود و اکرار و مقررہ استناد کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امرات ہے۔“

(یہ قرارداد معاصد کی اصل عبارت سے ملتی جلتی ہے)۔

اس اصول میں کسی تعبیر و تفسیر کی گنجائش نہیں۔ (۷ اوج ۱۹۶۹ء) کہ پاکستان کی پہلی تائیدی کمیٹی سے منظور کردہ قرارداد معاصد میں یہ اصول انتہائی وضاحت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایک دوسرے مقدمے کے فیصلے (مقدمہ حسین تقی بنام انکوائری ٹیج۔ لاہور۔ 164 PLD 1973 Lahore) میں کہا گیا کہ قرارداد معاصد کوئی دستور سے بالاتر و متجاوز نہیں ہے اور نہ ہی عدالتیں اسے زیر بحث لائے جاسکتی ہیں۔

اسی طرح سپریم کورٹ کے ایک اور مقدمے (مقدمہ ریاست بنام فیاض الرحمن [1973 S.C. 49]) میں جج نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ کوئی بھی مقدمہ دینی دستاویز اگر دستور میں شامل نہیں ہے اور اس کا جزو قرار نہیں پائی تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اسے دستوری دفعات سے بالاتر مقام دیا جائے۔ نیز یہ عدالتیں چونکہ دستور کے تحت و حدود پر مبنی ہیں لہذا انہیں کسی ملوہ اختیار نہیں کہ یہ دستوری کسی شخص کو کسی دینی دستاویز سے متصادم قرار دیں۔ اب چونکہ قرارداد معاصد بھی دستور کا راجعہ ہے، دستور کے اندر درج نہیں، اور اسے دستور کا فعل جزو نہیں بنایا گیا لہذا قرارداد معاصد کی روشتی میں دستوری دفعات کو کچھ یا کچھ نظر انداز نہیں دیا جاسکتا۔

ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ حبیب بینک لیڈنگ بنام محمد حسین [1987 PLD Karachi 612]) میں جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دستور کی دفعہ الف کے ذریعے کتاب اللہ اور نبی کریم ﷺ کی سنت۔۔۔ جو ہر مسلمان کے نزدیک تمام قوانین اور احکام سے بالاتر قانون و حکم کی حیثیت رکھتی ہیں۔۔۔۔۔ دونوں چیزیں اب پاکستان کا بالاتر قانون بن چکی ہیں۔ اللہ

ملک الملک کی حکمرانی جو اپنے وسیع معانی میں اجتماعی، اقتصادی، قانونی اور سیاسی معاملات سبھی پر مشتمل ہے۔۔۔ یہ حکمرانی اب ٹائڈ ایلبل ہو چکی ہے۔ کتاب دست و ستور سے بلا اثر مقتدر کے حال میں اور انہیں دستور اور تمام تر قوانین کی حکمرانی اور ان میں موجود خلاف شریعت چیزوں کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ تر قرار داد مقاصد میں مذکور اصول و احکام اب دستور کا بنیادی اور ٹائڈ ایلبل ہر ذمہ بن چکے ہیں۔ یہ اصول دستور سے بلند تر حیثیت رکھتے ہیں اور ہر وہ قانون جو ان سے متعارض ہوگا اسے ایک طرف پھینک دیا جائے گا کیونکہ ایسا ہر قانون پاکستان میں ملک الملک بجانب عدالت کی حکمرانی اور قرآن و سنت کا بالاتر حیثیت سے مستدام تصور کیا جائے گا۔ جج نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی عدالتوں کو صرف اس کا اختیار حاصل نہیں، بلکہ وہ اس بات کی پابندی بھی ہیں کہ موجودہ قوانین قرآن و سنت کی روشنی میں تفسیر و تادل کریں اور ان میں ضروری ترامیم کرتے ہوئے انہیں نافذ کریں۔

لیکن اسی کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور مقدمے (مقدمہ غلام مصطفیٰ کھر بنام ریاست پاکستان 1988 Lahore 49 PLD 1) میں ججوں نے کہا کہ تر قرار داد مقاصد کو۔۔۔ جیسا کہ در دفعہ الف میں مذکور ہے۔۔۔ دستور کی دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت حاصل نہیں ہے، لہذا اسے دیگر دفعات کو باطل قرار دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر دستور کا ایک حکم دستور ہی کے دوسرے حکم سے ٹکراتا ہو تو یہ لازماً نہیں کہ پہلا حکم دوسرے کو مٹا کر دے۔

ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ حبیب بیگ لیٹلڈ بنام وحید فیروز کس لیٹلڈ 1989 PLD Karachi 371) کا فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا کہ تر قرار داد مقاصد اگر چاہ دستور پاکستان کا اساسی جڑی بن چکی ہے لیکن خود اس کے اندر یہ قوت نہیں کہ یہ قرآن و سنت میں جو دو مقام احکامات کو دستور کا جزو الایک بنائے، اور نہ ہی عدالتوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ کسی قانون کی شرعی حیثیت کو دفعہ الف کی کسوٹی پر پکھنا شروع کریں۔ تر قرار داد مقاصد کو صرف ایک اعلان ہے جو پاکستان کے مقصد کے کوڈ میں لکھا ہے، اسے عدالتوں کے ذریعے نافذ کیا جاسکتا۔

اسی سال ایک اور سے مقدمے (مقدمہ شرف فریدی بنام دفاق اسلامی جمہوریہ پاکستان

1989 Karachi 404 PLD) میں عدالت نے فیصلہ دیا کہ عدالتوں پر لازم نہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ اعلان کریں کہ یہ تر قرار داد مقاصد کے ساتھ نہیں چل سکتا، بلکہ عدالتوں کو تو چاہئے کہ وہ قوانین کی ایسی تشریح کرتے ہوئے فیصلے دیں جس سے ان قوانین اور تر قرار داد مقاصد کے تقاضوں کو باہم جمع کیا جاسکے۔ عدالتوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ دستور کے کسی حکم کو تر قرار داد مقاصد کے خلاف تر قرار دیں۔

پھر اسی سال ایک اور مقدمے (مقدمہ عزیز احمد شیخ بنام انکم ٹیکس آفیسر 1989 PLD C. 613) میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ دستور کی دفعہ ۲۳۲ (۲) (سبکی وہ دفعہ ہے جو کہتی ہے کہ تمام قوانین قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں۔ آئندہ صفحات میں اس پر بحث ہوگی انشاء اللہ) میں مذکور پابندی کا اطلاق ریاستی عہدہ داروں کے فیصلوں پر نہیں ہوتا خواہ وہ عدالتی یا نیم عدالتی محکموں سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر ایسے محکموں سے تعلق رکھتے ہوں جو ملکی طور پر قوانین نافذ کرتے ہیں، برخلاف ان اداروں کے جن کا کام قانون سازی کرنا یا قانون سازی کے اصول وضع کرنا ہے۔ اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دفعہ الف کی بنیاد پر (یعنی تر قرار داد مقاصد کی روشنی میں) ان اداروں کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکیں۔

ایک اور مقدمے (مقدمہ سٹیفن کٹیلر بنام ریاست، 1989 Lahore 499 PLD) میں جج نے ذکر کیا ہے کہ بائی کورٹ خود دستور کی تفسیر اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں دستور کی عملی تفسیر کا کام کرے۔ چنانچہ دستور کے کسی ججز پر چڑھتی تو درکار یہ ہے کہ دستور کے کسی ججز کا اعلان بھی نہیں کر سکتیں، کیونکہ یہ صرف پارلیمنٹ کا کام ہے۔ نیز جج نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی قانون کو تر قرار داد مقاصد کی کسوٹی پر چاچ کر اسلام کے موافق بنانے کی کوشش کرنا عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ ماسو نام جو تینٹو بینک لیٹلڈ 1990 MLD 2340) میں اسی جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دفعہ الف دستور کا ایسا حصہ نہیں جو خود

تلفظی ہو، نہ ہی بالی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کو قرار دے اور مقاصد کے معیار پر جانچنے پر کئے کی کوشش کرے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with
commentary comments on
Article 2 - A p.52 to 54

پریم کورٹ نے دستور کی دفعہ ۲۷ الف سے متعلق 1683 (1990 CLC) --- جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ایسے تمام صدارتی فرامین، پارلیمنٹ لایو، اور دیگر قوانین (جن میں ۱۹۸۵ء کا مشہور اور دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم بھی شامل ہیں) اور ان کے علاوہ ان تمام احکامات و قوانین کو جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نافذ شدہ احکامات و قوانین کے مابین کے علاقہ میں جاری کیے گئے ہیں۔ اسے اپنے فیصلے میں کہا کہ قرار داد، مقاصد میں شامل بنایا اور اصول کھلی ہوئی حضرات کی ترغیب نہیں جو انہیں خوش کرنے کے لئے دستور کے دیباچے میں بھادی گئیں ہوں، بلکہ یہ دستور کا اساسی اور نافذ العمل جزو ہیں۔ ریاست کا کوئی بھی اہلکار اگر قرار دے اور مقاصد کی حدود سے تجاوز کرے تو اس کے عمل کو قرآن و سنت سے ثابت شدہ حدود اٹھی اور تقاضائے شریعت پر پرکھنے کے بعد ان کی مخالفت کی صورت میں غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آئینی احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷ الف کی بنیاد پر چیلنج فرما کر یا کیا گیا ہے اگر یہ بھی اسلام اور قرار داد مقاصد سے متضاد ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ ادا کریں جو انہیں مالک الملک کے قانون اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with
commentary comments on article 227 p.384.

ذکورہ بالا فیصلوں کے نتیجے میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس بات پر بحث کمزور ہو گیا کہ

دستور کی دیگر دفعات کے مقابلے میں دفعہ ۲ الف کی حیثیت کیا ہے؟ اور آیا یہ دفعہ خود بخود نافذ العمل ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف اس وقت اپنی ابتدا پر پہنچ گیا جب لاہور ہائی کورٹ کے سامنے بہت سے فریقوں کی جانب سے اس صدارتی فرمان (صدارتی خطاب نمبر PTNS Islamabad 8/15/88) تاریخ 7/12/1988 کے خلاف درخواستیں پیش کی گئیں جس میں صدر نے دستور کی دفعہ ۲۷ الف سے حاصل شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سزا موت کے ان کے تمام فیصلوں کو بدل ۱۱۱ جو ۶ دسمبر ۱۹۸۸ء تک کوئی وغیرہ فیرونی عدالتوں سے صادر ہوئے تھے۔ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل جسٹس نے ان تمام درخواستوں پر ۱۳ جنوری ۱۹۹۶ کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ:

دفعہ ۲ الف دستور کا ایک فعال جزو ہے۔ کوئی بھی عدالت یہ قدرت نہیں رکھتی کہ اسے نافذ کرنے سے انکار کرے۔ محقر یہ وفاقی شرعی عدالت اس حوالے سے دستور کی دفعہ ۲ الف کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرے گی، جبکہ دیگر عدالتیں باقی قوانین کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کریں گی۔ نیز عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ درج ذیل مقدمات کے حوالے سے یا اعلان کریں کہ فلاں فلاں قوانین قرآن کریم اور سنت محمدی ﷺ سے ثابت شدہ اسلامی تعلیمات کے منافی یا ان کے موافق ہیں۔

اگر سزا میں صادر ہونے کی تاریخ اور صدر پاکستان کے زیر بحث فیصلے کی تاریخ سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اس فیصلہ کی سوال کا جائزہ لیا جائے جو عدالت کو اس وقت درپیش ہے کہ آیا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ الف کی روشنی میں صدر پاکستان ایسے اختیارات کا مالک ہو سکتا ہے کہ وہ موت کی سزا میں تبدیلی کرے۔۔۔ تو کتاب عزیز میں درج قانون قصاص و دیت کی روشنی میں ہمارا جواب نفی کی صورت میں ہوگا۔ لہذا صدر پاکستان کو سزا موت کے احکامات میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ حدود اور قصاص و دیت کے احکامات سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں تبدیلی کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں معافی کا حق صرف ادا کیا نہ مقتول کو حاصل ہوتا ہے۔ جن حالات میں سزا موت کے مذکورہ بالا فیصلے صادر کئے گئے تھے ان میں تو

صدر کو کسی قسم کی معافی یا ترسیم وغیرہ کا حق حاصل نہیں، لہذا اگر حالات اس سے مختلف ہوں مثلاً کسی مجرم کو بطور تکریم کوئی سزا دی جائے تو ایسی صورت میں صدر کو یہ حلف کرنے کا اختیار رہے اور مفاد عامہ بھی اسی میں ہے۔

دفعہ الف کی حیثیت کے حوالے سے یہ فیصلہ باقی تمام فیصلوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ (مقدمہ منظم منان ولد فضل الہی اور دیگر اپنی خاص بنام حکومت پاکستان OF CRI, P. L. A NO. 100 OF 1992)۔ سپریم کورٹ نے اس فیصلے پر کچھ تفسیلات ظاہر کرنے کے بعد یہ تمام مقدمات نظر ثانی کرنے کے لیے دوبارہ لاہور ہائی کورٹ کے پاس بھیجے اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اٹھ سببانوں کی معافی کر دہ دوسرے تجاویز کی بنیاد پر کسی قانون کے بطلان کا اعلان کریں۔

سپریم کورٹ نے یہاں یہ بات بھی کہی کہ اس طرح کسی قانون کو رد کرنا صرف عدالتی نظر ثانی کے بجائے قانون سازی کے لیے عمل کی جانچ پڑتال اور اس پر نظر ثانی کے دروازہ کھل دے گا۔ حالانکہ دفعہ الف میں بیان کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ذمہ داری عوامی نمائندگان پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کا اختیار دیکھتے ہیں نہ کہ عدالتیں۔ سپریم کورٹ کے جج نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا کہ دستور میں دفعہ الف درج ہوجانے کے باوجود بھی اس حقیقت میں کوئی تیرہیلی واقع نہیں ہوتی کہ قراردادوں مقاصد کی منکوری کے تحت اس کا ایک خاص کردار دستور تھا اور وہ یہ کہ قراردادوں دستور بنانے والوں کے لیے ایک روش چرائی گئی تھی اور دستور وضع کرنے کے عمل میں اس کی ترمیمی کر کے گئی، اور دستور سازی کے دوران اعلیٰ ترین مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے گا جو اس میں بیان کئے گئے ہیں۔

(اسی طرح کا ایک فیوٹی مصری کی اپیل سپریم کورٹ نے بھی مصری دستور کی دفعہ ۱۶۵ کی بنیاد پر دیا تھا جو کہتے ہیں کہ عدالتوں کی فیصلے صرف ملکی قانون پر مبنی ہوں گے۔ لہذا کوئی جج خود ساختہ قانون کے بجائے شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں دے سکا۔ اسی وجہ سے جب مصری قاضی (جج) مشیر محمد محمود فراب نے ایک شرابی پر جیسے سر عام نشے کی حالت میں گرفتار کیا تھا، ایسی کوڑوں کا نظم جاری کیا

تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہو سکا اور اسے سنت کے موافق ہونے کے باوجود باطل قرار دیا گیا کیونکہ یہ مصری قانون کے مخالف تھا۔ بلکہ اس فیصلہ کو قاضی محمود فراب کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی بنیاد بناتے ہوئے وزارت عدلیہ کی عدالتی تحقیقات کے ادارے نے انہیں نوٹس جاری کیا جس کا نمبر شمار یہ ہے (۱۹۸۱۔۸۱۔۵) اور اس میں مندرجہ بالا فیصلے کے بطلان کا ثابت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "اس فیصلے پر یہ اعتراض ہے کہ جب یہ قانون قرار پایا جائے کہ نہ صرف قانون کی بنیاد پر ہوگی، اور صرف انہی افعال پر سزا دی جا سکتی ہے جو قانون کی تاریخ نگاہ کے بعد صادر ہوں، اور قوانین میں اس میں تعین کی جا چکی ہیں اور ان سزاؤں میں مذکورہ ملزم کو کوڑے مارنے والی سزا نہیں ہے لہذا یہ فیصلہ خلاف قانون ہوا ہے جس سے یہ فیصلہ باطل ہو جاتا ہے" اور پھر قاضی محمود فراب کو اس فیصلے کے بعد قضاء سے ہٹا کر انتظامی ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔ (اس مقدمے کی تفصیلات کے لئے قاضی محمود فراب کی کتاب: "احکام اسلامیہ اذانیہ للفقہین الوصیہ" کی طرف مراجعت کیجئے)۔

اس ناہنجے جج نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر دستور کی موجودہ دفعات اور انسانوں کے حق قانون سازی پر عائد ہونے والی شرعی حدود کے مابین کوئی تضاد پایا جاتا ہے تو اسے دور کرنے کے لئے وہی اسلوب اختیار کیا جائے گا جس کا تصور دستور کے مضمین اور قرارداد مقاصد منظور کرنے والوں نے پیش کیا تھا، یعنی اس کے لئے قومی اسمبلی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس ملامتو کی جس دفعہ پر اعتراض ہوا اس کی صحیح خود دستور کے بیان کردہ نظام کے مطابق پارلیمنٹ سے اپنی ترسیم کی منکوری کے ذریعے کی جا سکتی ہے، یہ صحیح کرنا عدالتوں کا کام نہیں ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

commentary comments on Article 2-A p:54 to 56

(۲) یہ سپریم کورٹ کی کتاب ہے جس میں اقتباسات تھے جن سے قرارداد مقاصد اور دفعہ الف کے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں تضادات واضح ہوتے ہیں۔ آئینہ طور میں ہم ان فیصلوں پر مختصر تبصرہ کریں گے:

(الف) پاکستان کی بانی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف کے حوالے سے جو تضاد و اختلاف نظر آتا ہے، اولا اصلاحیہ و سیاسی وجوہات سے پیدا ہوا ہے۔ اولا ان دونوں کو وضع کرتے وقت انتہائی مبہم اور پیچیدہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور۔۔۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔۔۔ ان کی عبارت سے یہ بات قطعیّت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی کہ پاکستان میں قانون سازی کا اصل تآخذ شرعی الٰہی ہے، اقتدار اعلیٰ بھی اسی کو حاصل ہے اور اس سے متصادم و مخالف برحق قانون باطل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق و باطل کو قطعاً حاکم کرنے کا آغاز دستور کی ابتدائی طور سے ہی ہو چکا ہے۔ اگر قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف میں یہ بات دوک اور واضح انداز میں درج ہوتی کہ شریعت اسلامیہ قانون سازی کا سب سے اعلیٰ اور واحد آئندہ ہے، کوئی بھی قانون اس سے متصادم نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی قانون یا دستور یا دفعہ اس کے خلاف پائی گئی تو وہ باطل قرار پائے گی۔۔۔ تا کر یہ انداز اختیار کیا جاتا تو مندرجہ بالا جھگڑے اور اختلافات سر سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ تاہنا، دستور بنانے والوں نے صرف اتنا غلبہ ہی نہیں دیا کہ تطبیق شریعت سے مختلف دفعات کو یکساں انداز میں تشکیل دیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دستور میں ایسے دفعات بھی درج کر دیے جو شریعت سے صراحتاً متصادم تھے۔ پس یہ دستور۔۔۔ جو بالواقعہ ان میں بھی کھلا تا ہے۔۔۔ ایک عجیب سے طوطے میں تبدیل ہو کر ججوں کے لئے مزید پیچیدگی کا باعث بن گیا۔

(ب) مذکورہ بالا اختیارات کے حوالے سے پاکستانی ججوں کے افکار و نظریات میں بھی تضادات و اہمالات واضح نظر آتے ہیں۔ شاید یہ بحیثیت جمہوری پاکستانی سائنس سے ہیں یا سے جانے والے انتشار و گمراہی کا بھی عکس ہے۔ اس گمراہی انتشار اور اختلاف آراء کا پایا جاتا اس لئے بھی باعث حیرت نہیں کہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، پاکستان میں ذاتی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شرعیہ مراعات حق کے علاوہ کسی بھی عدالت کا جج بننے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں، نیز شرعی و غیر شرعی کسی بھی حکم کی عدالت کا جج بننے کے لئے عادل (پابند شرع) ہونا بھی لازم نہیں۔

میری رائے میں ججوں کا ایک گروہ دایا ہے جس کے لوگوں میں شریعت کی محبت اور دینی غیرت

کا جذبہ ہے اور وہ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے خواہاں ہیں (یہ محض میری رائے ہے، اور محض اسلامی نقطہ نظر سے) اور میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکی بیان نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ جس اسی جذبے کے تحت انہوں نے قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف کو بلند ترین مقام پر گزرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ اسے دستور سے بھی بالاتر شریعت دے کر یہ بات کرنا چاہا ہے کہ قرآن و سنت ہی پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔

لیکن ان کے اس موقف میں وہ بنیادی کمزوری ہیں:

ایک تو یہ کہ قرارداد مقاصد اور دفعہ ۱۲ الف کی عبارتوں سے ان کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔ دوسری کہ انہوں نے بھی دستور کو ہی مرجع اور معیار تسلیم کیا ہے اور شریعت کی بالادستی ثابت کرنے کے لئے بھی دستور و دفعات سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی مخصوص اور دستور کی نام نہاد اسلامی دفعات میں تین بنیادی فرق ہیں:

(الف) دستور کی اسلامی دفعات اس بات کی محتاج ہیں کہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے متاثرہ کے لئے غالب اکثریت کی تائید سے دستور میں باقاعدہ طور پر درج ہوں، جب کہ انصاف شریعت سے صرف انسانوں کی تائید سے بے غلامز ہیں، بلکہ خدا و انسانوں پر حاکم بن کر اثری ہیں۔

(ب) دستور خود بھی کوئی حاکمیت کا نمائندہ ہے، اور کسی دستور کو بطور دستور تسلیم کیا جاتا ہے جب حکومت اکثریت استعصاب یا عوامی ناخوشگوار کے واسطے سے اسی منظور کی بنیاد پر اس کے برعکس شریعت کا اللہ یا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کی حاکمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کی حاکمیت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے پر استعصاب یا اسے شکاری کرنا قطعاً ناجائز نہیں۔

(ج) پارلیمان کی غالب اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہیں، دستور کی دفعات میں تبدیلی یا ترمیم کر دے، جبکہ شریعت کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

جوں کا دوسرا گروہ اس رائے سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ قرارداد مقاصد

وہ نماز پڑھنے سے انکار کریں تو آپؐ نے جواب دیا:

"وَكُلِّكَ كُلَّ طَائِفَةٍ مَّسْتَمِعَةً عَنْ شَرِيعَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الظَّاهِرِ أَوِ الْبَاطِنِ الْمَعْلُومَةِ ، فَاتَّعِ بِحُجَّتِهَا ، فَوَلِّهَا : فَهَذَا وَلَا تَصْلِيْ فَوَلِّهَا حَتَّى يَهْضُرَ ، وَلَوْ فَالُوا : تَصْلِيْ وَلَا تَزَكِّيْ فَوَلِّهَا حَتَّى يَزَكُوا ، وَلَوْ فَالُوا : تَزَكِّيْ وَلَا تَصَدَّقْ وَلَا تَصَدَّقْ فَوَلِّهَا حَتَّى يَصْصِمُوا رِضْطًا ، وَبِحُجَّتِ الْبَيْتِ . وَلَوْ فَالُوا : تَفْعَلْ هَذَا لَكِنَّ لَا يَدْعُ الرِّبَا ، وَلَا شَرِبَ الْخَمْرَ ، وَلَا الْفَوَاحِشَ ، وَلَا تَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَلَا تَضْرِبَ الْحِزْبِيَّةَ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى ، وَتَحْوِ ذَلِكْ فَوَلِّهَا حَتَّى يَفْعَلُوا ذَلِكْ . كَمَا قَالَ تَعَالَى : ﴿وَلَا تَكُونُوا مِثْلَ الَّذِينَ كَانُوا لِلَّهِ نَاكِهًا وَأَلْحَقُوا بِالنَّاصِرِينَ﴾ وَقَدْ قَالَ تَعَالَى : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَادْنُوا بِحُجَّتِ اللَّهِ وَذَرُوا آخِرَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ ، وَكَانَ أَهْلُ الطَّائِفَةِ أَسْلَمُوا وَصَلُّوا وَجَاهَدُوا ، فَسَبِّحْ اللَّهَ أَنْهُمْ إِذَا لَمْ يَنْهَوْا عَنْ الرِّبَا ، كَانُوا مِنْ حَارِبِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ، رَفَعِي الصَّحَابِيِّينَ أَنَّهُ لَمَّا نَفَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَفَّرَ مِنْ كُفْرٍ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ : كَيْفَ نَقَاتِلُ النَّاسَ ؟ وَفَدَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : «أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَنْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ، فَادْنُوا فَعَلُوا ذَلِكْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ لَا يَضَعُونَهَا عَلَيَّ» فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَلَمْ يَقُلْ : لَا يَضَعُونَهَا عَلَيَّ كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِقَاتِلِهِمْ عَلَيْهِ . قَالَ عُمَرُ : فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ اللَّهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرُ أَبِي بَكْرٍ لِلْفَتَا ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ .

"ہر وہ گروہ جو اسلام کے معلوم حکامات خواہ ظاہری یا خفی میں سے کسی ایک پر علم نہیں پھراوے اسے انکار کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گروہ کہے کہ ہم وصایت الہی اور رسالت نبوی کی کوئی قویہ ہیں لیکن نماز نہیں پڑھیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ

نہیں دیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ دینے لگیں۔ یا پھر وہ کہیں کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن زکوٰۃ دو روزے کبھی گے نہ ہی حج کریں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ رمضان کے روزے کبھی اور بیت اللہ کا حج کریں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے لیکن نہ تو سوچو پڑھیں گے، نہ شرب نوشی و فواحش ترک کریں گے، نہ اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور نہ ہی یہود و نصاری پر ذریعہ ناجور کریں گے تو ان کے خلاف کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ تمام احکام نبھالیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ قتل باقی نہ رہے اور پھر ان کے پورا دین اللہ کے لئے خاص ہو جائے﴾

اور فرمایا: ﴿اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم سوچو جو کچھ سود باقی ہے اسے چھوڑ دو، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عذاب جنگ سن لے﴾

اللہ رب العزت نے سب سے آخر میں حرام قرار دیا اور اہل خانگ کو جو اسلام قبول کر چکے تھے، نماز میں بھی پڑھتے تھے اور جہاد تک کر سکتے تھے خبردار کیا کہ اگر وہ سود سے باز نہ آئے نہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں میں شمار کیا جائیگا۔

خیر صحیحین میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور اہل عرب کی بہت بڑی تعداد دین سے ہجر (کریسمس) ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جبکہ نبی ﷺ یا شاد فرما چکے ہیں کہ:

"مجھے شک ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اگر وہ ایسا کر لیں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں گے، سو اس کے بہت حق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی نے مقرر کیا ہو۔"

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ: "سو اسے اس کے حق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی نے مقرر کیا ہو"۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ وہ ایک ریس بھی جو یہ رسول اللہ ﷺ کو (ظہور زکوٰۃ) دیا کرتے

لئے خالص ہو جائے۔ پس جب تک دین کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لئے ہو، قاتل واجب رہے گا۔ لہذا اگر گمروہ بھی کسی فرض نماز، (رمضان کے) روزوں یا حج پیسے فراہم کر کے یا بھرتیابی خون بہانے، مال لوٹنے، شراب پینے، زنا کرنے، جھگڑیلے، محرم رشتہ داروں سے نکاح کرنے جیسے افعال کی حرمت کا التزام نہ کرے، یا انکار کے خلاف جہاد راہل کتاب پر جریہ مار کر کے یا عجمانی کی پابندی اختیار نہ کرے اور ایسے ہی دیگر دینی واجبات اور عبادت..... جن کا انکار کرنے یا چھین ترک کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، اور جن کے وجہ کار کا انکار کرنے والا فرما دیا جاتا ہے..... جو گمروہ کی مثال ان امور کی پابندی اختیار کرنے سے دیکھ رہے ہوں اس کے خلاف قاتل کیا جائیگا چاہے وہ اس کے وجہ کار اتر ہی کیوں نہ کرے۔ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس گمروہ کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جو بعض سنتوں کے ترک پر دوام اختیار کرے، مثلاً جو فحری روشتی، اذان، اقامت اور ایسے دیگر شعائر یکسر ترک کرے (یا ان علماء کے نزدیک جان اہل کفر کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں)۔ پس ایسے گمروہ کے خلاف قاتل کرنے میں نہ کرنے کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ بالا واجبات و غیرہ کی پابندی ترک کرنے والوں کے خلاف قاتل پر تو کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔“

(مجموع الفتاویٰ لابن قیمہ ۴/۲۵۶)

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے کے متعلق پوچھا گیا جو طاقت و قوت رکھنے کے باوجود شرعی احکامات قائم نہیں کرتا کیا ان کے خلاف قاتل جائز ہے تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

نعم۔ يجوز؛ بل يجب باجماع المسلمين قتال هؤلاء وأمثالهم من كل طائفة معتنة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة المتواترة؛ مثل الطائفة المعتنة عن المصلوات الخمس أو عن الزكاة المفروضة إلى الأحناف الثمانية۔ التي سماها الله تعالى في كتابه۔ أو عن صيام شهر رمضان أو الدين لا يمتنعون عن سفك دماء المسلمين وأخذ أموالهم أو لا ينحاضون بينهم بالشروع الذي يبعث

اللہ بہ رسولہ، کما قال أبو بکر الصديق وسائر الصحابة رضی اللہ عنہم ہی مامیہ الزکاة، وکما قاتل علی بن ابی طالب وأصحاب النبی ﷺ الخوارج۔“

”جی ہاں! جائز ہے، بلکہ اس پر جو مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ اور ایسے دیگر گمروہ جو اسلام کے کسی ایک بھی متواتر اور واضح حکم کی ادائیگی سے رکے ہیں، ان کے خلاف قاتل واجب ہے۔ مثلاً وہ گمروہ جو پانچ فرض نمازیوں یا روزہ نہ کرے، یا قرآن حکیم میں مذکور (زکوٰۃ کی) آٹھ مدت میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے ہاتھ کھینچ لے، یا رمضان کے روزے نہ رکھے، یا وہ گمروہ جو مسلمانوں کا حق خون بہانے اور مال لوٹنے سے نہ چرکے یا جس شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، اسے اپنے باہمی فیصلوں میں حکم نہ بنائے..... تو ایسے گمروہ سے قاتل کیا جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں زکوٰۃ کے خلاف قاتل کرنے کا مؤقف اختیار کیا، اور جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب نبی رسولان اللہ علیہم اجمعین نے انھیں زکوٰۃ سے قاتل کیا۔“

(مجموع الفتاویٰ لابن قیمہ ۴/۲۹۶)

دوسری فصل

دستور کی دلچسپی

اسلامی طرز زندگی

دستور نے دنیا کو ”اسلامی طرز زندگی“ کا عنوان دیا ہے، جس کی عبارت کچھ یوں ہے:

۱۔ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی کچھ چیزیں سیکھانے کے لیے اقدامات اٹھائیں جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مضمون سے روشناس ہو سکیں۔

۴۔ مسلمانان پاکستان کے حوالے سے ریاست مندرجہ ذیل امور کی کوشش کرے گی۔
(الف) قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، بنیادی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس کے لیے مہارت کیم، بیچکانا، اور قرآن کریم کی صحیح تفسیر، مکتبہ طاعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

(ب) اتحاد و اتفاق اور اسلام کے اخلاقی بنیادوں کی ترویج و ترویج۔

(ج) زکوٰۃ (عشر)، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا۔

اصل عبارت یوں ہے:

Islamic way of life

31. (1) "step shall be taken to enable the Muslim of Pakistan individually and collectively.

To order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.

(2) The state shall Endeavour, as respects the Muslim of Pakistan.

(a) To make the teaching of the holy Quran and Islamic compulsory to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and publishing of the Holy Quran .

(b) To promote unity and the observance of the Islamic

moral standards, and

(c) To secure the proper organization of Zakat [usher] auqaf and mosques. [PART II Fundamental right and principles of policy CHAPTER 2 PRINCIPLES POLICY Article 31]

جب ہم اس فقہی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو ان میں سے اہم ترین عبارت یہ معلوم ہوتی

ہے:

"پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی مہبتیں سہا کرنے کے لیے اللہ امات اٹھائیں جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں۔"

اس عبارت کی تبادلت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(الف) یہ محض ایک وعدہ ہے

یہ فعل ایک وعدہ ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے۔۔۔ بقول فقہاء ۲۱۔۔۔ ریاست پاکستان کی جانب سے "مقررہ" اللہ امات اٹھائے جائیں گے اور یہ بات تو معروف ہی ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنا شروع کروں گا، یا میں نماز قائم کروں گا، یا میں زکوٰۃ ادا کروں گا تو محض اس وعدہ کی بنیاد پر اسے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا یا نماز قائم کرنے والا یا زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ طرحہ ریشی بہت دفعہ ۲۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ بھی ان تقریرات اور وعدوں میں سے ہے جو دستور نے امت کے ساتھ طے کیے

ہیں۔"

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With

Commentary, preliminary, 1965 constitution p.30.

اسی طرح دفعہ ۱۹ سے ۳۰ تک کی تمام دفعات پر تبصرہ کرتے ہوئے پرنسپل ریفٹ نے کہا:

"دفعہ ۱۹ سے ۳۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی تشریحات رکھتے ہیں، ایسے قوانین کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے نہ ہی کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں علوانہ کر سکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جز کے طور پر نہیں دیکھیں گے۔ غرض کے لیے اپنے دائرہ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لیے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے۔"

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with

commentary comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF

PAKISTAN Article 29—40 p. 108

یہی دفعہ کم و بیش اسی صورت میں ۱۹۵۶ء

PAKISTAN 1973 with commentary preliminary, 1965

(constitution. p. 30) کے دستور میں بھی موجود تھی اور پچاس سال سے زیادہ عرصہ بیت جانے

کے باوجود وہی یہ تمام وعدے دنیا کے منتظر ہیں!

(ب) سبکدوشی

اسی طرح دفعہ ۳۱ کی عبارت میں "احکامات اسلام" جیسی واضح اصطلاح چھوڑ کر "اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی قیودات" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ کی اساسی اصولوں اور بنیادی قیودات مثلاً بیع، انصاف، ایقانہ عمل، امانت، پاکیزہ خیال، نیکو فرائض، پیر اور قلم کے خلاف مزاحمت وغیرہ تو اسلام اور دیگر شریعتوں میں مشترک امور پائے جاتے ہیں۔ اصل فرق تو احکامات کے ذیل میں ہے، جہاں اسلام باقی شریعتوں سے یکم مختلف ہے۔

(مصری دستور کی دفعہ ۲ میں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"شریعت اسلامی کے مبادی ہی قانون سازی کا اساسی مصدر ہوں گے" حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ "شریعت اسلامی کے احکام ہی قانون سازی کا واحد مصدر ہوں گے۔"

تیسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۸

سود کا خاتمہ

دفعہ ۳۸ کی عبارت کہتی ہے کہ:

"عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے

گا۔"

اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the

people 38 The state shall-

(f) eliminate riba' as early as possible (PART II

CHAPTER 2 - PRINCIPLES OF POLICY Article 31

یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، اس وعدے کے پچاس سال بعد بھی پاکستان میں سودی

نظام زور و شور سے جاری ہے۔

(باب دوم، فصل دوم، دوسرا آئین، دفعہ ۲۷ الف)۔

بٹھائے۔ اس سے یہ حق حقیقت کھل کر سامنے آئے ہیں کہ پاکستان میں بیک وقت دو عدالتی نظام رہے ہیں۔ ایک عاجز کمزور اور ناقص اختیارات کا حامل نظام جو وفاقی شرعی عدالت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسرا دو سکاڑہ عدالتی نظام جو پاکستان کی باقی تمام عدالتوں میں جاری و ساری ہے۔

راہنہ اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو دس سال کی مدت کے لیے ہر قسم کے مالی قوانین، محصولات کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلق قوانین، یا بینکاری اور ہمسے کے محل اور اس کے طریقہ کار سے متعلق قوانین پر بحث کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ پابندی اسب کی جاری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ امر تو بہر حال ایک حقیقت ہے کہ سود اور سودی احکامات و قوانین آج بھی پاکستان میں رائج ہیں۔ نیز یہ بات بھی کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت پر لگائی گئی اس پابندی کا اصل فائدہ پاکستان کے حکمران طبقہ کو پہنچتا ہے، جو اس زرے سے اپنی مالی بدعنوانیوں پر وہ ڈالنے، اپنی حرص وطمع پوری کرنے اور اپنے داخلی دمار جی لین، دین کو مکمل تحفظ دینے کا متبعی ہے۔

(ب) وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی جانے والی خامیاں

(203C. The Federal Shariat Court) میں وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل پر بات کی گئی ہے۔ C۔ دفعہ ۲۰۳

203-----

(2) The Court shall consist of not more than eight Muslim Judges, including the Chief Justice, to be appointed by the president.

(3) The Chief Justice shall be a person who is, or has been, or is qualified to be Judge of the Supreme Court or who is or has been a permanent Judge of a High Court

(3A) Of the Judges, not more than four shall be persons each one of whom is or has been or is qualified to be Judge of : High Court and more than three shall be Ulema who are well-versed in Islamic Law.

(4B) The president may, at any time, by order in writing

(a) modify the term of appointment of a Judge;

(b) assign to a Judge any other office; and

(c) require a Judge to perform such other functions as the president may deem fit; and pass such other order as he may consider appropriate.

(7) before entering upon office the Chief Justice and a Judge shall make before the president or a person nominated by him oath in the form set out in the third Schedule.

[PART VII the Judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203*]

ذیل میں اس دفعہ کے مندرجات پر اٹھنے والے اعتراض درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) اس دفعہ کی شق ۳ اور شق ۴ الف میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں کی

الہیت پر بات کی گئی ہے اور شرائط الہیت میں "مادل" (پابند شرع) ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ

اس شرط پر تو ہوا اختلاف تمام علماے امت کا اجماع ہے۔ بس ایک تو جنوں کی تینیں میں ہی شریعت کا ذکر وہ شریعت کی طاقت کی گئی ہے، اور پھر اس بات کا اندازہ کرنا تو زیادہ مشکل نہیں کہ جب غیر ماہل جنوں کو عدالت میں شامل کر کے انہیں قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا جائزہ لینے پر مامور کیا جا چکا تو اس سے کس قدر بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس پر سترادہ کی ایک دفعہ کی شق ۲ نے شرعی عدالت کے جنوں اور چیف جسٹس کے تینوں کا اعتبار صدر مملکت کو تفویض کیا ہے۔ بس جب شرف و زور داری جیسے لوگ شرعی عدالتوں کے جج جیٹس (جج جج بنے کے لیے عادل اور نامہ بھی لازم نہ ہو) تو ہر شخص خودی سوچتا ہے کہ ایک "شرعی عدالت"، کیسے ظلم و فساد کا باعث بنے گی؟

(۲) اسی دفعہ کی شق ۳ میں صدر مملکت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ جنوں کے تینوں کی ٹرڈا مقرر کرے، یا جج کو کوئی دوسرا منصب سنبھالے یا منصب قضاء کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر ذمہ داریاں بھی اس کے حوالے کر دے۔ اس شق پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ تاہم شرعی عدالت سے متعلق صدر پاکستان کو۔۔۔ شرف و زور داری جیسے دین سے جا مل لوگوں کو۔۔۔ شرعی عدالت سے متعلق اس قسم کے دستخط اختیار دے دینے پر کیا یہ عدالت محض ایک مذاق نہیں بن جائے گی؟ نیز اس شق پر تفصیلی تبصرے سے میں اس لیے بھی گریز کروں گا کہ اس کتاب میں میرے پیش نظر محض دستور میں موجود بنیادی شرعی خالفتوں پر توجہ دلا تا ہے، مگر مذاکر میں ان حیلہ بازیوں کی تفصیل میں جاؤں تو یہ کتاب انتہائی مختصم ہو جائے۔

(۳) اسی دفعہ کی شق ۴ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور جنوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے منصب پر فائز ہونے سے پہلے صدر مملکت یا اس کے نمائندے کے سامنے حلف اٹھائیں۔

اس حلف کی اصل عبارت یہ ہے:

[CHIEF JUSTICE] OR 3 [JUDGE OF THE FEDERAL SHARIAT COURT

(In the name of Allah, the most beneficent, the most Merciful.)

I, _____, do solemnly swear that as the Chief Justice (or Judge) of the Federal Shariat

Court, I will discharge my duties, and perform my functions honestly, to the best of my ability and faithfully, in accordance with law; and that I will not allow my personal influence my official conduct or my official decision

May Allah Almighty help and guide me (A'meen)

اس حلف میں مذکور شریعت کا ذکر ہے، مذہبی قرآن و سنت کا، بلکہ جج اور چیف جسٹس صرف اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پاکستانی قانون کے مطابق ادا کریں گے۔ اس حلف میں حلف دہندہ جو ذیل نمایاں فرمایاں پاتی جاتی ہیں۔

اولاً کوئی مسلمان کسی ایسے قانون کی پابندی کا حلف کیسے اٹھا سکتا ہے جو شرعی خالفتوں سے ٹھہرا ہوا ہے؟ کیا شرعی عدالت اسی لیے نہیں بنائی گئی کہ قانون کو شرعی خالفتوں سے پاک کیا جائے؟ نہیں یہ حلف اٹھانا شرعاً حرام ہے۔

ثانیاً یہ حلف خود ہی ایک قصا کا مظہر ہے کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ایک جج سے قانون کی صحیح دورستی کا مطالبہ بھی کیا جائے اور اسے قانون کا پابند بھی بنادیا جائے؟

(ج) وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرہ کا مختلف ہونے کا نتیجہ دفعہ ۳۰۳ G کے مطابق سپریم کورٹ سمیت کوئی بھی عدالت یا ٹریبونل نہیں رکھیں کہ وہ کسی ایسے معاملے کی نسبت کاروائی پر غور کرے یا اپنے اختیارات یا اقتدار ساعت استعمال کرے جو

وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار یا اختیار ساعت میں داخل ہو۔

پاکستانی عدالتوں نے اس دفعہ سے ناچائز قائمہ اٹھاتے ہوئے بیٹکوں کے قوانین پر کیے گئے اعتراضات کو رد کیا مثلاً جسٹس جعفر ایکٹ کی شق "Suo"۔۔۔ جس میں مارک اب کے متعلق بات کی گئی ہے۔۔۔ کے خلاف اپیلی کو رد کرتے ہوئے عدالتوں نے جو دلائل پیش کیے ان میں درج ذیل امر بھی شامل ہے:

۱۔ مدعی کے لیے کہ مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی لے جانا ممکن ہے۔ (2001 CLC 158)

۲۔ دستور کی دفعہ 304 کے مطابق شرعی عدالت کے علاوہ کسی بھی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ پاکستانی قوانین اور شرعی احکامات کے مابین تنازعہ کا جائزہ لے۔ (2001 MLD 577, 2001 YLR 1135, 2001 YLR 38, MLD 1996)

حالانکہ جن عدالتوں نے مذکورہ دلیل کی بنیاد پر ان قوانین کا جائزہ لینے سے انکار کیا ان کا فرض بنتا تھا کہ بذات خود اس مقدمہ کو شرعی عدالت کی طرف بھیجیں اور سووی معاملات کی اجازت دینے اور احکامات سے بھاگنے کے بجائے اپنے فیصلے کو شرعی عدالت کا فیصلہ آنے تک مؤخر کریں، کیونکہ یہ مقدمہ محض مدعی کے ذاتی مسئلے تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس میں کرائسوں کے تباہ کن شرعی حیثیت سے متعلق ایک عمومی اور اصولی سوال اٹھایا گیا تھا۔

یہاں میں آپ کی توجہ سابق صفحات میں مذکور سرنہ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی طرف بھی مبذول کرنا چاہوں گا جس میں نج نے یہ کہا تھا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کے شرعیت سے سوشل یا مقامی ہونے کا جائزہ لیں، (مقدمہ سبیبہ بینک لمیٹڈ، نام محمد حسین (PLD Karachi 612 1987 ص 13) جنوری ۱۹۹۲ء کو سارہ کردہ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل بینل کا وہ فیصلہ بھی ذہن نشین رہے جہاں۔۔۔۔۔ صدر مملکت کی طرف سے ہزارے موت کے احکامات میں تبدیلی کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ۔ باتے ہوئے۔۔۔۔۔ یہ کہا گیا تھا کہ شرعی عدالت کے

باجو ساتھ تمام باقی کورٹ بھی اپنے دائرہ اختیار یا جس پاکستانی قوانین و شریعت کے خلاف جواز لے سکتے ہیں۔

(۳) یہ دلیل بھی اختیار کی گئی کہ ماضی میں ہونے والے نئی چیونگ کے ان معاملات کا سبب باجو دیکھا ممکن نہیں، یہ نئے عدالتی فیصلہ مستقبل کے لئے سویشہ ہوتا ہے، پس جو معاملات اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہوں وہ پاکستانی قانون میں انہیں جرم نہیں قرار دیا گیا، ان پر عدالتی فیصلے اثر انداز نہیں ہوتے۔ (2001 CLC 158)

مجم دوسرے باب کی دوسری فصل میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ دستور پاکستان کا یہ اصول خلاف شریعت ہے اور اہل اصول کا شطر اہل استعمال کرتے ہوئے پاکستان میں آج تک مودی معاملات کو رد قرار رکھا گیا ہے۔

زیر بحث مقدمے میں بھی دافریقہ ج کے سامنے حاضر ہیں جن میں سے ایک اپنے شرعی حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن جج شرعی مخالفت کا ارتکاب نہ کرنے والے فریق کے حق میں فیصلہ سنا رہا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ جب تک کسی شرعی مخالفت کو قانوناً جرم نہ قرار دے دیا جائے اس وقت تک اس کا ارتکاب جائز اور حلال ہوتا ہے۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا اس جج کو "جہالت" کا عذر دیا جاسکتا ہے؟ کیا اسے شک ہے کہ قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی اس کو سوام قرار دے دیا تھا؟ کیا ایک ہادی اصول کی تطبیق کے رد پر شرعی مخالفتوں کو جواز بخشنے والے اس جج کو کھل اس بنیاد پر معافی مل سکتی ہے کہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں ائمہ اراہلی شریعت کا حاصل ہے؟

الغرض یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں ایک طرف پاکستان کی تمام عدالتیں اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ سووی لین وین اور خلاف شرع ہے، وہیں انہی سب عدالتوں نے مختلف جیلے بہانوں سے سووی لین وین کو کم از کم جواز بخشا ہے اور سوڈو باطل قرار دینے والے قوانین بھی منظر کر رکھے ہیں۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

(commentary, comments on article 203G, P, 354 & 355.

(د) دیگر عدالتوں کی نسبت دہائی شرعی عدالت کی کم تر حیثیت

دفعہ 203H کہتی ہے کہ کسی عدالت میں چلنے والی قانونی کارروائی اس فیصلہ پسند یا عمل نہیں کیا جاسکا کہ وہاں زیر بحث مقدمہ سے کا تعلق کسی ایسے قانون سے ہے جس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے شرعی عدالت بھی اسی رائے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ صرف ان مقدموں کی استقامتوں کے مطابق جاری رہے گی بلکہ رائج اقدار قانون کی کارروائی میں مقدمہ کے فیصلہ بھی نہ لیا جائے گا۔ اسی طرح تہ شرعی عدالت اور دہائی میں یہ کہ کورٹ یہ اختیار رکھتی ہے کہ شرعی عدالت کے امور کارروائی میں شامل امور سے متعلق کوئی مقدمہ ماتر دیگر عدالتوں میں جاری ہوں تو ان کے حوالے سے دہائی عدالت یا دہائی عہدہ کی حکم صادر کر سکے۔

اصل مہارت لاں ہے:

Pending proceedings to continue, etc.

203H (1) subject to clause (2) nothing in this Chapter shall be deemed require any proceedings pending in any court tribunal immediately before the commencement of this Chapter or initiated after such commencement to be adjourned or stayed by reason only of a petition having been made to the Court for a decision as whether or not a law or provision of law relevant to the decision of the point in issue in such proceeding is repugnant to the Injunctions of Islam; and all such proceedings shall continue, and the point in issue therein shall decided in accordance with the

law for the time being in force

(3) Neither the Court nor the Supreme Court shall in the exercise of its jurisdiction under this chapter have power to grant an injunction or make any interim order in relation to any proceedings pending in any other court or tribunal [PART VII the judicalure, CHAPTER 3A. FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203 H]

یعنی خود پاکستانی دستور اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پاکستان میں دو قسم کے عدالتی نظام قائم ہیں۔ ایک تو برائے اصل اور غالب نظام ہے جو بنیاد پر شرعی عدالت جس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ دوسرا ایک تابع کمزور اور کم تر نظام ہے جو شرعی عدالت کی صورت میں جاری ہے۔ کہہ کہ بظاہر یہ شرعی عدالت اس لیے تشکیل دی گئی تھی کہ پاکستانی قوانین کی شریعت کے موافق بنایا جائے، لیکن اس کی تشکیل کو پچیس سال گزرنے کے باوجود بھی پاکستان میں غیر شرعی قوانین مسلسل بڑھتے اور پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک جانب تو شرعی عدالت اور دوسرے کورٹ کو دیگر عدالتوں میں چلنے والے ایسے مقدمہ مات میں مداخلت سے روکا گیا ہے جہاں شرعی عدالت کے دائرہ کار میں شامل امور زیر بحث ہوں جبکہ دوسری جانب دستور کی دفعہ 182 الف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر عدالت مصلحت سمجھے تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر کسی بھی ہائی کورٹ میں جاری مقدمہ سے کوئی دوسرے ہائی کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے۔

اصل مہارت یوں ہے:

Power of Supreme Court to transfer cases

186A The Supreme Court may, if it considers it expedient to do so in the interest of Justice, transfer any case appeal or other proceedings pending before any Court to any other High Court [PART VII The Judiciary CHAPTER 2 -THE SUPREME COURT OF PAKISTAN Article 186A]

یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے مطابق یہ ہم کو کورٹ آف سسٹم کے تحت ایک بائی کورٹ میں جاری مقدمہ کو دوسری کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے، لیکن اسے اس بنیاد پر کسی مقدمے کی کارروائی رکھانے کا اختیار نہیں کہ مقدمہ ایک خلاف شرع قانون یا شرائط خلاف قانون کے مطابق چل رہا ہے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں وفاقی شرعی عدالت کو ایک متمیز و زیر دست حیثیت حاصل ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نو انجین کے شرعاً متنازعہ دوسرے بنیاد پر عدالتی کارروائیاں روکی جائیں تو پھر عدالتی نظام ہی معطل ہو کر رہ جائے گا اور لوگ اس چیز کو عدالتی کارروائیوں میں خلل ڈالنے کا ذریعہ بنالیں گے۔

اس شبہ کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اولاً یہ اعتراض اس وقت کیوں نہیں کیا گیا جب پاکستانی دستور نے پرہیز کو یہ اختیار دیا کہ وہ مصلحت انصاف کے پیش نظر کسی بائی کورٹ میں جاری مقدمہ کو دوسری بائی کورٹ میں بھیج سکتی ہے؟

ثانیاً یہ ریاست پاکستان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ شرعی عدالت کو اپنے تاقص و عاجز اختیارات کے ساتھ وجود میں آئے پچیس سال گزر چکے ہیں۔ اگر پاکستانی حکام، اقتدار اسلامی قوانین کے نافذ میں مخلص ہوتے تو اسے عرصے میں وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات کی بنیاد پر قوانین پاکستان پر نظر مانی

اور ان کی تصحیح ہو چکی ہوتی۔ لیکن سکران طبقہ یہی چاہتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک غیر فعال نمائندگی ادارہ بنا کر رکھیں جس کا واحد مقصد یہ ہو کہ اس عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی شرعی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا رہے۔

(د) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت کی گرفت سے قانونی تحفظ حاصل ہے

گزشتہ سلی میں ہم ان دستوری دفعات پر تفسیر بحث کر چکے ہیں جو بہت سے مقدمہ تاقص و عاجز ادارہ احکامات کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ (باب دوم، فصل دوم، دوسرا تاقص) نیز صدر پاکستان کو سب آئین معاف کرنے کا جو اختیار حاصل ہے (باب دوم، فصل دوم، تیسرا تاقص) اس پر بحث کے دوران بھی ہمارے سامنے ایسے بہت سے تصرفات احکامات تو آئین صدیقی فرامین اور قواعد و ضوابط کی مثالیں گزری ہیں جنہیں کسی بھی شرعی، غیر شرعی عدالت میں پہنچ نہیں کیا جاسکتا۔ ساری بحث قدرے تفصیل کے ساتھ گزرتی ہے لہذا یہاں محض اس کی سمت اشارہ دینے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

خلاصہ کلام

وفاقی شرعی عدالت سے متعلق دفعات -- جن پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کر چکے ہیں -- کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عدالت کے اختیارات انتہائی محدود ہیں اور دیگر ملکی عدالتوں کی نسبت کم تر اور زیر دست ہے اور یہ پاکستانی نظام کو اسلام کے مطابق اٹھانے کی قوت سے محروم کر رہا ہے۔ اسی طرح اس کے دعوں کے لیے بھی اہمیت تھا کہ شرعی شرائط مقرر نہیں کی گئیں۔ نہ ہی اس کا جج بننے کا حلف شریعت کے مطابق ہے۔ اس پر ہمسرا یہ کہ دستور کے مطابق صدر پاکستان شرعی عدالتوں کے جنوں کے ساتھ ہر قسم کے مکمل تاقص و عاجز رہتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ ساری بحث چاہے کہ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے جو کہہ کیا -- کہ یہ ادارہ پاکستانی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کا ضرور عاجز ہے اور ملک کے عدالتی نظام میں بھی اسے زیر دست حیثیت حاصل ہے۔۔۔۔۔ یہ سب باتیں ایک ہی باتیں

یہ کہ اس وقت کی جانب یہ اسلام قدم ہے، پھر آپ یوں اس پر اعتراض کرتے ہیں، اس شخص کو ہم جواباً کہیں گے کہ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ ہمارے اعتراض کو انہیں سے مخالف شرع ہونے کی نشاندہی کہ انہیں تو اعتراض اس بات پر ہے کہ۔

(۱) فوقی شرعی حالات۔ وادوا پاکستانی نظام سے اسلامی دوسنے قی دہل کے طور پر پیش کیا جائے۔

(۲) اسے جہت نامہ کرنا جائے کہ پاکستان میں اسلامی احکام کی تمام کوششیں نظام سے دائرہ، دیکراہ، دستور و قانون کی پابندی کرتے ہوئے کی جانی چاہیے ہیں۔

(۳) اسے ان لوگوں کے خلاف دہلی بنایا جائے جو اسلام سے باقی اس نظام کے خلاف زبان و عمل سے برسرِ پیکار ہیں۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے میں ایک مثال کے ذریعے اپنی بات کو سمجھانا چاہوں گا۔ پاکستان کی مثال ایک ایسے مریض کی ہے جسے سرطان جیسا موزی مرض لاحق ہوا اور دھریں ملت تکلیف میں مبتلا ہو۔ ایسے میں ایک شخص اسے ڈیپرین کی کولی دے اور جب کوئی دوسرا شخص اس ملائی پر اعتراض کرے تو پہلا شخص کہے کہ تم مجھ پر تنقید کیوں کر دے ہو جبکہ میں مریض کی تکلیف کم کرنے کی کوشش ہوئی؟ تو دوسرا شخص اسے کہتا ہو کہ مجھے تمہارا دھریں دینے پر اعتراض نہیں، بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ تمہارا خیال میں ڈیپرین دینے سے اس کی تکلیف اور ہو جائے گی یا سرطان جیسا مہلک مرض ٹھیک ہو جائے گا؟ اور یہ ناقص فہم رکھتے ہوئے انہیں تم بھی عوامی املاک میرا مطالبہ تو صرف اتنا ہے کہ اس موزی مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینک بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا اور یہ ٹھوس علاج بہر حال صحت اور جہاد مانگے گا۔

میں بھی فرق ہے ہمارے اور ان لوگوں کے موقف میں جو جڑی کی تہلیل کے ذریعے پاکستانی نظام کا علاج کرنا چاہتے ہیں، جبکہ مہلک امراض اس نظام کی جڑوں تک اترے ہوئے ہیں۔

پانچویں فصل

دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام، دفعہ ۱۴۳ تا ۲۳۱

دستور کے حصہ نہم میں "اسلامی احکام" عنوان تکاملی، تعلیمات، دینی کی ہیں جن پر ہم اس فصل میں تبصرہ کرنا چاہیں گے

الف۔ دفعہ ۱۴۳

یہ اس حصے میں غلط اہم ترین، اندھے جس میں درج ہے کہ۔

"تمام سہ، جز، و قوانین و قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے" داخلی بنایا جائے گا۔ اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو ان احکامات کے خلاف ہو۔"

اصل عبارت یہ ہے:

227 provisions relating to the Holy Quran and Sunnah
227 (1) All existing laws shall be brought in conformity with the injunction of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah in this part referred to as the Injunctions of Islam and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunctions

[Explanation-in the application of this clause to the personal law of any Muslim sect the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted the sect]

(2) effect shall be given to the provisions of clause (1) only in the manner provided in this part .

تک وہ عملاً شریعت کی حاکمیت قائم نہ کر لے۔ جن تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا رُبَّكَ لَا يُلَاحِظُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمَ لَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيهِ اٰتِیٰہِمْ حَرِّجًا مِّمَّا قَضٰیٰہِمْ وَیَسْلُبُوْا نَسْلَہِمْ﴾ (النساء: ۶۵)۔

”تمہارے یہ امر، کہ ان کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور ہر فیصلہ تم کرواں سے اپنے دل میں تلقی نہ کریں بلکہ ان کے دشمن سے ان کیس جب تک یہ ہوسکتی ہیں ہر گز نہ“

(۲) اسی طرح میں تحت ہوں کہ دستور نویسوں نے انجمنی بدعتی کی مظاہرہ کرتے ہوئے

دفعہ ۲۲۷ میں صرف ”قوانین“ کا ذکر کیا ہے اور ”دستور“ کے دالے سے ایک حرف بھی نہیں نکھا، حالانکہ خود دستور بھی خلاف شرع فیوض پر مشتمل ہے، جیسا کہ پاکستان کی عدالتیں بھی بعض دستور کی دفعات کے حوالے سے اس امر کا اقرار کرتی ہیں۔ گویا دفعہ ۱۳ میں پائے جانے والے خلاف شرع امور پر گرفت نہیں کر سکتیں، حالانکہ پاکستانی قوانین میں پائے جانے والے شرعی انحرافات کی بڑ تر خود دستور ہے۔ لہذا یہ دفعہ بھی دستور پاکستان میں موجود باقی حصوں کی طرح کا ایک وعدہ ہے، خود دستور جس کی گرفت سے مستثنیٰ ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دستوری دفعہ کے ذریعے پاکستانی نظام اپنی موجودہ ہیئت سے بدل کر حاکمیت شریعت پر قائم ایک خالص اسلامی نظام بن جائے؟

ب۔ اسلامی نظریاتی کونسل

اصل نام یہ ہے: (Council of Islamic Ideology)

اس فعل کی باقی، دفعات (۲۳۱ تا ۲۳۸) میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور ذمہ داریوں

پر بحث کی گئی ہے۔ اس کونسل کے ارکان کا تئیس صدر نمک کرتا ہے۔ ذمہ ۱۱۳ اس کونسل کی ذمہ داریوں پر بحث کرتی ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اصل عبارت یوں ہے:

Functions of the Islamic Council

230 (1) The functions of the Islamic Council shall be –

(a) to make recommendations to Majlis-e-Shoora (parliament) and the provincial Assemblies as the way and means of enabling and encouraging the Muslim of Pakistan to order their lives individually and collectively in all respects in accordance with the principles and concepts of Islam as enunciated the Holy Quran and Sunnah

(b) to advise a House a provincial assembly the president or a governor on any question

Referred to the Council as to whether proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam

(c) to make recommendations as the measures for bringing existing laws conformity with the Injunction of Islam and the stages by which such measures should be brought into effect and

(d) to compile in a suitable form for the guidance of Majlis-e-shoora (parliament) and the provincial Assemblies, such Injunction of Islam can be given legislative effect

(2) when under Article 299 a question is referred by a House a provincial assembly, the president or a Governor to the council the council within fifteen days thereof, inform

the House the Assembly the president or the Governor as the case may be of the period within which the council expects to be able to furnish that advice

(3) where a House a provincial assembly the president or the Governor as the case may be considers that in the public interest the making of the proposed law in to which the question arose should not be postponed the advice of the Islamic Council is furnished the law may be made before the advice is furnished.

Provided that where a law is referred for advice to the Islamic Council and the council advises that the law is repugnant to the Injunctions of Islam the House or as case may be the provincial Assembly the president or the Governor shall reconsider the law as made

(4) The Islamic council shall submit its final report within seven years of its appointment and shall submit an annual interim report. The report interim or final shall be laid for discussion before both Houses and each provincial Assembly within six and months of its receipt; and Majlis-e-eShoora (parliament) and the assembly after considering the shall enact laws in respect therefore within

a period of two year of the final report.[PART IX Islamic provisions Article 230]

یہ فیصلہ فوقی اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے سفارشات پیش کرے۔ جس میں اس بات کا اہتمام اور وسائل پیش کیے جائیں گے۔ دو پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کے اسلامی مسائل کے سامنے ایسا سامنا اور بنیادی ضرورت کے مطابق مرتب کرنے کے لئے کافی ہو سکیں۔ یہ فیصلہ بعد ازاں خود بعد ازاں میں درج ہے۔ اسی سے مشروط پالیسی میں یہ وعدہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھا۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with
commentary 1965 constitution P.30

ہیو کونسل کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی تجویز قانون کے اسلامی تعلیمات کے خلاف یا مخالف ہونے کا سوال اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کونسل فوقی یا صوبائی اسمبلی، ممبرانکلیت یا گورنر کو اس کے بارے میں مشورہ دے۔

ہیو کونسل کی ذمہ داری ہے کہ تمام رائج الوقت قوانین کا جائزہ لے کر ایسے مسائل تجویز کرے جن کے ذریعے انہیں شریعت کے موافق بنایا جاسکے اور دوسرا ضابطہ بھی مقرر کرے جن میں ان تجاویز پر عمل درآمد ممکن ہو سکے۔

یہ ایسی اسلامی تعلیمات جنہیں قوانین کی صورت میں نافذ کیا جاسکتا ہے، انہیں موزوں شکل میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لیے پیش کرے۔

ہیو کونسل اپنے آغاز کے بعد سات سال کے اندر اندر اپنی حق رپورٹ پیش کرنے کی پابند ہوئی، البتہ ساتھ ساتھ عبوری رپورٹ بھی سالانہ بنیادوں پر پیش کرے گی۔ پھر اس حق رپورٹ کے پیش کیے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں اس پر بحث کی جائے گی اور پھر دو سال کی مدت میں اس رپورٹ کے تجویز قوانین کو منظور کیا جائے گا۔

”آئندہ دور فقہ جیسے اس سب کے مطابق بھی ضروری تھا کہ ۱۹۸۱ء تک پاکستان اسلامی شریعت رائج ہو جائے۔“

یہاں ہم اپنے ”فقہ“ اور اس سب پر غور کریں۔ سامنے یہ بات بھی واضح آتی ہے۔ مجلسِ مشورہ دستور ۱۹۳۹ء میں پہلی مدتہ سازائش نے ہر ایک قس میں بھی یہ بات دینی تھی کہ اسلامی کنفیوٹیشن دینی بنانے کا اسلامی نقطہ نظر سے قانون سازق بنی ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری مدتہ سازتھنی سے منظور شدہ دستور میں بھی ایسا ہی، فقہ کی کئی بھی جو قانون و سنت سے متصادم قانون سازی سے روکتی تھی۔ (دفعہ ۱۹۳، دستور ۱۹۵۶ء) اور پھر ان مقصد کے حصول کے لیے بھی ایک کنفیوٹیشن تشکیل دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں ۵۸ کی پہلی اور اس کنفیوٹیشن کو اسلامی مشاورتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی سے تبدیل کر دیا گیا۔ اور پھر حالیہ دستور میں اس کی جگہ ”اسلامی نظریاتی کونسل“ نے لے لی۔

(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary, comments on Article 228 P 385

نیز یہ امر بھی ذرا غور کرنے کے ۱۹۵۶ء میں منظور شدہ دستور نے جو کنفیوٹیشن تشکیل دیا تھا اس کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۱۷۲ میں مذکور ہے۔ یعنی یہ کنفیوٹیشن رائج اور وقت قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالے گا، اس عمل کے مختلف مراحل طے کرے گا یا پھر سال کی مدت میں آجیلی اور پورٹ فیش کرے گا اور پھر اس کا جائزہ لینے کے بعد ایسا اس کے مطابق قوانین صادر کرے گی۔

(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary, preliminary, 1965 Constitution. p 31)

گویا ایک جانب تو ”اسلامی نظریاتی کونسل“ نامی ایک ایسا بے بس ادارہ ہے جو نہ شائے نہ اور نہ مست کرنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اور دوسری جانب پاکستان پر مسلطہ و مستبد سیاسی طبقہ ہے جو قیام پاکستان کے بعد سے آج تک جوئے وعدوں کی ایک ایک کتاب دینے والی حکمران کرتا چلا آ رہا ہے اور اس سرزمین کے مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل کر آج تک کسی کفر کا پیش ہے۔ دینی بات نفاق

یاد رکھنا اسلامی ہے۔
شریعت کی تہ اس کے لئے پہلے ایک بھولے وعدے کا راگ الاپا جاتا ہے اور جب عوام اسے سن کر کہ ملک جاتے ہیں تو انہیں کسی دوسرے خوشنما سراب کے پیچھے دوڑایا جاتا ہے..... اور یہی سلسلہ مزید فریبہ تک جاکر جاتی ہے۔

یہاں مجھے ایک مشہور لطیفہ یاد آ رہا ہے کہ شیطان کے اور میں ۵۰۰ بکلی گھر نے پٹیار میں کہا تھا کہ۔ ”اگر شریعت کراچی سے ناگے میں بیٹھ کر گئی تو بھی کوئی مدت پہلے میرے تک پہنچ جاتی۔“

۱۔ پاکستانی ریاست و دستور تاریخ کے آئینے میں

پرتغیسہ پاک و ہند کے مسلمان بھی اسی الیہ و دوچار ہوئے جس سے مصر کا خلیفہ دیکر ہرت سے طاقتوں کے مسلمانوں کو دوچار، دناچار، ”الیہ“ سے بیرونی مراد یہ ہے کہ قریاں تو ہر جگہ مانتے آسمانیں نے دیں، لیکن ان قریاں کے شرارت کوئی اور لے لڑا قریاں کے ایک طویل دور کے بعد جب بھی زمام اقتدار سنبھالنے کا مرحلہ آیا تو قیادت نے ایسے طبقات کا ہنس بھگے جو امت کے مخالفہ و منکدر اور قریاں میں ان کے شریک نہ تھے۔ اس بد طینت طبقے نے امت کے ساتھ قہر مہم قدم بدادہ ظلم کی اور امت کی قریاں سے سرخسہ کیا نہ کی۔

سید حمید علیہ رحمۃ اللہ کی رپا کہہ دو کہ ایک کامیاب ترین کمزور پر جانے کے بعد شیخ ابوبکر اور سید حسین احمد مدنی جیسا اللہ نے از سر نو برطانیہ کے خلاف جہاد کی تحریک کی دنیا میں ڈالیں، لیکن سلطنت عثمانیہ سے مدد کے حصول میں ناکامی اور قہر و خلافت کے سبب یہ تحریک بھی ناکامی سے واپس ہوئی اور یہ دافوں حضرات انٹانٹا میں سر ہو گئے۔ پھر ایک مختصر وقفے کے بعد ہند کے مسلمانوں میں ایک عوامی تحریک اٹھی جس نے ہندوؤں کی (اور امریکائیوں) کے ظلم و جبر سے ظلمی کے لئے ایک الگ آزاد خدشہ زمین کا مطالبہ کیا۔ لیکن، اپنی سراج کی حامل اس عوامی تحریک اور امی میں کئی ایسے عناصر بھی شامل ہو گئے جو اپنے عقائد و افکار میں عامہ المسلمین سے بہت مختلف تھے۔

ان عناصر میں انگریزی تختہ تخت کا تربیت یافتہ اور مگر جی تہذیب کا ولد اور ایک طبقہ بھی شامل تھا۔ اس طبقے کی دینی مرویات کے پیچھے بھی کسی کو اہل کار فرما تھے۔

(الف) مسلمانوں کی عسکری اور بنیادی تربیتیں بظاہر نام نہاد تھیں، اور یہ تو انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت اور صاحب طاقت سے متاثر ہو جاتا ہے۔

(ب) اس طبقے کی پرورش مغربی نظام تعلیم کے تحت ہوئی تھی اور انسان ہی طرز زندگی کا قبول دیتا ہے جس پر اس کی تربیت ہوئی ہو۔

(ج) عالم اسلام سیاسی، اجتماعی اور ملکی اعتبار سے متحدہ دھڑکا کھڑا تھا۔ فلسفہ و جہاد، غور و فکری عام ہو چکی تھی، اختیار و اقتدار زور و زبردستی سے غصب کیا جاتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ملتے جا رہے تھے اور منافقت، دہانت، چال بازی، بے جا طرف داری اور کافرانہ پیروی، ذلیل اوصاف کا پیکار بن چکے تھے۔ بہت سے ملّا، ایسے جاہل تھے کہ اختیار و اختیار کر چکے تھے کہ امرائے ملت کی دوا ڈھونڈنے کے بجائے حالات سے لاپرواہی اختیار کر لیں تھی ان کا حلیہ دین آگیا تھا۔

(د) یہ طبقہ مغرب، یا فلسفہ انگریزی کی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیا تھا کہ وہ آزادی، انصاف، مساوات اور مظلوموں کی مدد و نصرت کے علمبردار ہیں..... حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ یورپی انسانی تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم و غرضداری پھیلانے والا کوئی نہیں ٹھہرا۔ اس پر ستر اوپر یہ کہہ کر اس بات کی بھی تصدیق کر بیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی، ترقی سے دوری اور دین کو کھنکھاسا تک محدود کرنے کی کوششوں میں ہے۔

مغربی عقائد و افکار کا حال یہ طبقہ امت کو بھی مغربی تہذیب کا ولد اور بنانے کے لئے مستقل کوشاں رہا، لیکن اسے مشکل یہ درپیش تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریک آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں برپا ہونے والی بہت سی دیگر تحریک ہائے آزادی سے ممتاز کرتا ہے۔ اس تحریک کا تہذیبی و فکری پس منظر ایک ایسی اسلامی سلطنت کا نام کی جائے جو مسلمانوں کی حرمت کی محافظ اور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔ پس مسلمان ہند کے اس عروج و زوال میں

کو، دیکھتے ہوئے یہ مغرب کو از حد اپنے ہیکل و عتاد اور مغربی تہذیب سے اپنی محبت و قربت چھپانے پر مجبور ہوا تاکہ مسلمانوں کی منوں میں اس کے لئے کچھ بد نہ بن سکے۔ یہی منوں، بلکہ اس طبقے نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات سے کھیا اور طرح طرح کے خوشنما وعدے کر کے انہیں اپنے پیچھے چلایا، کبھی ایک سراب کی سمت، دھڑلایا اور کبھی دوسرے کی سمت، اور عموماً کتاب و سنت کی نگرانی کا نام کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہد و پیمانے بنا دیے۔

چنانچہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ دستور پاکستان اور سیاست پاکستان کا وجود میں آنے بھی اسی کیلئے تلاش کا تسلسل ہے، جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہئے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھا اور کن کن مراحل سے گزرتا ہوا آج کہاں آن کھڑا ہے..... بلکہ یوں کہا بہتر ہو گا کہ..... کس گڑھے میں جا کر رہے؟ آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی فیلڈ انجینیئروں کے لئے خدمات مہیا کرنے والی ایک کنبلی کی سی ہے۔ اس ملک کے قائدین اور سیاستدانوں کی باگ دوڑ کا کل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو دہشت گردوں کے خلاف جنگ کے نام پر بلائی جانے والی امریکہ و مغرب کی اسلام دشمن مصلحتیں ہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ کا وفادار ثابت کر جائیں۔ امریکہ کی رضا کی خاطر آج دین و فقیدہ اور فطریہ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جا چکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس سکھران طبقے نے نہ صرف نفاذ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرز کا دستور تشکیل دیا ہے، بلکہ دستور میں مرحلہ وار ایسی عبارتیں بھی شامل کر دوائی ہیں جو ان کا بے راہ روی اور فساد کو محفوظ رکھنے سے کہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ "دشمن" پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔ جب بھی کوئی نیا حکمران آتا ہے تو ان کا ان پارلیمان اور سیاستدانوں کو منشی میں لینے کے لئے امت کا دل رشوت کے طور پر بے روی سے لٹا دیتا ہے۔ پھر انہی عوامی نمائندوں سے ایسی دستور کی ترامیم منظور کروا دیتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور کھاتے سے قضا فرما کر کرتی ہیں۔

اور بہت سی مثالوں کے ذریعہ یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور و قانون میں شرعی احکامات سے متصادم بہت سا مواد باہر جاتا ہے۔

(ب) کتاب میں بیان کردہ موقوفہ کا سب سے بڑا اثر خود پاکستان کی عملی صورت حال ہے۔ ایک نامزد دستور کی قانونی نظام پر قائم یہ بات اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی درست رہتی کی طرف گواہی دیتی ہے۔ نان طاعت اور سیاحتی تاحدین کیے بعد دیگرے اسی بھانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہتے ہیں کہ وہ دینی سیاست سے بغض و عناد کی درشتی میں اپنا کارنامہ کرنے کے لئے آگے ہیں۔ لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر بار دینی کردار، تعمیل و برپا جاتا ہے۔ یعنی پبلک سروس کارڈ خزانے سے ہماری دشمنیوں سے دے کر سیاست دانوں کی وفادار باں خریدی جاتی ہیں اور پھر کارکن پارلیمان کی غائب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی ترجمہ منظوم کر جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حامیہ نشینوں کے ہر قسم کی عوامی کارروائی اور جوابدہی سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے خاتمے کے لئے جلد ہی کوئی دوسرا اجابت بندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سبب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ جیسا کہ لکھا ہے کہ پاکستان اب ایک گراہنے کا نوکر بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے بھی زیادہ پیسے، ریاست پاکستان میں کوئی عداوت چل رہی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان میں مسلحی لشکروں کا خادم بن کر اپنے مسلمان پر دہو کیوں، بلکہ اپنے آپ کو بھی جاہل و گمراہ ہے۔ اور اس سب سے کوئی سکران طبقے کی جیسے رشوتوں سے بھر رہی ہیں۔ اب خود بتائیے کہ کیا اس سبب حقائق سے انکار کرنا ممکن ہے؟ کیا ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہو جو ہے؟ کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟ کیا پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں مساجد و مدارس کو گولہ و گولہ باریک سیٹ ملیا میٹ نہیں کیا گیا؟

(ج) اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ تمام تر بگاڑ و فساد کا سبب محض حکومت پر قابض سکران طبقہ ہے، تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سکرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں

کی مدد نہیں کی تھی، حالانکہ وہ سکران ان پاکستانی سکرانوں سے ہزار گنا بہتر تھے؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام زید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد بن زید اور ان کے بھائی امیر المومنین علی علیہ السلام کی مال اہل انہیں کی تھی؟ خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے سکرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی قائم کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی غافل تھے شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظام بنانا، بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انہوں نے اختیارات پر ناجائز طور پر قبضہ کر رکھا تھا اور لوگوں کا مالی باطل طریقے سے کھاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید و نصرت کی۔

پس اگر آپ کبھی طور پر ہماری مواصلت دیجی کریں، بقولہ تاقوا تو کریں سکتے ہیں کہ جرأت الہامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی موقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم و فاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیں جو دشمنان دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ آپ کو کوئی فائدہ تعادل سے صادقین سے جانے کا حکم دیا ہے، اہل حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑ جانے، سبکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کی ہدایت کی ہے۔ پس قبائلی میں ہرگز بیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امر بیکہ اور نہی حلیلی طاقتوں کے مد مقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ اسلامی اتحاد کے اساسی رکن، پاکستان کی فوج کے مظالم بھی ثابت نہی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہذا ان حالات میں شریعت کا حکم ہے کہ تم تقاضا بھی لے کر امر بیکہ کی وفادار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

یہاں ہم آپ کو ایک مرتبہ پر امام ابو بکر الجہاد سبھی رحمہ اللہ کا قول یاد دلاتے ہیں جس میں آپ سکرانوں کو سکرانیت سے بزدل روکنے پر اعتراض کرنے والوں پر نکتہ کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”فانہم انکروا فقال الفقة الباغية والامر بالمعروف والنہی عن المنکر بالسلاح، وسوموا الامر بالمعروف والنہی عن المنکر فنة اذا احبب فیہ الی حمل

السلاح وفنال الفتنه الباغية، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى: ﴿فَقَاتِلُوا النَّاسَ﴾
نفسی حتی نفی، الی امر اللہ، وما یفتنبه اللفظ من وجوب قتالها بالسیف وغیرہ۔
وزعموا مع ذلك أن السلطان لا یحکم علیه الظلم والحرور وفنال النفس
النفسی حرم الله، وانما ینکر علی غیر السلطان بالقرل أو بالعد بغير سلاح، فصاروا
شراً علی الأعداء من أعدائهم المخلّفين لها، لأنهم اغتدوا بالناس عن قتال الفتنه الباغية
وعن الانتکاز علی السلطان الظلم والجور۔

حتی اذی ذلك الی تغلب العجاز بل المجوس وأعداء الاسلام، حتی
ذهب النعمور، وشاع الظلم، وحسرت البلاد، وذهب الدين والدنيا، وظهرت
الزندقه والغلو ومذاهب التوبة والخوارج والمزدکیة، والذی جلب ذلك کله
علیهم ترک الامر بالمعروف والنہی عن المنکر والانتکاز علی السلطان الجائر،
والله المستعان۔

”ان لوگوں نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرنے کو ناپاک کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے
پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی ہتھ سے تعبیر
کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ
سے قتال کر کہ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾۔

یہ آیت صراحت کے ساتھ گواہ اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔
اسی طرح ان کا موقف یہ ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لوگوں کو تاق قتل کرے تب بھی
اسے نوکنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے حواہد کو لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے رکھا جانے چاہیے لیکن ان کے
خلاف بھی یہ گواہاٹھانے کے قابل نہیں۔ جیسا کہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کلمے دشمنوں سے بھی
زیادہ دہمک جانتے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امت کو باغ گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں سے ظلم

اور ہمارا انتکاز سے روک دیا ہے۔

ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں شقاق و فتنہ اب آئے، جس اور دیگر دشمنان اسلام
کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بقیان بر باد ہوئیں، دین و دنیا
لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہب منہویہ، خرمیہ اور حرد کی پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب
مسلطہ ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکا نہ چھوڑ دینے،
واللہ المستعان۔

واحکام القرآن للحکام، سورة آل عمران، باب فرض الامر
بالمعروف والنہی عن المنکر ۳/۳۶۷، ۳/۳۶۸۔

۳۔ برصغیر میں غلبہ اسلام کے لئے مطلوب چٹائی اللہ تعالیٰ
خلف کے حالات پر گام ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت بہت زیادہ دور نہیں جب چٹائی
ایشیا، وسطی اور پاکستان میں بالخصوص اسلام کو غلبہ ہو۔ چنانچہ ہم کتاب کے اختتام پر یہ کوشش
کریں گے کہ اس منزل کو قریب لانے کے لئے چند عملی تجاویز قارئین کی نظر کرتے ہیں:

(الف) صحیح آگمی پیدا کرنا

صحیح آگمی پیدا کرنے سے یہاں دو باتیں متصور ہیں:

اولاً، یہ کہ پاکستان میں بسنے والے ہر مسلمان اپنے گروہ و پیش کے حالات کا درست فہم حاصل
کرنے اور ہر گروہ کی تک اندر کے معاملات کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی کوشش کرے۔

پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھنی چاہئے کہ یہ مریضین اور اس کے مسلمان باہمی
آج ایک جدید صلیبی صیغہ کی جنگ کی زد میں ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی
صیغہ کی ہم کا حصہ ہے۔ انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ جس ریاست کو اسلامی جمہوریہ
پاکستان کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے، نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور) کے اعتبار
سے اور نہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیر نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ انحصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستور و قانونی ڈھانچے کا معیار واضح کیا جائے تاکہ اس شعبے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ پاکستان کا نظام جمہوری طور پر پختہ اصولوں پر قائم ہے، لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بیگناہ کرتا ہے۔

لہذا پاکستان میں اسلام کو غالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو یہاں لینا چاہئے کہ درست پاکستان وہ ہرے بگاڑ پر قائم ہے..... اصولی اعتبار سے بھی یہاں بگاڑ ہے اور عملی لحاظ سے بھی بگاڑ! یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ مٹا جائے کہ انتخابات اور مردم پسندی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔ پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر درست پاکستان قائم ہے کہ نگرانی اسلام سے متصادم ہے۔

لہذا سب سے پہلے تو یہ دعوت دے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور دیگر تمام اسلامی سرزمینوں پر نہایت شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت کا قابل تغیر و تبدل اور ناقابل شیخ وابطال ہو۔ اس حاکمیت کو کوئی منظور کی حاجت ہو، بلکہ یہ اکثریت کی پسند و ناپسند اور ہر دستور و قانون سے بالاتر ہو۔ ہر وہ قانون اور فیصلہ جو اس سے متصادم ہو بالاصل تصور کیا جائے۔ پھر اس حاکمیت اعلیٰ کو نظام سلطنت میں ایسے غیر متنازع اصول کی حیثیت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہ ہو، بلکہ یہ اصول نظام سلطنت کے تمام شعبہ جات پر حاوی اور ہر قانونی و دستوری طبقہ پر غالب ہو۔ حاکمیت شریعت کے اس اعلیٰ اصول کو یہ اعلیٰ دائرہ حیثیت دینے کے لئے کمالی اقدامات کرنا مناسب ہے..... اس کے لئے علماء شریعت اور داعیان دین سے رہنمائی لینی چاہئے۔

اسی طرح مسلمانان پاکستان کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام کا اعلیٰ غلاف دین، یکسر لازمہ و مدد و مشرع سے آزاد ہو، کبھی نہیں کر سکتے۔ یہ فریاد تو ابھی لوگوں کے ہاتھوں انعام پاسکتا ہے جو حقیقتاً اسلام، صلیت، امانت اور تقویٰ کی صفات سے متصفہ ہوئی۔ اللہ کے دین کا غلط ذرا ایک عبادت اور بھاری امانت ہے جس کی ادائیگی صرف ایسے افراد ہی کر سکتے ہیں جو محض اور شیعہ شرع ہوں۔

وہ حج منقراست جن کی تقرری کے لئے نہ تو اسلام شرط ہے، نہ ہی اتباع شریعت اور جو واضح طور پر اشتہاری فکری کا شکار ہیں..... ہمارا آئین پاکستان میں شریعت نافذ کرنے کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اس مسئلے کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ، دینی و شرعی علوم پڑھانے والے اداروں و مدارس میں ابھی سے ایسا صاحب تشکیل دیا جائے جس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبے کرام قاضی، وکیل اور اسلامی قوانین کے ماہرین بن کر شرعی قضاء، شرعی کالٹ، تفتیش و افتاء اور قصاص متعلق دیگر اہم خدمات سرانجام دے سکیں۔

پھر ہر صاحب بصیرت یہاں یہ سوال بھی اٹھائے گا کہ کیا یہ سب کچھ بہت بنیادی تبدیلی اور نہایت انقلابی اقدامات بغیر ممکن ہیں؟

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسانی معاشروں اور قوم میں بگاڑ بڑوں تکمرائیت کر جائے اور طاقتوں کے طول و عرض میں فساد پھیل جائے تو باہمی کوشش کی بہت بڑی انتظامی تحریک کے بغیر اصلاح احوال مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں کیا یہ کوئی ممکن امر نظر آتا ہے کہ عالمی سطحی طاقتیں اور ان کا ہر اول دستہ..... یعنی پاکستانی سیاستدان اور فوجی افسران پر مشتمل خائن و دہمداں لہ..... آسانی کے ساتھ پاکستان پر سے اپنی گرفت چھوڑ دیں گے اور انہیں ہٹانے کے لئے کسی زور و زحمت اور قوی مقابرت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

جاننا، یہ کہ شعور عام کی معاشرے میں عام کی جائے تاکہ مطلوبہ تبدیلی لانے کے لئے ایک عوامی تحریک وجود میں آئے جو درست بنیادوں (یعنی شریعت کے عمیق علم اور حالات کے درست فہم) پر کھڑی ہو اور بہت سی دیگر تحریکوں کی طرح کانفرنسوں کے سراپوں میں اور سیاست کی ویلیزوں پر خاک نہ چھینا جاتی پھرے۔

(ب) صلیبی لیٹار کے مقابل دینی جمادی تحریکوں کی معاونت

آج ہر اس جمادی تحریک کا ساتھ دینا لازم ہے جو عالم اسلام کے خلاف لاری جانے والی

عالیہ ملیٹی جنگ، بالخصوص پاکستان و افغانستان پر امریکی ملیٹی بیخار کے بالفاعل کھڑی دغا و دین و ملت میں مصروف ہے۔ اس طرح پاکستان کا ساتھ دینا اور جوہل سے لازم ہے:

اولاً: کہ افغانستان و پاکستان سے ملیٹی حملہ آوروں کو کابل پر پاکستانی پرنس میں ہے۔ یہ شریعت کا ایک واضح حکم ہے جس کی نشر و اشاعت، وضاحت اور تعین نہایت اہم ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں بہت سے پاکستانی علماء نے یہ فتویٰ صادر کیا تھا کہ تمام اہل پاکستان و افغانستان پر جہاد و افغانستان میں شمولیت فرض میں ہے اور یوں ضرورت فرشت کا یہ دائرہ وسیع ہو کر پوری امت کو اپنی پیٹ میں لے لیتا ہے۔ اگر کل دوس کے آئے پر یہ جہاد فرض میں تھا تو آج ملیٹی امریکیوں کے میدان میں اترنے پر حکم کیسے فرق ہو سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ اس جنگ کا دائرہ دس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ وہ تو صرف افغانستان پر قابض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے پاکستان میں بھی اپنے بڑے بڑے اڈے قائم کر کے لیے ہیں۔

ثانیاً: یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ آج پاکستان میں ملتا امریکہ کی حکومت اور اس کا نفوذ و غالب ہے، اور یہ امریکہ ہی ہے جس کے حکم پر سراسر زمین سے اٹھنے والی ہر دینی تحریک کو پکڑا جاتا ہے۔ لہذا جب تک امریکہ کو پاکستان و افغانستان نے ناپود ہو کر کے پاکستان کو امریکی غلامی سے آزاد نہیں کروایا جاتا، یہاں اصلاح احوال ناممکن ہے۔

(ج) نقاد شریعت کی کوششوں کی تقویت

مصدق و امانت کی صفات سے متصف ہر اس صالح گروہ اور جماعت کو ہر ممکن طریقے سے مضبوط کیا جائے جو اپنے علاقوں میں نقاد شریعت کے لئے کوشاں ہو۔ ایسے گروہوں کی بھرپور مدد کی جائے تاکہ ان کا اثر و رسوخ پورا اطراف پھیل سکے اور وہ اپنے خلاف مسلح کی گئی تباہ کن جنگوں کا کام کر مقابلہ کر سکیں۔

(د) تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

دعوت دین کے تمام پہلو ابجا کر کے جائیں اور عوام کی تربیت اس بیج پر کی جائے کہ وہ

مقاتلہ مسلح اور سیاست میں در آنے والے بگاڑ سے دامن چھڑا کر اپنے آپ کو شرعی آداب و اطوار اور اسلامی عقائد و احکام سے سزین کریں۔ نیز ہر مسلمان کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ جو جوہر شخص میں اپنی طاقت و وسعت کے مطابق حصہ لینا اور اپنے حصہ کی ذمہ داری ادا کرنا ایک بہتر فرض ہے۔ بالخصوص داعیان و دین میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ خائین ملت اور مفسدین فی الارض کے پھیلائے ہوئے نساؤ و بکاڑ اور ظلم و انحراف کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا ان کا فرض منصبی ہے۔ پھر دینی داعیان و دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عامۃ المسلمین میں بھی مزاحمت کی تینا روح پیدا کر دیں اور انہیں سمجھائیں کہ ان کی عمل افضل ترین جہاد کے ذمہ داری ہے، جیسا کہ ایک کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے؟

”افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائن“۔

”افضل ترین جہاد کلام باہر شاہ کے سامنے کھڑے حق کہنا ہے۔“

”تفسیر ابن کثیر، المائدہ آیات ۷۸ الی ۸۱، ۸۵، المسند لک علی الصحیحین، کتاب الفتن والملاحم، حدیث رقم ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، مجمع الزوائد، باب الکلام بالحق عند الحکماء، ۲۷۳، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الأمر والہدی، حدیث رقم: ۳۳۳۳، سنن ابی ماجہ، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، حدیث رقم: ۳۰۱۲ و ۳۰۱۳، ۱۳۲۹۲، ۱۳۳۰، مسند أحمد، مسند ابی سعید الخدری، حدیث رقم: ۷۵۲، ۳۳۱۲، مسند ابی یعلیٰ، مسند ابی سعید الخدری، حدیث رقم: ۱۱۰۱، ۳۵۲۲، ۳۵۲۳، مسند ابن الجعد، حماد بن سلمہ، حدیث رقم: ۳۳۶۶، ۳۸۰۱، مسند عبد بن حماد، من مسند ابی سعید الخدری، حدیث رقم: ۸۶۳، ۱۸۲۲، المعجم الکبیر للطنبرانی، ما مسند ابی امامۃ، من روئے عن ابی امامۃ، من اہل القصور، حدیث رقم: ۸۰۸۰ و ۸۰۸۱ و ۸۰۸۲ و ۸۰۸۳ و ۸۰۸۴ و ۸۰۸۵ و ۸۰۸۶ و ۸۰۸۷ و ۸۰۸۸ و ۸۰۸۹ و ۸۰۹۰ و ۸۰۹۱ و ۸۰۹۲ و ۸۰۹۳ و ۸۰۹۴ و ۸۰۹۵ و ۸۰۹۶ و ۸۰۹۷ و ۸۰۹۸ و ۸۰۹۹ و ۸۱۰۰ و ۸۱۰۱ و ۸۱۰۲ و ۸۱۰۳ و ۸۱۰۴ و ۸۱۰۵ و ۸۱۰۶ و ۸۱۰۷ و ۸۱۰۸ و ۸۱۰۹ و ۸۱۱۰ و ۸۱۱۱ و ۸۱۱۲ و ۸۱۱۳ و ۸۱۱۴ و ۸۱۱۵ و ۸۱۱۶ و ۸۱۱۷ و ۸۱۱۸ و ۸۱۱۹ و ۸۱۲۰ و ۸۱۲۱ و ۸۱۲۲ و ۸۱۲۳ و ۸۱۲۴ و ۸۱۲۵ و ۸۱۲۶ و ۸۱۲۷ و ۸۱۲۸ و ۸۱۲۹ و ۸۱۳۰ و ۸۱۳۱ و ۸۱۳۲ و ۸۱۳۳ و ۸۱۳۴ و ۸۱۳۵ و ۸۱۳۶ و ۸۱۳۷ و ۸۱۳۸ و ۸۱۳۹ و ۸۱۴۰ و ۸۱۴۱ و ۸۱۴۲ و ۸۱۴۳ و ۸۱۴۴ و ۸۱۴۵ و ۸۱۴۶ و ۸۱۴۷ و ۸۱۴۸ و ۸۱۴۹ و ۸۱۵۰ و ۸۱۵۱ و ۸۱۵۲ و ۸۱۵۳ و ۸۱۵۴ و ۸۱۵۵ و ۸۱۵۶ و ۸۱۵۷ و ۸۱۵۸ و ۸۱۵۹ و ۸۱۶۰ و ۸۱۶۱ و ۸۱۶۲ و ۸۱۶۳ و ۸۱۶۴ و ۸۱۶۵ و ۸۱۶۶ و ۸۱۶۷ و ۸۱۶۸ و ۸۱۶۹ و ۸۱۷۰ و ۸۱۷۱ و ۸۱۷۲ و ۸۱۷۳ و ۸۱۷۴ و ۸۱۷۵ و ۸۱۷۶ و ۸۱۷۷ و ۸۱۷۸ و ۸۱۷۹ و ۸۱۸۰ و ۸۱۸۱ و ۸۱۸۲ و ۸۱۸۳ و ۸۱۸۴ و ۸۱۸۵ و ۸۱۸۶ و ۸۱۸۷ و ۸۱۸۸ و ۸۱۸۹ و ۸۱۹۰ و ۸۱۹۱ و ۸۱۹۲ و ۸۱۹۳ و ۸۱۹۴ و ۸۱۹۵ و ۸۱۹۶ و ۸۱۹۷ و ۸۱۹۸ و ۸۱۹۹ و ۸۲۰۰ و ۸۲۰۱ و ۸۲۰۲ و ۸۲۰۳ و ۸۲۰۴ و ۸۲۰۵ و ۸۲۰۶ و ۸۲۰۷ و ۸۲۰۸ و ۸۲۰۹ و ۸۲۱۰ و ۸۲۱۱ و ۸۲۱۲ و ۸۲۱۳ و ۸۲۱۴ و ۸۲۱۵ و ۸۲۱۶ و ۸۲۱۷ و ۸۲۱۸ و ۸۲۱۹ و ۸۲۲۰ و ۸۲۲۱ و ۸۲۲۲ و ۸۲۲۳ و ۸۲۲۴ و ۸۲۲۵ و ۸۲۲۶ و ۸۲۲۷ و ۸۲۲۸ و ۸۲۲۹ و ۸۲۳۰ و ۸۲۳۱ و ۸۲۳۲ و ۸۲۳۳ و ۸۲۳۴ و ۸۲۳۵ و ۸۲۳۶ و ۸۲۳۷ و ۸۲۳۸ و ۸۲۳۹ و ۸۲۴۰ و ۸۲۴۱ و ۸۲۴۲ و ۸۲۴۳ و ۸۲۴۴ و ۸۲۴۵ و ۸۲۴۶ و ۸۲۴۷ و ۸۲۴۸ و ۸۲۴۹ و ۸۲۵۰ و ۸۲۵۱ و ۸۲۵۲ و ۸۲۵۳ و ۸۲۵۴ و ۸۲۵۵ و ۸۲۵۶ و ۸۲۵۷ و ۸۲۵۸ و ۸۲۵۹ و ۸۲۶۰ و ۸۲۶۱ و ۸۲۶۲ و ۸۲۶۳ و ۸۲۶۴ و ۸۲۶۵ و ۸۲۶۶ و ۸۲۶۷ و ۸۲۶۸ و ۸۲۶۹ و ۸۲۷۰ و ۸۲۷۱ و ۸۲۷۲ و ۸۲۷۳ و ۸۲۷۴ و ۸۲۷۵ و ۸۲۷۶ و ۸۲۷۷ و ۸۲۷۸ و ۸۲۷۹ و ۸۲۸۰ و ۸۲۸۱ و ۸۲۸۲ و ۸۲۸۳ و ۸۲۸۴ و ۸۲۸۵ و ۸۲۸۶ و ۸۲۸۷ و ۸۲۸۸ و ۸۲۸۹ و ۸۲۹۰ و ۸۲۹۱ و ۸۲۹۲ و ۸۲۹۳ و ۸۲۹۴ و ۸۲۹۵ و ۸۲۹۶ و ۸۲۹۷ و ۸۲۹۸ و ۸۲۹۹ و ۸۳۰۰ و ۸۳۰۱ و ۸۳۰۲ و ۸۳۰۳ و ۸۳۰۴ و ۸۳۰۵ و ۸۳۰۶ و ۸۳۰۷ و ۸۳۰۸ و ۸۳۰۹ و ۸۳۱۰ و ۸۳۱۱ و ۸۳۱۲ و ۸۳۱۳ و ۸۳۱۴ و ۸۳۱۵ و ۸۳۱۶ و ۸۳۱۷ و ۸۳۱۸ و ۸۳۱۹ و ۸۳۲۰ و ۸۳۲۱ و ۸۳۲۲ و ۸۳۲۳ و ۸۳۲۴ و ۸۳۲۵ و ۸۳۲۶ و ۸۳۲۷ و ۸۳۲۸ و ۸۳۲۹ و ۸۳۳۰ و ۸۳۳۱ و ۸۳۳۲ و ۸۳۳۳ و ۸۳۳۴ و ۸۳۳۵ و ۸۳۳۶ و ۸۳۳۷ و ۸۳۳۸ و ۸۳۳۹ و ۸۳۴۰ و ۸۳۴۱ و ۸۳۴۲ و ۸۳۴۳ و ۸۳۴۴ و ۸۳۴۵ و ۸۳۴۶ و ۸۳۴۷ و ۸۳۴۸ و ۸۳۴۹ و ۸۳۵۰ و ۸۳۵۱ و ۸۳۵۲ و ۸۳۵۳ و ۸۳۵۴ و ۸۳۵۵ و ۸۳۵۶ و ۸۳۵۷ و ۸۳۵۸ و ۸۳۵۹ و ۸۳۶۰ و ۸۳۶۱ و ۸۳۶۲ و ۸۳۶۳ و ۸۳۶۴ و ۸۳۶۵ و ۸۳۶۶ و ۸۳۶۷ و ۸۳۶۸ و ۸۳۶۹ و ۸۳۷۰ و ۸۳۷۱ و ۸۳۷۲ و ۸۳۷۳ و ۸۳۷۴ و ۸۳۷۵ و ۸۳۷۶ و ۸۳۷۷ و ۸۳۷۸ و ۸۳۷۹ و ۸۳۸۰ و ۸۳۸۱ و ۸۳۸۲ و ۸۳۸۳ و ۸۳۸۴ و ۸۳۸۵ و ۸۳۸۶ و ۸۳۸۷ و ۸۳۸۸ و ۸۳۸۹ و ۸۳۹۰ و ۸۳۹۱ و ۸۳۹۲ و ۸۳۹۳ و ۸۳۹۴ و ۸۳۹۵ و ۸۳۹۶ و ۸۳۹۷ و ۸۳۹۸ و ۸۳۹۹ و ۸۴۰۰ و ۸۴۰۱ و ۸۴۰۲ و ۸۴۰۳ و ۸۴۰۴ و ۸۴۰۵ و ۸۴۰۶ و ۸۴۰۷ و ۸۴۰۸ و ۸۴۰۹ و ۸۴۱۰ و ۸۴۱۱ و ۸۴۱۲ و ۸۴۱۳ و ۸۴۱۴ و ۸۴۱۵ و ۸۴۱۶ و ۸۴۱۷ و ۸۴۱۸ و ۸۴۱۹ و ۸۴۲۰ و ۸۴۲۱ و ۸۴۲۲ و ۸۴۲۳ و ۸۴۲۴ و ۸۴۲۵ و ۸۴۲۶ و ۸۴۲۷ و ۸۴۲۸ و ۸۴۲۹ و ۸۴۳۰ و ۸۴۳۱ و ۸۴۳۲ و ۸۴۳۳ و ۸۴۳۴ و ۸۴۳۵ و ۸۴۳۶ و ۸۴۳۷ و ۸۴۳۸ و ۸۴۳۹ و ۸۴۴۰ و ۸۴۴۱ و ۸۴۴۲ و ۸۴۴۳ و ۸۴۴۴ و ۸۴۴۵ و ۸۴۴۶ و ۸۴۴۷ و ۸۴۴۸ و ۸۴۴۹ و ۸۴۵۰ و ۸۴۵۱ و ۸۴۵۲ و ۸۴۵۳ و ۸۴۵۴ و ۸۴۵۵ و ۸۴۵۶ و ۸۴۵۷ و ۸۴۵۸ و ۸۴۵۹ و ۸۴۶۰ و ۸۴۶۱ و ۸۴۶۲ و ۸۴۶۳ و ۸۴۶۴ و ۸۴۶۵ و ۸۴۶۶ و ۸۴۶۷ و ۸۴۶۸ و ۸۴۶۹ و ۸۴۷۰ و ۸۴۷۱ و ۸۴۷۲ و ۸۴۷۳ و ۸۴۷۴ و ۸۴۷۵ و ۸۴۷۶ و ۸۴۷۷ و ۸۴۷۸ و ۸۴۷۹ و ۸۴۸۰ و ۸۴۸۱ و ۸۴۸۲ و ۸۴۸۳ و ۸۴۸۴ و ۸۴۸۵ و ۸۴۸۶ و ۸۴۸۷ و ۸۴۸۸ و ۸۴۸۹ و ۸۴۹۰ و ۸۴۹۱ و ۸۴۹۲ و ۸۴۹۳ و ۸۴۹۴ و ۸۴۹۵ و ۸۴۹۶ و ۸۴۹۷ و ۸۴۹۸ و ۸۴۹۹ و ۸۵۰۰ و ۸۵۰۱ و ۸۵۰۲ و ۸۵۰۳ و ۸۵۰۴ و ۸۵۰۵ و ۸۵۰۶ و ۸۵۰۷ و ۸۵۰۸ و ۸۵۰۹ و ۸۵۱۰ و ۸۵۱۱ و ۸۵۱۲ و ۸۵۱۳ و ۸۵۱۴ و ۸۵۱۵ و ۸۵۱۶ و ۸۵۱۷ و ۸۵۱۸ و ۸۵۱۹ و ۸۵۲۰ و ۸۵۲۱ و ۸۵۲۲ و ۸۵۲۳ و ۸۵۲۴ و ۸۵۲۵ و ۸۵۲۶ و ۸۵۲۷ و ۸۵۲۸ و ۸۵۲۹ و ۸۵۳۰ و ۸۵۳۱ و ۸۵۳۲ و ۸۵۳۳ و ۸۵۳۴ و ۸۵۳۵ و ۸۵۳۶ و ۸۵۳۷ و ۸۵۳۸ و ۸۵۳۹ و ۸۵۴۰ و ۸۵۴۱ و ۸۵۴۲ و ۸۵۴۳ و ۸۵۴۴ و ۸۵۴۵ و ۸۵۴۶ و ۸۵۴۷ و ۸۵۴۸ و ۸۵۴۹ و ۸۵۵۰ و ۸۵۵۱ و ۸۵۵۲ و ۸۵۵۳ و ۸۵۵۴ و ۸۵۵۵ و ۸۵۵۶ و ۸۵۵۷ و ۸۵۵۸ و ۸۵۵۹ و ۸۵۶۰ و ۸۵۶۱ و ۸۵۶۲ و ۸۵۶۳ و ۸۵۶۴ و ۸۵۶۵ و ۸۵۶۶ و ۸۵۶۷ و ۸۵۶۸ و ۸۵۶۹ و ۸۵۷۰ و ۸۵۷۱ و ۸۵۷۲ و ۸۵۷۳ و ۸۵۷۴ و ۸۵۷۵ و ۸۵۷۶ و ۸۵۷۷ و ۸۵۷۸ و ۸۵۷۹ و ۸۵۸۰ و ۸۵۸۱ و ۸۵۸۲ و ۸۵۸۳ و ۸۵۸۴ و ۸۵۸۵ و ۸۵۸۶ و ۸۵۸۷ و ۸۵۸۸ و ۸۵۸۹ و ۸۵۹۰ و ۸۵۹۱ و ۸۵۹۲ و ۸۵۹۳ و ۸۵۹۴ و ۸۵۹۵ و ۸۵۹۶ و ۸۵۹۷ و ۸۵۹۸ و ۸۵۹۹ و ۸۶۰۰ و ۸۶۰۱ و ۸۶۰۲ و ۸۶۰۳ و ۸۶۰۴ و ۸۶۰۵ و ۸۶۰۶ و ۸۶۰۷ و ۸۶۰۸ و ۸۶۰۹ و ۸۶۱۰ و ۸۶۱۱ و ۸۶۱۲ و ۸۶۱۳ و ۸۶۱۴ و ۸۶۱۵ و ۸۶۱۶ و ۸۶۱۷ و ۸۶۱۸ و ۸۶۱۹ و ۸۶۲۰ و ۸۶۲۱ و ۸۶۲۲ و ۸۶۲۳ و ۸۶۲۴ و ۸۶۲۵ و ۸۶۲۶ و ۸۶۲۷ و ۸۶۲۸ و ۸۶۲۹ و ۸۶۳۰ و ۸۶۳۱ و ۸۶۳۲ و ۸۶۳۳ و ۸۶۳۴ و ۸۶۳۵ و ۸۶۳۶ و ۸۶۳۷ و ۸۶۳۸ و ۸۶۳۹ و ۸۶۴۰ و ۸۶۴۱ و ۸۶۴۲ و ۸۶۴۳ و ۸۶۴۴ و ۸۶۴۵ و ۸۶۴۶ و ۸۶۴۷ و ۸۶۴۸ و ۸۶۴۹ و ۸۶۵۰ و ۸۶۵۱ و ۸۶۵۲ و ۸۶۵۳ و ۸۶۵۴ و ۸۶۵۵ و ۸۶۵۶ و ۸۶۵۷ و ۸۶۵۸ و ۸۶۵۹ و ۸۶۶۰ و ۸۶۶۱ و ۸۶۶۲ و ۸۶۶۳ و ۸۶۶۴ و ۸۶۶۵ و ۸۶۶۶ و ۸۶۶۷ و ۸۶۶۸ و ۸۶۶۹ و ۸۶۷۰ و ۸۶۷۱ و ۸۶۷۲ و ۸۶۷۳ و ۸۶۷۴ و ۸۶۷۵ و ۸۶۷۶ و ۸۶۷۷ و ۸۶۷۸ و ۸۶۷۹ و ۸۶۸۰ و ۸۶۸۱ و ۸۶۸۲ و ۸۶۸۳ و ۸۶۸۴ و ۸۶۸۵ و ۸۶۸۶ و ۸۶۸۷ و ۸۶۸۸ و ۸۶۸۹ و ۸۶۹۰ و ۸۶۹۱ و ۸۶۹۲ و ۸۶۹۳ و ۸۶۹۴ و ۸۶۹۵ و ۸۶۹۶ و ۸۶۹۷ و ۸۶۹۸ و ۸۶۹۹ و ۸۷۰۰ و ۸۷۰۱ و ۸۷۰۲ و ۸۷۰۳ و ۸۷۰۴ و ۸۷۰۵ و ۸۷۰۶ و ۸۷۰۷ و ۸۷۰۸ و ۸۷۰۹ و ۸۷۱۰ و ۸۷۱۱ و ۸۷۱۲ و ۸۷۱۳ و ۸۷۱۴ و ۸۷۱۵ و ۸۷۱۶ و ۸۷۱۷ و ۸۷۱۸ و ۸۷۱۹ و ۸۷۲۰ و ۸۷۲۱ و ۸۷۲۲ و ۸۷۲۳ و ۸۷۲۴ و ۸۷۲۵ و ۸۷۲۶ و ۸۷۲۷ و ۸۷۲۸ و ۸۷۲۹ و ۸۷۳۰ و ۸۷۳۱ و ۸۷۳۲ و ۸۷۳۳ و ۸۷۳۴ و ۸۷۳۵ و ۸۷۳۶ و ۸۷۳۷ و ۸۷۳۸ و ۸۷۳۹ و ۸۷۴۰ و ۸۷۴۱ و ۸۷۴۲ و ۸۷۴۳ و ۸۷۴۴ و ۸۷۴۵ و ۸۷۴۶ و ۸۷۴۷ و ۸۷۴۸ و ۸۷۴۹ و ۸۷۵۰ و ۸۷۵۱ و ۸۷۵۲ و ۸۷۵۳ و ۸۷۵۴ و ۸۷۵۵ و ۸۷۵۶ و ۸۷۵۷ و ۸۷۵۸ و ۸۷۵۹ و ۸۷۶۰ و ۸۷۶۱ و ۸۷۶۲ و ۸۷۶۳ و ۸۷۶۴ و ۸۷۶۵ و ۸۷۶۶ و ۸۷۶۷ و ۸۷۶۸ و ۸۷۶۹ و ۸۷۷۰ و ۸۷۷۱ و ۸۷۷۲ و ۸۷۷۳ و ۸۷۷۴ و ۸۷۷۵ و ۸۷۷۶ و ۸۷۷۷ و ۸۷۷۸ و ۸۷۷۹ و ۸۷۸۰ و ۸۷۸۱ و ۸۷۸۲ و ۸۷۸۳ و ۸۷۸۴ و ۸۷۸۵ و ۸۷۸۶ و ۸۷۸۷ و ۸۷۸۸ و ۸۷۸۹ و ۸۷۹۰ و ۸۷۹۱ و ۸۷۹۲ و ۸۷۹۳ و ۸۷۹۴ و ۸۷۹۵ و ۸۷۹۶ و ۸۷۹۷ و ۸۷۹۸ و ۸۷۹۹ و ۸۸۰۰ و ۸۸۰۱ و ۸۸۰۲ و ۸۸۰۳ و ۸۸۰۴ و ۸۸۰۵ و ۸۸۰۶ و ۸۸۰۷ و ۸۸۰۸ و ۸۸۰۹ و ۸۸۱۰ و ۸۸۱۱ و ۸۸۱۲ و ۸۸۱۳ و ۸۸۱۴ و ۸۸۱۵ و ۸۸۱۶ و ۸۸۱۷ و ۸۸۱۸ و ۸۸۱۹ و ۸۸۲۰ و ۸۸۲۱ و ۸۸۲۲ و ۸۸۲۳ و ۸۸۲۴ و ۸۸۲۵ و ۸۸۲۶ و ۸۸۲۷ و ۸۸۲۸ و ۸۸۲۹ و ۸۸۳۰ و ۸۸۳۱ و ۸۸۳۲ و ۸۸۳۳ و ۸۸۳۴ و ۸۸۳۵ و ۸۸۳۶ و ۸۸۳۷ و ۸۸۳۸ و ۸۸۳۹ و ۸۸۴۰ و ۸۸۴۱ و ۸۸۴۲ و ۸۸۴۳ و ۸۸۴۴ و ۸۸۴۵ و ۸۸۴۶ و ۸۸۴۷ و ۸۸۴۸ و ۸۸۴۹ و ۸۸۵۰ و ۸۸۵۱ و ۸۸۵۲ و ۸۸۵۳ و ۸۸۵۴ و ۸۸۵۵ و ۸۸۵۶ و ۸۸۵۷ و ۸۸۵۸ و ۸۸۵۹ و ۸۸۶۰ و ۸۸۶۱ و ۸۸۶۲ و ۸۸۶۳ و ۸۸۶۴ و ۸۸۶۵ و ۸۸۶۶ و ۸۸۶۷ و ۸۸۶۸ و ۸۸۶۹ و ۸۸۷۰ و ۸۸۷۱ و ۸۸۷۲ و ۸۸۷۳ و ۸۸۷۴ و ۸۸۷۵ و ۸۸۷۶ و ۸۸۷۷ و ۸۸۷۸ و ۸۸۷۹ و ۸۸۸۰ و ۸۸۸۱ و ۸۸۸۲ و ۸۸۸۳ و ۸۸۸۴ و ۸۸۸۵ و ۸۸۸۶ و ۸۸۸۷ و ۸۸۸۸ و ۸۸۸۹ و ۸۸۹۰ و ۸۸۹۱ و ۸۸۹۲ و ۸۸۹۳ و ۸۸۹۴ و ۸۸۹۵ و ۸۸۹۶ و ۸۸۹۷ و ۸۸۹۸ و ۸۸۹۹ و ۸۹۰۰ و ۸۹۰۱ و ۸۹۰۲ و ۸۹۰۳ و ۸۹۰۴ و ۸۹۰۵ و ۸۹۰۶ و ۸۹۰۷ و ۸۹۰۸ و ۸۹۰۹ و ۸۹۱۰ و ۸۹۱۱ و ۸۹۱۲ و ۸۹۱۳ و ۸۹۱۴ و ۸۹۱۵ و ۸۹۱۶ و ۸۹۱۷ و ۸۹۱۸ و ۸۹۱۹ و ۸۹۲۰ و ۸۹۲۱ و ۸۹۲۲ و ۸۹۲۳ و ۸۹۲۴ و ۸۹۲۵ و ۸۹۲۶ و ۸۹۲۷ و ۸۹۲۸ و ۸۹۲۹ و ۸۹۳۰ و ۸۹۳۱ و ۸۹۳۲ و ۸۹۳۳ و ۸۹۳۴ و ۸۹۳۵ و ۸۹۳۶ و ۸۹۳۷ و ۸۹۳۸ و ۸۹۳۹ و ۸۹۴۰ و ۸۹۴۱ و ۸۹۴۲ و ۸۹۴۳ و ۸۹۴۴ و ۸۹۴۵ و ۸۹۴۶ و ۸۹۴۷ و ۸۹۴۸ و ۸۹۴۹ و ۸۹۵۰ و ۸۹۵۱ و ۸۹۵۲ و ۸۹۵۳ و ۸۹۵۴ و ۸۹۵۵ و ۸۹۵۶ و ۸۹۵۷ و ۸۹۵۸ و ۸۹۵۹ و ۸۹۶۰ و ۸۹۶۱ و ۸۹۶۲ و ۸۹۶۳ و ۸۹۶۴ و ۸۹۶۵ و ۸۹۶۶ و ۸۹۶۷ و ۸۹۶۸ و ۸۹۶۹ و ۸۹۷۰ و ۸۹۷۱ و ۸۹۷۲ و ۸۹۷۳ و ۸۹۷۴ و ۸۹۷۵ و ۸۹۷۶ و ۸۹۷۷ و ۸۹۷۸ و ۸۹۷۹ و ۸۹۸۰ و ۸۹۸۱ و ۸۹۸۲ و ۸۹۸۳ و ۸۹۸۴ و ۸۹۸۵ و ۸۹۸۶ و ۸۹۸۷ و ۸۹۸۸ و ۸۹۸۹ و ۸۹۹۰ و ۸۹۹۱ و ۸۹۹۲ و ۸۹۹۳ و ۸۹۹۴ و ۸۹۹۵ و ۸۹۹۶ و ۸۹۹۷ و ۸۹۹۸ و ۸۹۹۹ و ۹۰۰۰ و ۹۰۰۱ و ۹۰۰۲ و ۹۰۰۳ و ۹۰۰۴ و ۹۰۰۵ و ۹۰۰۶ و ۹۰۰۷ و ۹۰۰۸ و ۹۰۰۹ و ۹۰۱۰ و ۹۰۱۱ و ۹۰۱۲ و ۹۰۱۳ و ۹۰۱۴ و ۹۰۱۵ و ۹۰۱۶ و ۹۰۱۷ و ۹۰۱۸ و ۹۰۱۹ و ۹۰۲۰ و ۹۰۲۱ و ۹۰۲۲ و ۹۰۲۳ و ۹۰۲۴ و ۹۰۲۵ و ۹۰۲۶ و ۹۰۲۷ و ۹۰۲۸ و ۹۰۲۹ و ۹۰۳۰ و ۹۰۳۱ و ۹۰۳۲ و ۹۰۳۳ و ۹۰۳۴ و ۹۰۳۵ و ۹۰۳۶ و ۹۰۳۷ و ۹۰۳۸ و ۹۰۳۹ و ۹۰۴۰ و ۹۰۴۱ و ۹۰۴۲ و ۹۰۴۳ و ۹۰۴۴ و ۹۰۴۵ و ۹۰۴۶ و ۹۰۴۷ و ۹۰۴۸ و ۹۰۴۹ و ۹۰۵۰ و ۹۰۵۱ و ۹۰۵۲ و ۹۰۵۳ و ۹۰۵۴ و ۹۰۵۵ و ۹۰۵۶ و ۹۰۵۷ و ۹۰۵۸ و ۹۰۵۹ و ۹۰۶۰ و ۹۰۶۱ و ۹۰۶۲ و ۹۰۶۳ و ۹۰۶۴ و ۹۰۶۵ و ۹۰۶۶ و ۹۰۶۷ و ۹۰۶۸ و ۹۰۶۹ و ۹۰۷۰ و ۹۰۷۱ و ۹۰۷۲ و ۹۰۷۳ و ۹۰۷۴ و ۹۰۷۵ و ۹۰۷۶ و ۹۰۷۷ و ۹۰۷۸ و ۹۰۷۹ و ۹۰۸۰ و ۹۰۸۱ و ۹۰۸۲ و ۹۰۸۳ و ۹۰۸۴ و ۹۰۸۵ و ۹۰۸۶ و ۹۰۸۷ و ۹۰۸۸ و ۹۰۸۹ و ۹۰۹۰ و ۹۰۹۱ و ۹۰۹۲ و ۹۰۹۳ و ۹۰۹۴ و ۹۰۹۵ و ۹۰۹۶ و ۹۰۹۷ و ۹۰۹۸ و ۹۰۹۹ و ۹۱۰۰ و ۹۱۰۱ و ۹۱۰۲ و ۹۱۰۳ و ۹۱۰۴ و ۹۱۰۵ و ۹۱۰۶ و ۹۱۰۷ و ۹۱۰۸ و ۹۱۰۹ و ۹۱۱۰ و ۹۱۱۱ و ۹۱۱۲ و ۹۱۱۳ و ۹۱۱۴ و ۹۱۱۵ و ۹۱۱۶ و ۹۱۱۷ و ۹۱۱۸ و ۹۱۱۹ و ۹۱۲۰ و ۹۱۲۱ و ۹۱۲۲ و ۹۱۲۳ و ۹۱۲۴ و ۹۱۲۵ و ۹۱۲۶ و ۹۱۲۷ و ۹۱۲۸ و ۹۱۲۹ و ۹۱۳۰ و ۹۱۳۱ و ۹۱۳۲ و ۹۱۳

أفضل الجهاد كلمة حق عند أمير جائر، حديث رقم: ۱۲۸۶ و ۱۲۸۸، ۴۴۷/۲، ۳۳۸، شعب الإيمان، الثاني، والخمسون من شعب الإيمان وهو باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۹۳/۶، والسادس والخمسون من شعب الإيمان وهو باب في حسن الخلق، فصل في ترك الغضب وكظم الغيظ والعفو عند المقدرة، حديث رقم: ۳۱۰۳، ۳۹۶، ۸۲۸، ۲۸۶/۲، المنهيد لابن عبد البر (۲۸۶/۲).

"امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس مسئلہ کے اعتبار سے "حسن غریب" ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب الفص، باب ما جاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند

سلطان جافو، حديث رقم: ۳۱۷۳، ۴۱۷۳، ۴۱۷۳).

(۵) بہادری سبیل

پاکستان اور دیگر مسلم ممالکوں میں بسنے والے ہر شہریت مسلم مسلمان کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کا نفاذ، حقیقی اسلامی نظام کا قیام، صالح و امین قیادت کا ظہور، اسلام کی صحیح دعوت کا فروغ اور ایمانی محبت و باہمی تعاون پر مبنی پاکیزہ معاشرے، مہفت و نصرت کے عطا فیضیہ و گرانے اور صالح مسلم افراد کا جووشہ آ..... یہ سب نیکو چہاں کی تکمیل اللہ کے اخیر ہوتا ممکن ہے، نہ ہی جہاد کے بغیر ان کا بقی رہنا اور اپنے وجود کی حفاظت کرنا ممکن ہے۔ اللہ پاک تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لِّلدِّسَاتِ الْأَرْضِ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ

عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (البقرة: ۲۵۱).

"اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دھوکے کے ذریعے فتنہ نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بہت فضل و احسان کرنے والا ہے۔"

مذکورہ بالا مضامین کی مزید وضاحت کی خاطر جناب صاحب مدظلہ و مدظفر اللہ کی کتاب "کیا دعوت

اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک منقطع القلم شاعر کیا جاتا ہے تاکہ مذکورہ بالا مضامین کا وضاحت کے ساتھ ساتھ خلاصہ بھی ہو جائے، وہو هذا:

پاک سرزمین کا نظام

واللہ الا اللہ وکلمہ تو حید ہے جو شرک سے: اہل امت کا ایمان کہہ دے وقت اور کیا جاتا ہے اس کا
ہر ماہ عقیدہ وہم پیچھے بیان کرتے ہیں سالہ علم کے باب تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنی باقی
ماندہ زندگی کو شرک سے تائب اور توحید پر مگر رہنے کی شہادت دے دے۔ (ایک گروہ فرشتہ) کا
مذہب گنجل جانے کے باعث آج گھڑکی ایک زانی خلی دریاں بتاتی ہے۔ اس کلمہ سے بھی الفاظ توحیدی
پس گم رہے یہ حال اس وقت جاتا ہے جب شرک کا راہ وہ اس کا ادا کرنے بغیر انسان تک کہہ کر۔ لہذا انہی
اور وہ اس بے عقل قرار دیا جائے مگر یہ ایک ایسا منتر ہے جسے پڑھ لینے کے بعد تو شرک تو نفع دے دے نہ کر
کر لینے کے کوئی فرق پڑے اور نہ انسان کے طغوت بن جانے سے کوئی فتنہ: بود میں آئے اس کی
مغرب افادینت کے پیش نظر اب یہ جلی خروف میں ان مزامرات کے ساتھ: دیکھ دیا جاتا ہے جس سے
اللہ انسانوں کے غم کے بخوشی تفر پر کو غم و جد کرتے سرعام: کیجئے جا سکتے ہیں۔ گویا یہ گمراہ، ہر شرک
کے لئے موت کا پیغام تھا ہی شرک کے لئے اب یہ بہترین تریاق ہے:

﴿قَبِّلْهُ اللَّهُ يَنْبَغِي لَكُمْ أَنْ تَقُولُوا لَا غَيْرَ لِلَّهِ قَبِّلْ لَهُمْ﴾

حاکم اعلیٰ اور شرک

دستور پاکستان کی پیشانی پر اس کلمہ کا زبور نہیں لکھا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ ہے" مراد:
یہ ہے کہ کلمہ پڑھ لیا گیا اب آگے ہر قسم کے شرک کا راستہ صاف ہے چنانچہ دستور کے اسی دیباچہ میں
جہاں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہا گیا ہے تھوڑا آگے چل کر وہی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ:

"پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ جمہوری طرز کا ہوگا"

یہ شرک ضرور ہے مگر چونکہ کلمہ پڑھ کر کیا گیا ہے اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں ایسے بھی
دیکھتے جن میں کہ حاکم اعلیٰ کے اس لفظ کی دستور کی تفسیر کیا ہے؟ دستور اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ حاکم اعلیٰ

ایک بے ضرر رسالہ "اعزازی عہدہ" ہے جو نہ تو کسی چودا بھگوان کا ہے اور نہ ہی جیل سے چھڑا ہوا انسان کی اتوری ہوئی آجیت نہ تو کسی چودا بھگوان کو کہتی ہے۔ اور نہ سودا گار کا اور نہ قتل مہاندہ دار دے سکتی ہے اس کا فرمان بہترین انسانی اور فانی ہے مگر قانون کو جسے مگر روک سکتی ہے اور پیش لگوں اور انسانی زندگی میں جاننا جانا اور قانونی و غیر قانونی افراد پر یہ ایک باقاعدہ اختیار ہے جو اس "حاکم اعلیٰ" کو بہر حال حاصل نہیں اور وہی ہے بات ہے کہ اس کے رسول کا کام ہے اللہ اور اس کے رسول کو مذہب کے شعبے میں جو جاننا جانا ہے کہ قیمن کا پورا حق حاصل ہے مگر قانون کے شعبے میں حلال و حرام کا قیمن "حاکم اعلیٰ" کے رسول کا کام نہیں بلکہ دینا چاہیے دستور کی رو سے یہ حق اس کی مخلوق کے فرما سداں کو عطا ہے۔ شیخ کے الفاظ کا ملاحظہ ہو۔

Wherein the state shall exercise its powers and authority through the chosen representative of the people

بلکہ آئین کا آرٹیکل 4 کہتا ہے کہ ہم اور سزا کا قیمن صرف اور صرف ملک میں رائج قانون کر سکتے ہیں۔ حق اللہ اور اس کے رسول کو نہیں کہ جرم و سزا کا قیمن وہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول نے اگر کچھ کہا ہے تو وہ عوامی فرما سداں کے ہیں۔ صرف وہی اس بات کے جاننا ہیں کہ "اگر وہ چاہیں" تو "اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قانون کا درجہ دیں" نہ انہیں تو اللہ اور رسول کی بات کی وہی حیثیت ہوگی جو کسی بھی انسان کی کسی بھی قانونی تجویز یا مطالبہ کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حاکم اعلیٰ رائج قانونی دستور کی دیباچہ میں ہے مگر ضرور اسے لے کر ایوان کے سامنے عدل میں چلے جانے کی کہیں گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے یہ آئین اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ تجربہ کرنے پر مصر ہوں تو بڑے شوق سے ایسا کر دیکھیں آپ کو یہی جواب ملے گا کہ عدالتوں کو اس سے غرض نہیں کہ قرآن میں کیا آیا ہے یا حدیث میں کی کھلا ہے قرآن کی دالالت چاہئے جتنی قلمی اور واضح ہو اور حدیث کی بھی مستور ہو آپ کچھ دیکھ کر اس کی ستارہ کرتے ہیں کچھ نہیں چاہ کر لوگوں کو سنا کہیں مگر عدالت میں لاکر اس کا تقدس پامال کریں اور نہ جنوں اور دیکھاں کا دست بردار کریں کیونکہ یہی لحاظ سے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ ملک میں رائج قانون قرآن کریم کی حکم آیات سے نہیں بلکہ انگریزی قانون کی کالی کتابوں سے لیا جاتا ہے؟ کیا بھی نہیں کہ یہ بات آئین پاکستان سے منہمک ہو اور سب کی سب عدالتیں اس حاکم اعلیٰ والی آئین کشی کے خلاف چلیں رہیں ہوں جیسا کہ فریب دیا جاتا ہے کہ دستور تو اسلامی ہے مگر یہ صرف اس کے نافذ کرنے والے کرتے ہیں۔ اس کے برعکس دستور کی دفعہ (1) 268 کی میں یہ مخطا ہے کہ قانون کتاب اللہ کے بجائے انگریزی دور کے کھینچوں سے لیا جائے گا۔ جتنا بھی فریب دیا جاتا ہے مگر اس بات سے کون ناظم کے کہ عدلیہ معتقد اور قانون نافذ کرنے والے اور اسے اور افراسی قانون پر عملدرآمد کا مصلحت اٹھائے اور اس سے بدکاری کا عہد کرتے ہیں۔ قانون دان آپ کو یہی بتائیں گے کہ دستور پاکستان، اللہ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی اتاری ہوئی آیات کو قانون کا درجہ حاصل ہے۔ یہ بدیہا ہے کہ اللہ اللہ تو ہے مگر اس کو بندگی کرانے کا حق نہیں! چنانچہ دستور میں مذکور یہ حاکمیت اس کی قانون کی اطاعت اور انہیں فرمانبرداری کو تسلیم نہیں۔ نہ یہ حاکم اعلیٰ والی شے غیر اللہ کے قانون کو باطل اور غیر اللہ کی بندگی کو حرام نہ سمجھا جائے۔ سولگی آئین میں اللہ حاکم اعلیٰ ضرور ہے مگر سیاست اور قانون کے ایوانوں میں اس روٹی اور قلیل کج کامیابی سے نہیں بلکہ اس ملک کے قانون ساز خدا کی کو ہے۔ یہ حاکم اعلیٰ تو اس کا حکم دینا چاہیے کہ لے لے، بوج کے لئے، نہ عدالتیں اس کے قانون اور اس کے نازل کردہ حال ورام پر فیصلے دینے کی دستور پابند ہیں نہ شعبائے زندگی کو چلانے والے سرکاری اداروں پر اس کی آیات اور اس کے رسول کے فرمان کے سامنے سہما اور ہٹنا کہنے کی کوئی یا بندی ہے اور نہ قلمی اور شرعی شعبوں میں شرک والا دے سکتے ہیں پر کوئی قدغن۔ اس تمام شرک اور عبادت کی کلمی یا کلمی نہیں کہ باوجود اللہ تعالیٰ اس آئین کی دوست "حاکم اعلیٰ" ہے!

اللہ کی حاکمیت کا یہ نسخہ بھی کیا نہیں ہے جو سیاست کے ایوانوں کو شریعت محمدی غیر شرطا اطاعت اختیار کر کے بغیر ہی اسلام کی سند دے دیتا ہے۔ شیطان نے سمجھا دیا ہو گا کہ اگر برطانیہ کا بادشاہ امرامی کے ہر قانونی اختیار سے بھی دست ہونے کا بار جو تاج پہننے کا مجاز اور قانوناً واجب اطاعت نہ

ہونے کے باوجود حکومت شادی پر متحکم ہے تو پاکستان میں حاکم اعلیٰ کی آسامی پر انظوں کا تھیل کہیں ممکن نہیں! یہ بات آپ کو گوارا گزار سقے تو راسخو دستور پاکستان کی قانون ساز مکتوبات کے آئینی اقتدارات کا ایک نظر جائزہ لیجئے اور پھر فرمائیے برطانیہ میں بادشاہ اور پاکستان میں حاکم اعلیٰ کے امتزاجی تبدیلی میں کیا فرق ہے؟ بھارتی و قذافی مخالفین کو۔

بنا بریں یہ بات کسی خوش فہمی سے زیادہ نہیں سمجھ سکتی آئین نے اللہ کو "حاکم اعلیٰ" کہہ کر ایک بار زبان سے لکھ ادا کر دیا ہے اور اب "حاضر صرف علی کا ہی خدا ہو جائے۔ لکھ کے خطاب سے تو اپنی ترین واقفیت رکھنے والے بھی متاثر ہو سکتے ہیں کہ ہم آئین کے باب میں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہہ دینے سے کام نہیں چلتا اس سے پہلے غیر اللہ کی حاکمیت اور قانون سازی ایسے اختیار کی دونوں اور صاف صاف نفی ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو حاکم ماننے کی بات "مجاز ہو سکتی ہے۔ آج تاریخ کا چہرہ مسخ نہ کر دیا گیا ہو تو یہ بات صحیح و سادہ نہ تھی کہ پرانی قومیں بھی اللہ کو "جہو و اعلیٰ" کہنے سے انکاری نہ تھیں مسکو تو ہمیشہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کا دعویٰ تھا کہ خداوند اعلیٰ انہیں اقتدارات سونپ رکھے ہیں۔ خود انبیاء کا بھلا ان کے خداؤں سے تھا سو غیر اللہ کی بندگی اور اطاعت کی نفی پہلے ہو تو لکھ ادا ہوتا ہے ورنہ حاکم اعلیٰ کا تصور تو کبھی باعث نزاع نہیں رہا۔

﴿وَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا نَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ مِمَّنْ سَبَّحُوا بِحَمْدِ اللَّهِ فِي أَمْوَازٍ مِمَّنْ سَلَطْنَاهُ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ الْأَوَّلَ وَالْآخِرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ذَلِكُمْ دِينُ الْقَائِمِينَ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (یوسف: 60)

”کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں! وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ جسے چاہیں ہیں جو تم نے اور تمہارے اباؤ اجداد نے رکھ لے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرماؤ وہ ان کا کونسا اللہ ہے اس کی سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے واسطے کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی (دینِ قیم) غیثتِ مدہا طریقِ زندگی ہے مگر اکثر لوگ جاننے نہیں ہیں۔“

یہ تو ری غیر اللہ کے حق تشریع و قانون سازی کے انکار اور نفی کی بات جو کہ گمراہی شہادت کا جزا دل ہونے کے ناطے ناگزیر ہے پھر جب تک اللہ کی حاکمیت کے اثبات کا قائل ہے تو وہی مسرت میں قابلِ اعتبار ہے کہ اس کا فرمایا سند اور اس کا کہا قانون تسلیم ہو۔ قانون دانوں سے پوچھیے آپ کا دستور اس دوسری بات سے بھی انکاری ہے۔

اگر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو دستور ناقابلِ ترسیم قلیل اور ناقابلِ تفسیر قانون اور آبرو نہیں ہے بالآخر آئین نہ مانا جائے تو اس کی حاکمیت کا دعویٰ کل کوئی شرط تک پوری نہیں کرتا اس کی شریعت کو غیر شرطہ اور اہل قانون مانے بغیر اسے حاکم اعلیٰ کا خطاب دینا ایک بات ہے اللہ کو رب ماننا مگر اس کے نازل شدہ حکم کو حق قانون کا دعوہ نہ دینا شعبہ سیاست کا محض لٹریچر کی لائی ہوئی بدایت کا دستور کی طور پر پابند نہ ہونا مگر مذہبی طور پر آپ کو رسول کہنا وہ بدترین مذاق ہے جو اس سیکولر ایمان میں پورے دستوری اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ تو ایسا ہے کہ آپ کسی کو قیام نہیں مگر اسے فیصلے کرنے کا حق دینے پر تیار نہ ہوں دینا جس آپ کسی سے مذاق کرنے کے رواں دواں نہیں تو پھر الگ الگ الگ کے سنا سے کسی تہ پر یہ جرأت کر لی جاتی ہے؟

﴿فَلَا رُءُوسَكَ لَا يَمُوتُونَ حَتَّى يَحْكُمَوكَ فَخُبِّرْهُمْ بِنُصْحِهِمْ ثُمَّ لَا يَمُوتُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى مَضَى قَضَاؤُهُمْ وَبَسُّوهُمُ أَتَمْلِكُهُمْ﴾ [النساء: 65]،
”میں اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ نے اپنی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو تم فیصلہ کرو اس پر آپوں میں کوئی شک (تک) نہیں نہ کریں بلکہ سر تسلیم کر لیں“

کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی!

جہاں تک آئین کی مشورہ ماندہ دفعہ (A) (227) کا تعلق ہے جس کا حوالہ جمہوری اسلام پسند حضرات اکثر دیا کرتے ہیں یعنی:

”جو چاہے تو آئین کو کتاب و سنت کی تعلیمات کی مطابقت میں لا یا جائے گا اور کوئی قانون ان

تقدیمات کے خلاف نہ بنا جائے گا۔

تو اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس دفعہ کئے جانے کے بعد اسلام اب اس ملک میں دھرم نہیں رہا بلکہ دین کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے خلاف اسلام قوانین اب یہاں کوڑی کتنیں رہے تو آپ کی مخالفتی ہے دستور میں ایسا کچھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر آپ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ قوانین تو قرآن کا کوئی بھی ایسا نکتہ اور قطعی حکم یا اہمیت عدل میں پیش کر دیکھتے جرح کی مانع قانون سے مضامین ہو آپ کو یہ جواب دے گا کہ آپ صرف اپنی من پسند دعاؤں دیکھنے کے عادی ہیں پورا دستور میں پڑھئے درود دستور میں جاہلی قانون ساز عہد اس کا ذکر دیکھتے تو خلف اس خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ اور انہیں تو صرف دفعہ (1) 268 دیکھ رہی ہوئی جب بھی یہ شکایت نہ ہو سکتی تھی ذرا اس دفعہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور پھر دیکھئے کہ دفعہ (A) 227 کا کیا مطلب رہ جاتا۔

Except as provide by this Artcall, all existing laws shall, subject to the constitution, continue in force, so far as applicable and with the necessary adaptation, until altered, repealed or amended by the appropriate Legislature.

ترجمہ: جو جیسا کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے تمام موجودہ قوانین اس دستور کے تابع جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری تعلق کے ساتھ اس وقت تک بدستور نافذ رہیں گے جب تک مناسب مقدمہ انہیں تبدیل یا منسوخ نہ کر دے یا ان میں ترمیم نہ کر دے۔ (ترجمہ از حکومت پاکستان وزارت جہد و دیار ایرانی امور شیعہ عدل ص 167)

دوسری بات یہ کہ (1) 227 کے کہنا کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف کوئی قانون صادر نہ ہوگا ایک خوش کن اور امید افزا بات ضرور ہے مگر اس سے متصل بعد کی شق پڑھیں تو اس کا سارا عہر کرکرا ہوتا ہے چنانچہ آرٹیکل (1) 227 میں مذکور اس خوشبات کی عملی تفسیر صرف اور صرف آرٹیکل 228(4) کے صورت میں کی جاسکتی ہے اب ذرا (4) 230 کے پڑھئے تو معلوم ہوگا

کہ کسی قانون کے خلاف اسلام ہونے کا تو فی اسلامی نظریاتی کونسل کی مہر لگ کر بھی آجائے تو ایسا قانون پاس کرے وقت پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں کی نظریاتی کونسل کی یہ پورٹ مد نظر رکھتی ہوگی۔ غور فرمائیے۔۔۔ صرف مد نظر رکھتی ہوگی! یعنی وہ اسے ماننے کا ارادہ نہیں اس میں وہ پوری طرح آزاد ہے۔۔۔ جبکہ (3) 230 کی رو سے اسے اس نظریاتی کونسل کے فتویٰ کا اختیار ہے بغیر بھی یہ قانون پاس کر سکتی ہیں۔ پاس ہو جانے کے بعد یہ قانون اگر نظریاتی کونسل کی نظر میں خلاف اسلام منظر آئے تو اس صورت میں صدر یا گورنر کو صرف اتنی زحمت کرنی ہوگی کہ اس قانون پر نظر ثانی کر لیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔۔۔ نظر ثانی کر لیں! یعنی نظر ثانی کے بعد بھی اس خلاف اسلام قانون کا برقرار رہنا ضرر ہو جائے تو اس کی پوری آزادی ہے اب بتائیے (1) 227 سے جو امید افزا بات ملتی تھی وہ (4) 230 تک پہنچ کر کیا ہے کیا ہو گئی؟

تیسری بات یہ کہ دستور میں جو (1) 227 کو نوٹ مسمیٰ کرنے کے باوجود اختلافات کئے گئے ہیں خود جمہوری اسلام پسند بھی اس سے راز واقف نہیں۔ درنہ جہاں ملک کے اعلیٰ عدالتیں صدر مملکت تک کے خلاف آئین انکسار کا حکم قرار دے دیتی ہیں وہاں ہمارے اسلام پسند بھی تو آئے روز پاس ہونے والے خلاف اسلام قوانین کو (1) 227 کا حوالہ دے کر چیلنج کر سکتے تھے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف قانون صادر نہ ہونا آئین کی خلاف ورزی ہے مگر کیا اب جب کہ جمہوری اسلام پسند حضرات ان "اسلامی دفعات" کے سب حوالے لے کر ان پر عوام کے سامنے تو خوب دیتے ہیں مگر کسی کو یہ بہت نہیں پڑتی کہ ان قوانین کو لے کر عدالتوں میں جائے اور اسلام قوانین کا کلام کرا لے؟ اب بھی اگر کسی کو یہ ذمہ ہے تو وہ اس آئین خلاف ورزی کو چیلنج کر سکتا ہے سنا ہے عدالتیں آج کل آئین کی بالادستی قائم کرنے پر تکی ہوئی ہیں!

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس شق سے خلاف اسلام قانون کا راستہ بند ہو گیا ہے تو کیا خلاف اسلام دستور یا دستور ترمیم کی بات کوئی ایسا بندوبست موجود ہے؟ چلئے قانون کی حد تک تو یہ بیان کر لیا گیا آئین پر وزارت اوقاف بھی خلاف اسلام ہونے کی صورت میں کوئی پابندی نہیں

۱۔ جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نظام پاکستان یا ریفرنڈم کو دو تہائی اکثریت سے کسی بھی بلاترسلہ کے بغیر آئین میں اضافہ یا ترمیم کا مطلق انسان اختیار محفوظ کرتا ہے (اور سب قوانین ایسے اختیار کے استعمال کی صورت میں ایک جنٹل ترمیم پر بھی ہو سکتے ہیں اور منسوخ بھی) تو اس حقیقت سے کون قانون دان انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان کے چھوٹے خداوند تہائی اکثریت سے حاکم اعلیٰ ہی کو ممبروں کر کے کا پورا پورا اختیار رکھتے ہیں؟ اس بات کو چھٹلا کر ممکن نہیں کہ آئین کے آرٹیکل 238 کی رو سے پارلیمنٹ قوانین میں اضافہ و ترمیم کا جو مطلق انسان اختیار حاصل ہے۔ حاکم اعلیٰ کی معزولی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یوں اخلافاً وہ اس اختیار کو برتے تو اس کی ممبرانیت اور نہ اس کا دستور کی طور پر پورا حق حاصل ہے اسلامی قوانین پر خوش ہونے والے یہ قوتاً نہیں کہ یہ نہایت اسلام کب سے بنا ہے کہ دیوتاؤں کے چہرہ بدلنے پر آئین کو برائے نام حصہ سے بھی مبادیلات کی چھٹی کروادیں؟

شرعی عدالت کا وجود

دستور میں وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خلاف اسلام قوانین کا جائزہ لے اور ان کو اسلام کے مطابق تبدیل کرنے کے لئے دستور کی طریق کار کا پانچواں قانون سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ قانونی زبان میں کوئی چیز ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے لے لینا ایک آسان کام ہے۔ آئین دیکھتے ہیں دستور اپنی اس بڑھک کو کس انداز سے واپس لیتا ہے۔

(1) آرٹیکل 203(C) کی رو سے مندرجہ ذیل قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے دیئے ہوئے ہیں۔ لہذا یہ مقدس جھنڈی کی طرف شرعی عدالت آگے اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی:

(۱) آئین پنہاں (جو کہ حقوق کے اختیارات کی سند دہندہ ہے)۔

(2) مسلم عائلی قوانین۔

(3) عدالت کی طریقہ کار۔

(4) عائلی قوانین (جس میں سولہ لاری اور پرائمری عدالت ہیں)

کتاب السنن الاصلی

(5) گیس و فیصل قوانین اور

(6) بینکاری و برائشوں کے طریق کار۔

ہائے شرعی عدالت کے پاس کیا جاسے جسے غیر اسلامی قرار دے کر اس نظام کی کڑھ کوئی کا بھرم کھد سکے؟ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی کہے کہ میں کھڑے ہو کر فلاں فلاں شے میرے ہاں افساد اور اس کے رسول کی شریعت سے منہ کی ہوں کہ اور ان تمام شعبوں میں وہ غیر اللہ کی ہدایت پر چلنے کا عجز ہوگا!

(۲) اس کے بعد بھی اگر نظام شرک کے مفادات پر زور پڑنے کی کوئی گنجائش رہ گئی ہو تو اس کا سد باب کرنے کے لئے آئین کہا ہے کہ آرٹیکل 203(D) پر priviso اور آرٹیکل 203 F کی رو سے شرعی عدالت کا ہر فیصلہ سہریم کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے جہاں وہ تبدیل بھی ہو سکتا ہے اور منسوخ بھی۔ اس بات کے بے شمار ملل مظاہرہ کئے دوڑ کیسے مش آتے ہیں۔ نواز شریف دور میں خود کے خلاف شرعی عدالت کا فیصلہ سہریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا اقتدار بھی اکثر لوگوں کو یاد ہوگا۔

تو آئے اسلام پسندوں کے ہاتھ آیا تو کیا؟

اگر سواد کے خلاف شرعی عدالتوں کا فیصلہ وفاقی اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی تھا اور کون جانتا کہ اللہ نے سواد کو حرام کر رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چیلنج کرنا کیا واضح ترین شرک اور ارتداد نہیں؟ کیا ہر کفر صرف نواز شریف کے نامہ سیاہ تک محدود ہے جس نے اللہ کا یہ حکم چیلنج کیا تھا انسان کی اصل جڑ وہ آئین ہے جو ایک طرف اسے چیلنج کرنے کا اختیار دیتا ہے اور دوسری طرف سہریم کورٹ کے حکم منسوخ کرنے کا اس بات پر اگر نواز شریف دشمن اسلام پسند تھے تو اس نظام اور دستور کے لئے آپ کیا تجویز کرتے ہیں جواز کے خلاف اس طرح کی ہر نہایت میں سند کے طور پر کام آتا ہے؟

کیا آپ اللہ کے شریک منتخب کرنے کے لئے تیار ہیں؟

یہ تو حق مختصر و مفاد ان دفعات کی جو پاکستان کی جمہوریت کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے سند کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ انہی کے بل کو پڑے یہ فرار یا جاتا ہے کہ جمہوریت شرک تو ہے مگر وہ

مشرقی جمہوریت ہے جو کہ حاکمیت اور فرمانروائی کا حق جمہور یا نمایندگان جمہور کی تفویض کرتی ہے جبکہ ہماری جمہوریت کلمہ چھ جگہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو "حاکم اعلیٰ" تسلیم کر لیا گیا ہے۔ دلیل کے طور پر ان دفعات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن پر ہم نے گزشتہ صفحات میں بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حاکمیت اور حق تشريع (قانون سازی) کا لازم و ملزوم ہیں۔ حاکم آپ اللہ کو مائیں مگر قانون غیر اللہ کا ہو تو شرک ہی ہے۔ جب تک یہ فرق باقی ہے شرک ہی باقی رہے گا تاکہ مذہب کے حلال و حرام خود بخود قانون کے حلال و حرام کا تصور نہ بنے۔ مذہب کے حلال و حرام جب تک قانون کے حلال و حرام کا وجہ پانے کے لئے کسی انسان کی مرضی اور مذاکعات نہ بن جائیں گے جب تک کہ دنیا میں "مذہب" دین اسلام کہلا سکتے گا اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ایسا "کلمہ" کوئی کام دے گا۔

اس بات میں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ وہ انسان جس کی مرضی پر اللہ کی شریعت کو قانون کا درجہ دینا یا نہ دینا دستوراً متوفی ہو رہا ہے کہ ہم کہلاتا ہے (اس میں ایمان نہیں آتا) "ہر دو دین جبرائیل سے حد بندی یا کر کہلے طاغوت ہوتی ہے چاہے یہ معبود ہو یا جیش یا واجب اطاعت اس بنا پر ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر غصے کرتے ہوں یا اس کی پرستش کرتے ہوں یا آسمانی بصیرت کے بغیر اس کے پیچھے چلتے ہوں یا ان امور میں اس کی اطاعت کرتے ہوں جنہیں وہ جانتے ہوں کہ یہ اللہ کی اطاعت نہیں (یعنی) معجزہ امام محمد بن عبدالمطلب کے بعد "طاغوت کا لفظ عام ہے چنانچہ ہر دفعہ جو اللہ کے علاوہ چھا جاتا ہے اور دینی اس عبادت پر مبنی ہے چاہے وہ معبود ہوں کے ہو یا شیطان کے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے نیاز واجب اطاعت بن کے ہو" طاغوت ہوتا ہے" (النجاشی المفردہ 265) پچھلے صفحات کی بحث سے قویہ واضح ہو جاتا چاہئے کہ پاکستان کے سیاسی شعبے میں اللہ کی ہمسرہ ہستی ہیں جو قانون سازی کا حق رکھتی ہیں۔ اب ہم آپ کو ان امتیازوں کے تمدنی اختیارات کی کچھ تفصیل بتاتے ہیں۔

دلیل میں آپ جو جانشین پڑھیں گے وہ صرف اور صرف ان اختیارات سے متعلق ہیں جو آئین کی رو سے فی الواقع جاریت ہیں۔ رہا اختیارات کا ناجائز استعمال اور کہ آئین کی حدود سے تجاوزات

کا۔ معاملہ وہ ہر نظام میں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ممکن ہے۔ نظام اسلامی ہوتا بھی نفس و فوج کا امکان طعن نہیں ہو جاتا اور اگر شرکاء نہ ہوتے بھی انسانوں کی غیر آئینی رست بردار اور قانونیت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

چونکہ اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے نہ اسلامی نظام غیر اسلامی ہو جاتا ہے (خارج کے مذہب کے برعکس) اور نہ غیر اسلامی نظام حکم بدل کر کھار دیتا ہے اس لئے اختیارات کی باعینی اپنی سرے سے ہمارا "موضوع نہیں" ہم صرف ان تمدنی اختیارات کی نشان دہی کریں گے جو قانونی ہے تاکہ اس کے سرے میں ہم طور نہیں آتے بلکہ آئینی اور دستوری طور پر ان کو باقاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے اور جب یہ دستور تسلیم کیا جاتا ہے تو اس شرک کو عملی کو امتیاز کا نام دینا سوائے جہالت یا فریب کاری کے اور کچھ نہیں۔

اب جہاں قانون سازی (Legislation) ان کے مطلق اختیارات (Absolute powers) کا تعلق ہے تو پاکستان کا جمہوری دستور ان سے بھرا پڑا ہے۔ اس کے لئے کوئی ایک وفد نہیں بلکہ دستوری اجواب تک نہیں ہیں خصوصاً:

Legislative procedure- قانون سازی کا پورے پورے آرٹیکل 70-77

Finacial procedure- مالیاتی پروسچر

President's and Governors Ordinance- صدر اور گورنرز

کے آرڈیننس (آرٹیکل 141-144)

Amendmend of Constitution- دستور کی ترمیم سازی (آرٹیکل

238-239)

Powers of President- صدر کے اختیارات (آرٹیکل 267)

Concurrent list legislative list- متفقہ دائرہ اختیارات میں آنے

والے امور (Forth Schedules)

یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ ان قانونوں کو جن امور میں قانون کا حق حاصل ہے آئین کے Schedule Fourth میں 'legislative list' خاص کر Concurrent list کی رو سے اس میں صرف By Laws ہیں (جن کا نام کے زیر مسلمانوں کو رکھا گیا جاتا ہے) کیا فریک کے قوانین بھی قرآن وحدیث سے لئے جائیں گے) بلکہ مذکورہ موت کے تمام معاملات پر مستقل تعزیریاتی، ایالتی، سیاسی، اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور انسانی الاقی سمیت سب ہی نظام آتے ہیں اور یہ قانون سازی بلکہ دستور سازی اللہ کے نازل کردہ احکامات کی کسی بالاتر سند کی بدوراست نہیں کہ آپ متفقہ (یعنی قانون ساز سبایاں) سے اختیار کر سکیں کہ یہ حکم آپ نے کس آیت یا حدیث سے لیا ہے؟ اگر قانون دان پورے دستور میں کسی ایسی بالاتر سند کی نشان دہی کر سکیں تو ہمارے علم میں اضافہ ہوگا۔

ملکی دستور میں عوامی نمائندوں کے یہ اختیارات دیکھ کر آپ بخوبی اعجازہ کر سکتے ہیں کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کو عین وہی اختیارات حاصل ہیں جو دنیا کی کسی بھی جمہوریت میں پارلیمنٹ کے لئے عطا ہو کر رہی ہیں۔ دستور کے ان تمام مذکورہ ابواب اور دفعات کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں البتہ اس کے صرف ایک باب (legislative procedure) قانون سازی کا پرچہ ہے (آرٹیکل 77 تا 79) عملی اطلاقی کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فرض کیجئے کہی اسلام پسند ممبر پارلیمنٹ نے پارلیمنٹ میں کوئی بل پیش کیا مثال کے طور پر وہ بل کے ذریعے سود کو ناجائز دلوایا جاتا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں آئین کے legislative procedure کی رو سے اس بل کو کفر کے تحت مراحل سے گزرنا ہوگا۔ قانون دانوں کو اس سے ہرگز انکار نہ ہوگا۔

(۱) پہلا گزرتا ہے کہ جو قانون چند دو سو سال پہلے نازل ہوا تھا اور اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل ہوا یعنی اس کے قانون کی دلیل تھا، اور اس کے نازل ہونے سے اگلے لئے اسے بطور قانون ماننے میں تھوڑی سی دیر پیش بھی ایسا واضح ترین کفر کی اس میں شک کرنے والا بھی کافر ہوتا اور عمر رضی اللہ عنہ کی کوہو بھی کسی آنکھ پر دستہ کا انتظار کے بغیر بھی کسی کی تیزی سے چل جاتی اس قانون کو

پاکستان کا نظام سر سے قانون کی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسے قانون بننا ہو تو اس کی چیز کا جوش کیا جائے؟ اب ذرا ان 'اسلام پسندوں' کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی تلمیذوں کی رائے معلوم کریں جو اللہ کے حکم کو ایک ایسے بل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جو ابھی تو نہیں تب قانون بنے گا جب پارلیمنٹ منظور کرے گی۔

(2) چلے قرآن کی آیت کی یہ حیثیت تو نہیں کہ اسے قانون تصور کیا جائے اور یوں اس کا بل کی صورت میں عوامی ان سرکار میں پیش ہونا غبر کیا ہے تو کم از کم اتنی قربانی ہو کہ اسے ایوان کے منتخب رکن کی تحریک کے بغیر ہی وہ پارلیمنٹ حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سو اگر منتخب رکن کے علاوہ دیگر کوئی آدمی اللہ کے حکم کو ایک بل کی ہی ذلت سے ہی پیش کرنا چاہتے تو آئین کی نظر میں یہ کفر صرف منتخب ممبر ہی کر سکتا ہے۔ ان کے ہاں اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی سفارش کے بغیر ایوان میں گھسا چلا آئے! آخر ایوان کے تقدس کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں! اب جب تک ممبر بازار حسن کا ایک مطالبہ بھی بل کی صورت میں پیش کر سکتا ہے اور اللہ کے حکم کا بل بھی تو تباہی تشریفات کی کیا الگ خصوصیت رہتی؟

(3) سود کی حرمت کو قانون کی سند لانے کے لئے جو یہ بل پیش ہوا اگر ہاؤس کے ضابطہ کار (Procedure) کے مطابق ہے اور عطا ہے، آئین میں بھی کوئی ایوان میں مجبھ کے لئے منظور ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بل دستور یا ایوان کے ضابطہ کار کے مطابق نہ ہو تو یہ بل کے رد کے بھی کوئی پہنچ سکے گا۔ نتیجہ اس پر بحث تک نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں ایوان اس پر بات تک کرنا پسند نہیں کرتا (مابعد ہے نظیر دور میں ایک "غیر متناہ اسلام پسند" جبے جو موت کی سکرانی کے خلاف تحریک پیش کی تھی تو اسے یہ جواب ملا تھا کہ کڑ بان بندر کوئی بچہ کیا؟ آئین کے خلاف ہے) تباہی کفر نام ہے جس کو دیکھا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں "زیادتی النکر" کی دو باتیں خاص طور پر ملاحظہ ہوں۔

کیا فرماتے ہیں علامہ دین دستور دار ایوان کے ضابطہ کار کی اس جگہ کے بارے میں کہ قرآن اور حدیث کو جس کے مطابق ہونا ضروری ہو؟ اور اگر اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ان کے مطابق نہ

ہونے کی جرأت کر لی تو ان کی بات سننے تک کے قابل نہیں اور خلاف ضابطہ قرار دے دی جائے گی۔" انھیں
سے شمار سے آئیں پر تمہارا یہ ایمان ہے اس کے تقدس پر اور اس کے ضابطہ کار پر اظہار کلمہ و التعلیم ان میں
و ان اللہ

ب۔ اگر قرآن احد بحث کی قسمت اچھی نکل آئی اور اسے دستور دار ایمان کے ضابطہ کار
procedure کے مطابق ثابت کر دیا گیا (ایسا ثابت کرنا ان کا ایمان بھی ملاحظہ فرمائیں) اور پھر
استیجاریہ میں نے یہ رد لکھا دینے کی مہربانی بھی کر دی تو اسے سچا کیا ہوگا؟ شریعت بحث کے لئے
"نکور ہو جائے گی" جبکہ ابھی شریعت کے امتحان اور بھی ہیں! یہ امتحان کبیر کے شریعت یہ دیکھے جانے
کے قابل ہو جائے گی کہ آیا یہ قانون بننے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟ تاہم اس ایمان کے کفر میں شک
کرنے والے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں اور اس ایمان میں جیسے والے "اسلام پسند" یہ
ذلت کی نظر میں اسلام کے نام پر وصول کرتے ہیں اور عرض سے اترے ہوئے ہیں کہ اس کھلی ایمان
میں اپنے ساتھ ذلت کی ہیکل تنکوائے ہیں تو ان کے لئے آپ کے ایمان کی غیرت کیا مزاج توجیز کرنی
ہے؟ یہ آپ کا بھی امتحان ہے!

(4) اب اس ایمان میں بحث شروع ہو جائے گی۔ اس بات پر کہ زمین و آسمان کے مالک
کی بات کو قانون کا عیدہ پایا جائے یا نہ!

ایمان کے تقدس کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آئین کے
Legislative Procedure میں ہمیں بھی کوئی اشارہ تک نہیں کر کوئی "اسلامی" نکتہ پیش ہوتا
صرف کلرک کو بھران ہی اس پر رائے زنی کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس لئے جب یہ بحث شروع ہو جائیگی
تو یہ ہے تو "مسلمان" ممبران کی بھی بھانت بھانت کی کفریہ بولیاں سننے کو پڑیں گے، اللہ کے نام پر دوا اس
کا کہ گداہی میں شریعت کے چند گندے ڈالے کے سلسلے پر جسے سالک بھی اظہار خیال فرمائے گا۔ بہرام ڈی
آوری بھی "ولا لک" دے گا اور ہندو، قادیانی، دیگر اقلیت کا فزحی اناف زنی کر سکیں گے۔ یہ بحث ارکان
کی ٹوک جھونک، جھجھکوں اور بیت بازی کے ساتھ ہمیر جھپٹتی رہے یا اس سے زیادہ طول

بلا جائے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال تو کم ہر روز ایمان کی کاروائی کی جھلکیاں اخبار میں پڑھنے کو پیش
رہیں گی۔ کہتے چاہئے کیا یہ حرف فی آیات اللہ میں ہے؟ (لاحظہ ہو سورۃ العنکاب 42، سورۃ الفرقان

3، سورۃ الانعام 68)

(5) "معزز ارکان" اللہ کے حکم کے بارے میں اپنی اپنی "ناقص رائے" کے اظہار سے فارغ
نہ ہو سکیں تو ایمان میں رائے شاری Voting کا صراطِ ریشی ہوگا۔ شریعت کے لئے یہ وقت سب سے
کٹھن ہے۔ اس کے اندر وہ جانے کے لئے سرکاری ہے کہ ارکان کی نصف سے اوپر تعداد اسے قانون
کے ضابطوں (Acts) میں کیسے داخلہ دلا دیں گی۔ لیکن اگر سنجیدگی کی نظر میں شریعت Qualify نہ کر سکی
تو اسے سر نیچا کر کے ایمان صدر سے اٹھا ہوگا اور سجدہ ہی میں قیام کرنا ہوگا۔

﴿لَا لَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ، الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيُهِنُوا عِزًّا وَ
هَمَّ بِالْعُرْوَةِ هُمْ كَافِرُونَ ، أُولَئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ لِي الْأَرْضِ﴾ [ہود: 18]۔

ترجمہ: منوعدہ کی لغت ہے ظالموں پر۔۔۔ ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو
روکنے ہیں اس کے راستے کو خیر حاکم چاہتیں ہیں، اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ زمین میں اللہ کو
بے بس کرنے والے نہ تھے۔

"عن جابر رضى الله عنه ، قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله
وكتابه وشاهديه وقال هم سواء" (صحیح مسلم)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لغت کی سوکھانے والے
پر نکالنے والے پر مودی کہا کہ کھینچنے والے پر اور مودی معاملہ کے دونوں گواہوں پر اور فرمایا یہ سب ایک
برابر ہیں۔

اس میں جو کفر ہے وہ تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تاہم کفر اور کفر یہ ہے کہ ارکان کی رائے
شاری جبکہ بحث کے بعد ہوگی تو اگر فیصلہ کر لیا جائے کہ وہ اللہ کے حکم سے ہمال تھے۔۔۔ اگرچہ
سودی کی حرمت ضرورت دین میں ہے۔ ہے اور اس میں غلطی ویسے ہی عذر دیں۔۔۔ تو بھی اب بحث

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کسی بھی حکم کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرنے کا معنا ہے۔ پھر ایک اختیار کی بات ہے تاکہ ایسے متغیروں اور حالات پر مبنی آئین کے احترام سے اسلام کیسے بانی رہ جائے گا؟۔

(ب) Legislative Procedure ای کی رو سے پانچ صفت مذکورہ طریق کار سے مطابقت رکھتی ہے۔ کوئی قانون دان اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ ان قابل تبدیل و متغیر قوانین میں "اسلامی" حواشی بھی آتی ہیں اس لئے پارلیمنٹ نے جو یہ بھی "اسلامی" قانون منظور کیا ہے یہ قابل تنقید ہے، چاہے ایسا عمل میں آئے یا نہ آئے پارلیمنٹ کا یہ حق بہر حال محفوظ رہتا ہے جب پارلیمنٹ نے جو قانون پاس کیا ہے وہ اگر شریعت ہے تو تائید بھی آخر ازلہ کی کیا قیامت شریعت کو منسوخ کرنے کا آئین حق رکھنے والا کون، تاہم؟ اور اس کے لئے یہ تسلیم کر لینے کے بعد شریعت میں کیا حکم ہے؟

دین اور نظام مملکت کی تقسیم..... سیکولرزم

سیکولرزم اس پوری دنیا میں رائج غیبت ترین فکر ہے۔ ہمارے ہاں اسے عموماً کیونزم کا نام دیا جاتا ہے۔ دین و دنیا کی علیحدگی کے لئے جو کچھ بھی ہو گا جبکہ یہ دنیا کا ایک ایسا انوکھا کفر ہے جو مذہب کا انکار کرنے کے بجائے نہ صرف دین انسان کی ضرورت تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کے احترام کا بھی پھر پروردگار کا ہے۔ دین کے اس احترام کی خاطر..... کہ یہ لوگوں کے لئے بوجھ نہ بن جائے، تصادم کا سبب بھی نہ بنے اور دنیا داری میں پڑ کر بے اثر ہو جائے۔۔۔۔۔ صرف اتنی جسارت کرتا ہے کہ دین کا مناسب مقام متعین ہو جائے جو دینے تو مسجد گرجا یا مندر ہے تاہم سوسائٹی میں بھی اسے ایک پرامنیٹ مسئلہ کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ یوں سیکولرزم دین کو بڑے احترام سے انفرادی زندگی کی گہلی ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ سیکولرزم کسی بھی ملک میں رائج محرم کے تہودوں، رسم و رواج اور شادی بیاہ ایسے طور طریقوں کا آئینی طور پر پھر پر احترام کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر شرعی مذہب کو بغض اوقات اگر یہ حق بھی دے دیا جائے کہ صدر یا وزیر اعظم اکثریتی مذہب سے ہو گا اوقات عبادت خانوں کی تعمیر و ترمیم اور

اس کی روحانی کتابوں کی طباعت کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے، اخباروں میں، جی ٹی وی اور ریڈیو میں پھر روحانی پروگرام "بصیرت" وغیرہ کا بڑی عقیدت سے اہتمام نہتا ہو کر نظام مملکت اور کاروبار حیات میں دین کا داخل نہ ہو سکے کچھ دہائیوں کے بعد اسلام کا راج ہے۔ نتیجہ اس نظام میں اندک وابتائی نظام زندگی سے باہر باہر اور موجود مانا جاتا ہے بار بار است اور اسٹیبلشمنٹ کے میدان میں تو "الحکم شرک" بشرط احکام سن الدین یا سن یازم یا نہ۔

اچھے مصلوں کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ پاکستان میں دین کو سیاست سے کیسے بے دخل کیا جاسکتا ہے۔ نہ جانے اسی سادہ بات بخفی مشکل کیوں ہو گئی کہ جب آئین و نظام سازی عملی حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر سجاد اور تقریبات کو جانے کے سوا معاشرے میں دین کا کوئی معرک ہی نہیں رہتا۔ رہا نظام و قانون کا معاملہ تو جب اصولی طے ہو جائے کہ جو ن وہ کیلئے گا جو پارلیمنٹ پاس کرے، تو پھر قانون کا رتبہ پانے کے لئے شریعت کا نہ تو اقتدار رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا کافی ہوا، نہ جبریل کا لے کر آتا اور نہ محمد ﷺ کا ایلان نہ دینا نہ قرآن میں بیان ہوا اور نہ بخاری و مسلم میں روایت ہوتا۔ یہ سب کچھ سرائیوں کے ہونے کے باوجود پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر قانون کے ورے کو نہیں پہنچتا۔ پھر جب یہ حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو وہ قرآن کی ایک آیت کو بھی قانون کا دینا ہی درجہ عطا کر سکتی ہے جیسا فلم انڈسٹری کی ایک فلم نے دکھانے کے لئے کیا۔

یوں پارلیمنٹ کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس کی اور قرآن کی قانونی پوزیشن اس نظام میں ایک سی ہوتی ہے۔ قانون دان "کلنگ" کے کام سے لیں تو اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ ای کی کو کو امر کرنے کے لئے آئین کے بنیادی حقوق کا بائیں سیکولرزم کے اس مشہور معروف عقیدے کا وہ ہو گا اس سے کہ کسی انسان پر اگر کوئی پابندی ہو سکتی ہے تو وہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہے، اس کے باہر انسان کو ہر معاملے میں آزادی کی ضمانت اس کا بنیادی حق ہے۔ اس بنا پر حقوق و فرامین (آپ بے گناہ ہونا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں حلال و حرام) قانون کی نظر میں دو ہوتے ہیں جو آئین اور قانون کو مقرر کرے۔ پھر آئین آرٹیکل 4 سیکولرزم کے اس بنیادی فلسفے کا نظریہ بظاہر ترجمہ ہے کہ جرم اور

«السم والى الذئب اوسوا نصيباً من الكتاب يؤمنون بالحيث والطاعون
ويقولون للذين كفروا هذلاء اهدى من الذين آمنوا سبيلاً» اور لکب الذئب لعلم الله
وهو يلعن الله فلن نجد له نصراً ﴿۵۲﴾ لهم نصيب من الملك فاذا لا يوتون السام
نضروا النساء ﴿۵۳﴾ 51-52-53

”یافئ من ان انزل یؤنی دینا نہیں کتاب کے علم میں سے کہ جو حصہ دیا گیا ہے اور ان کا
حال یہ ہے کہ جہت ”طاعون“ سے مانتے ہیں اور کافروں کے تعلق کچھ ہیں کیا ایمان لانے والوں
سے جو تکیہ نہ دیتا راستہ پر ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے سختی ہے اور جس پر اللہ لعنت
نزد سے بچ رہا۔ ان کا کوئی دکان نہیں پائے گی۔ کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہو تو یہ
دوسروں کو ایسا چوٹی کوڑی بھی نہ دیتے“

«والله ولى الذئب اوسوا يحوجهم من الظلمات الى النور والذين كفروا
اولياؤهم الطاعون يحوجهم من النور الى الظلمات اولئك اصحاب النار هم
فيها خالدون» (العنبر: 257)

”جو اوسا بات آتے ہیں ان کا حامی دکانہ اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف
اگال لائے اور ان کے تکیہ کر کے ان کے حامی دکانہ اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی
سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں تاکہ ہم جانے والے لوگ ہیں یہ پیشہ ہیں کے۔“

طاغوت کی تحریر

امام جعفری رحمہ اللہ: ”ظلمات اور تاریکی کا ہر طرف طاغوت ہے۔“

امام طبری رحمہ اللہ: ”حد بھری سے سرکش یا تادہ ہر شخص طاغوت ہے۔“

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہر وہ چیز جو انسان سے حد بھری پاد کر اوسے طاغوت
ہوتی ہے۔ چاہے معبود ہو یا چیز یا خدا جب طاغوت اس بنا پر ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا جس سے وہ اللہ
اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر نیکے کرتے ہوں یا ان کی پرستش کرتے ہوں یا آسمانی بعیرت کے پیرو

اس کے پیچھے چلتے ہیں یا ان امور میں اس کی اطاعت کرتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہوں کہ یہ اللہ کی
اطاعت نہیں ہے۔“ (فتح المیہ: 18)

امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے بقول: ”یاد رکھیے لفظ طاغوت میں معصیت پائی جاتی ہے
چنانچہ ہر وہ شخص جو اللہ کے علاوہ پوجا جاتا ہے اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہے چاہے وہ معبود ہوں گے
ہو یا شیطان کے ہو یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے نیاز ہو جب طاغوت ہوں گے کہ
”طاغوت“ کہتا ہے۔ یوں تو طاغوت بہت سارے ہیں مگر ان کے سرے پائے جاتے ہیں۔

پہلا: شیطان ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:
﴿والهم اعبدوا البکم بما نسی آدم ان لا تعبدوا الشیطان انه لکم عدو مبین﴾
(یونس: 60)۔

”اے اولاد آدم! کیا تم نے تجھ سے کہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجو نہ تمہارا کھانا کھیں ہے۔“
دوسرا: وہ ظالم مگر ان جو اللہ کے حکم پر قرآن میں کیلہ اور احکام لایا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:
﴿والهم نزل الی الذین یؤمنون انہم آمنوا بما نزل الیک وما نزل من قبلک
یریدون ان یضحاکم﴾ الی الطاعون وقد امرنا ان نکفر واما یرید الشیطان ان
یضلکم خللاً بعداً﴾ (النساء: 60)۔

”اے نبی ﷺ تم نے دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس
کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئی ہیں مگر چاہتے
ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے
کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھکا کر راہ راست سے بہت دور لے جاتا ہے۔“
تیسرا: جو اللہ کے راستے ہوئی دین کے ماسوا قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس کی دلیل
آیت ہے:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فالنک ہم الکفرون﴾ (مائدہ: 44)۔

"جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔"

(اس کے بعد امام صاحب چوتھا اور پانچواں طاغوت ذکر کرتے ہیں جو بالترتیب علم نبک باہی اور اپنی پرستش کرانے والا ہو) پھر فرماتے ہیں

"یہ جان لینا ضروری ہے کہ انسان اس وقت تک اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے کہ جب تک طاغوت کے ساتھ کفر نہ کرے۔ اس کی بے قرانی کی یہ آیت ہے:

"لَنْ نَقْبَحَكَ بِكَوْنِكَ بِالْمُطَاغُوتِ وَبِذُنِّ مَالِهِ فَفَدَا سَمْسُكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُطُوغِي لَانْقِصَامِ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِعَ عَلَيَّ ۝۲۵ (الفرغ: 25)۔

"جس نے طاغوت سے کفر کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے منہ پھڑکے کو قسم لیا جو کسی نوٹے کا ٹکڑا نہیں اور اللہ سب کچھ سنا دے گا اور سب کچھ جانے والا ہے" (الجامع الغریب: صفحہ 266، 265)۔
 شیخ ابن باز رحمہ اللہ امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی کتاب التوحید کی شرح میں غلطیاں لکھتے ہیں:

"مطلب کے کام کا جو ناسا صہ جاتا ہے وہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بندے کو صرف اللہ کی عبادت، دین کو ایک اللہ کے لئے خالص کر دینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے سے بے پیمروں سے یا اس میں آڑے آئے "طاغوت" کہتی ہے چاہے تو وہ جنات کا شیطان ہو چاہے انسانوں کا چاہے شجر و حجر وغیرہ، اس کے جسم میں جادو کا اسلام کے احکام چھوڑ کر ان کو تفریق دین کا لٹا دے گی۔ جسے جن کو انسان اپنے نابین مقرر کر لیتے ہیں اور ان کا اطلاق زندگی موت کے مسائل، مالی معاملات اور انسانی شرم کاہوں کی حالت و حرمت تک پر ہوتا ہے اور حدود کا قیام اور سود، زنا و شراب ایسے معاملات کی تحریم کا بطلان ہوتا ہے کیونکہ یہ قوانین (ان میں سے جسے چاہیں) احاطہ کر کے نافذ کرنے اور کرانے والوں کے لئے قانونی جھجری فراہم کرتے ہیں۔ خود یہ قوانین طاغوت ہیں، ان کے بنانے والے طاغوت ہیں اور ان کو ترویج دینے والے طاغوت ہیں، یہی حکم عقل انسانی کی طبع زاد ہر کتاب کا جو سورجوں پر حق ﷺ کے آرزو حق سے بدلوں میں پھرنے کا سبب بنے چاہئے وہ قصداً یا بغیر قصداً کے اور اسے مقرر کرنے والا طاغوت ہوگا۔" (فتح المجید: 38)

بقول سید قطب رحمہ اللہ:

"طاغوت ہر وہ سلطنت ہے جس نے اپنے وجود کے لئے اللہ کی سلطنت سے پروا نہ لے رکھا ہو اور نہ اس کے حکم پر کام لے۔ ہر وہ قانون طاغوت ہے جو اللہ کی شریعت سے نہ لیا گیا ہو اور ہر وہ سرکاری جوتق سے تجاوز کر جائے طاغوت کہلاتی ہے۔ پھر جو سرکاری اللہ کے حق، اداہیت و حاکمیت پر بدو و تو طاغوت کی بدترین اور عین ترین شکل ہوگی اور "لغظاً" و "معناً" وہی طاغوت کے اطلاق کی سب سے زیادہ مستحق بھی" (فی ظلال القرآن عربی 1/292)

مولانا مودودی کی زبان میں:

"طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے جائز حق سے تجاوز کر گیا ہو قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود اتنا ہی خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی۔ تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اصولاً اس کی قربانیاہر وہی حق کو حق مانے، پھر عموماً اس کے احکام کے خلاف درزی کرے اس کا نام شقاق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی قربانیاہر وہی سے اصولاً منحرف ہو کر یا خود خدائے رب مانے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس ملک اور اس کی رحمت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبہ پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو" (غنیہ القرآن 1/196)

دوسری جگہ مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"یہاں مرتبہ طور پر "طاغوت" سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانا ہو۔ لہذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت طاغوت کی حیثیت

مستحق وہ اس کے پاس اپنے معاملات فیصلے کے لئے جانا ایمان کے معانی ہیں، اور خدا اور رسول کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ اپنی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار نہ کرے۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے نفرت دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اللہ اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔ (تفسیر القرآن ۱/۳۶۸)

بعض شبہات کا ازالہ

(۱) طاغوت کیا صرف غیر اسلامی قانون پاس کرنے والے ارکان ہیں؟

طاغوت صرف وہی ارکان نہیں جو غیر اسلامی قوانین پاس کرتے ہیں۔ طاغوت کی تعریف سے لاطینی کی بنا پر غلط فہمی ذہنوں میں پردوش پائی ہے کہ غیر اسلامی قانون سازی میں شریک نہ ہونے والے ارکان، یا کسی غیر قانونی مل کے پاس ہونے کے وقت ایوان سے غیر حاضر رہنے والے ارکان طاغوت کی تعریف سے نہیں آتے۔

اولاً یہ ارکان دینی ممبران یا ریفرنٹ کا خطاب نہیں ہاتے بلکہ ملک کے دستور اور رائج قانون کے تحت اور احکام کا ملک بھی اٹھاتے ہیں (اس حلق کی عبارت آئندہ صفحات میں دی جا رہی ہے) لہذا یہاں ایوان کے کوئی سے بھی ارکان فیصلہ ارکان ایک فیصلہ کریں تو اس دستور کے بموجب جس کا یہ حلق اٹھاتے ہیں وہ فیصلہ صرف ان کو فیصلہ کا نہیں پورے ایوان کا تصور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک غیر اسلامی قانون کے تحت میں باجماعت میں ووٹ دینے کا اثر پرستہ ہے تو وہ اس قانون کے پاس ہونے سے پہلے پہلے بعد میں تو اس بات کا کوئی مطلب ہی نہیں کہ کسی ممبر نے ووٹ دیا تھا اور کسی نے نہیں دیا ایک بار اکثریت رائے سے کوئی قانون پاس ہو گیا تو وہ پورے ایوان کی فرائض کی کر رہا ہے اور ملک کا بقائدہ قانون شمار ہوتا ہے جس کے احکام اور تحت کا ہر ممبر نے پیشگی تسلیم کر رکھا ہے۔ اب کوئی ممبر سوچے وہ رواج پر کھڑا ہو کر کچھ بھی کہے مگر اپنے حلق کی رو سے اصولاً اور فی الواقع یہی اس کے احکام کے پابند ہے جس اور بھی اس کے خلاف۔

ثانیاً یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ طاغوت ہونے کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ

قانون سازی میں عملی طور پر شریک ہو اور آئندہ ایسا نہ ہو اس کا طاغوت ہونا ممکن رہے۔ شریک ایک قرار دینا حقیقت کا نام ہے سو ایک انسان ایسی اختیارات رکھ کر جس طاغوت بن جاتا ہے نہیں ہر اسے کار کا تو بہت بعد کی بات ہے، مگر اس سے اللہ کی بندگی میں لوٹنے کے لئے شرط نہیں ہے کہ وہ ایسے اختیارات کا استعمال نہ کر دے، جیسا کہ تمام اسلام پسند کریا کرتے ہیں، بلکہ خدا کی اختیار سے خود کو دستبردار کرنا اس جیسے دوسرے ان بات اختیار کا صاف انکار کرنا اور اپنے ماضی پر تادم ہو کر توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے۔

(۲) ارکان پارلیمنٹ کی انفرادی حیثیت

بعض لوگ ارکان پارلیمنٹ کو ایجابی حیثیت میں تو طاغوت تسلیم کرتے ہیں مگر کسی رکن کو انفرادی حیثیت میں یہ لقب دینا کارائش کرتے

نقد اسلامی کا ایک معروف اصول ہے کہ جرم کا کوئی واقعہ ایک آدمی کے ہاتھوں سرزد ہو یا متعدد اشخاص کے تعاون سے رہا ہو مگر عاقلانہ سب کا ایک ہی حکم ہوگا۔ متعدد اشخاص کی صورت میں فرداً فیصلے تمام لوگوں پر وہ فرد جرم جیسا کہ جو انفرادی جرم کی صورت میں اس کیلئے آدمی پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریعت کا یہ اصول یوں بیان فرمایا تھا۔

واللہ لو لم یأمرنا علیہ اهل صنعاء لقتلہم جمیعاً۔ (النسریع الجنائی لعبد الغادر

عوہدہ ۲: ۴۰)

یہ (کل جرم) اگر سب اہل صنعاء نے مل کر کیا تو میں ان سب پر ہی قصاص کا حکم لا کر کرتا۔ لہذا یہ کوئی دلیل نہیں کہ خدا کی اختیارات حرام متعدد انسانوں میں تقسیم کر دیے جائیں تو انفرادی حیثیت میں کسی اس کے شرعی حکم کی زد میں آنے سے بچ رہیں گے۔

(۳) دستور کے اسلامی حصہ کو ہی مانا جائے تو!

دستور کی شریکات اور انسانوں کے خدا کی اختیارات کی توجہ مشکل ہو جائے تو بعض دیندار حضرات کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ "ہم دستور کے سرف اسلامی حصہ کو مانتے ہیں، باقی اس کے

غیر اسلامی حصہ کو ہم بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اولاً اس چیز کو کیا کہتے ہیں جو آپ کے بقول اسلامی اور غیر اسلامی کا مخلوق ہے؟ ذرا واضح الفاظوں میں اس اسلامی حصہ کی اہمیت حقیقت فرض بھی کر لی جائے تو بھی یہ کہا جائے گا کہ یہ دستور غیر اللہ کے حق کے ساتھ کا حد کا حق تسلیم کرنا ہے۔ بنائے ہوئے ملک کیا ہوتا ہے؟ کیا کسی سے وہ طاقت کر لیجے کہ میں جو حکام پاکستان کی حکومت آپ سے کہیں سے بناؤں، وہی ہے اور کہاں پر ختم ہوتی ہے کون نہیں جانتا کہ جس طرح یہ نظام ایک اکائی ہے اسی طرح اس نظام کے تہذیب و دستور بھی ایک اکائی ہے۔ اس میں جس کا جو حصہ رکھا گیا ہے اور ارضیات کی جو نسبت و تناسب بیان کر دی گئی ہے وہ اسے ایک ملک ماننے کے بعد ہی سمجھ سکتی ہے۔ کوئی عقل مند بھی اس کے ایک حصہ کو الگ کر کے اس کی تفسیر کرنے کی اجازت نہ دے گا کیونکہ آپ اسی کو مستتر مانتے ہیں اور باقی دولت سے نہ مان کر جان چھڑا لیں۔

برفٹس جانتا ہے کہ پانی پائیز اور جن اور آسمان کا مرکب ہے۔ اب آپ اگر کوئی صرف پائیز و جن کو پانی ماننے لگے تو آپ اس کا کیا کاربند لیں گے؟ کوئی اگر اس ضد پر آجائے کہ دوسرے جو بھی چیزیں مطلب لینے رہیں گے مگر وہ سرمایہ دار نظام کو صرف "مفصل ملکیت" کے سہی اصول کی بنا پر قبول کرتا ہے اور اس کے باقی اجود سے تعلق نہیں، کیونکہ ہم "اجتنابی مفاد کی ترجیح" کے اصول کی بنا پر گلے لگاتے ہیں اس کے باقی تفسیر "فکریات کو" ذاتی طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ بدھ مت اس سے اچھا ہے کہ اس میں "تلق قلب اور خدا ترسی کے اسلام جیسے حق لینے ہیں اس کے غیر اسلامی عقائد سے وہ اتفاق نہیں کرتا، یہ سائنس کو صرف یہی علیہ السلام پر ایمان کی حد تک قبول کرتا ہے تثلیث کا وہ قائل نہیں..... اور یوں دنیا بھر کے دبان اور ملک باندے باطل کی توجہ تفریق کا عالمی غلط فہم کر دے تو آپ اس کے لئے کیا کام انجام دے کر رہیں گے۔ اور جب شرک کہتے ہیں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو کیا زیادہ ملاتے ہیں تو اس فلسفہ کے افلاک کے بعد کون سا شرک رکھ دے کہ جانتے قابل رہ جائے گا؟ شرک مانتے کا یہ پسند کیا اگر انہما، اسے ہاتھ دتا تو ان کا کام حد درجہ آسان ہو جاتا آپ دیکھتے ہیں کہ باطل نظام کے صرف مثبت یا اسلام سے مشترک "اسلامی پہلوؤں" کی نیت کر کے اسے قبول کرنے اور یوں اس میں شرک کرتے کا یہ فلسفہ اجتنابی

"و انھیں پسند کریں گے" باوجود انہما کی دعوت کا صاف انکار ہے؟ کیا کوئی نہیں سمجھتا کہ اگر اللہ اس کی قوم اللہ کو نہیں چاہتی تھی اور اس کا تعلق حصہ موجودہ دور کی اتنی طاقتوں سے کہیں زیادہ عقیدت سے ساتھ پیش نہیں کرتی تھی؟ پھر ان مثبت پہلوؤں کی نیت کر کے کیوں نہ انہما نے نظام وقت کی اقتدا اختیار کی اور منفی پہلوؤں کا مثبت انداز سے خاتمہ کرنے کی پراسن اور بتدریج جدا جہد کرتے رہے۔ انہما، اس کے پاس ان کی تین سو مشنریں ہیں کہ ان میں جڑاں کا کیا جواب ہوگا کہ انہوں نے مثبت پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے صرف منفی پہلوؤں کو اچھا لے کر یوں تنقید برائے عقیدہ کا پائتہ انداز اپنانے میں جدا بنیت کا مظاہرہ کیا، حالانکہ مل جلنے کر انہما کو تفہیم کی راہیں کالے کار دروازہ بند تھا اور بھی اگر وہ اس درمیانی راہ پر قدم رکھ دیتے، ہزاروں دیکھی گئی تھی شرط پر ہوتی تو اپنے زوردار کردار کے بل بوتے پر قوم سے اپنی صلاحیتوں کو باجہلہ بنا لیتے۔ آخر نتیجہ اس اور آسمان کا خون بہنے والوں سے جان بخشی کی فکر کس دور میں نہیں رہی یوں میدان بہر حال انہما کے ہاتھ ہی رہتا، وہ بھی جس امرت الہی کی امید پر انکسین پر آج کے گناہگاروں کا آخری سہارا بنے انہما اس سے مایوسی کا کفر نہ کرتے تھے۔

والفرض پندرہ انیس سو کا اس طرح دستور سے لپٹا مطلب دکھانا کیا؟ کیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں؟ اگر دنیا کے معروف امور میں برآوری کی اپنی مراعات پر بند نہ لگے تو اس وقت انسان جو زبانیں بول رہے ہیں وہ بہت بڑاں حقوق کے لائق نہ ہیں۔

چنانچہ ان سب باتوں کے بعد بھی کاش کہ صرف اتنا ہو کہ یہ دستور کے صرف "اسلامی" حصہ کی کوئی اور کارفرمہ کو مسترد کر دے تو رہے، جو نوبت و یادگار کا اور تو ہوتا مگر ایک کوئی غلط کام مگر شاید وہ جاتا۔ ذرا ان سے پوچھئے جب ان کتاب کی پوری انہیں محفل طاغوت کا ممبر بنائی ہے پانچ سال کی رکنیت کیلئے جرحط اٹھایا جاتا ہے کیا یہاں سے شروع نہیں ہوتا۔

I.....do solemnly swear that i will bear faith and allegiance to Pakistan Thal , as a member of national Assembly (for Senat) I will perform my functions honestl , to

the best of my ability , faithfullu , in accordance with the constitution of the islamic repubild Of pakistan and the law and the rule of the assembly (or Senate) and always in the interest of the Sovereignty , solidarity , well - being and Prosperity of pakistan .

اور یہاں ختم نہیں ہوتا؟

And that i will preserve , protece and defend the Constitution of the islmc Republic of pakistan . (1) (Third Schdual of Constitution)

(تجزیہ یہاں کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے ، تمام موجود قوانین ، اس دستور کے تابع ، جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری ترقی کے ساتھ اس وقت تک بدستور تائید رہیں گے جب تک کہ مناسب معائنہ شدہ یا منسوخ نہ کر دے یا ان میں ترمیم نہ کر دے (نزعہ از حکومت پاکستان وزارت عدلیہ پارلیمانی امور ، شبہ عدلیہ ص 167)

اگر ان سے اس "ذاتی مطلب" لینے کے ناپے کا اہتمام کر لیا جائے تو بھی ان سے دریافت کیجئے کہ جب یہ آئین کی اطاعت و احترام اور تحفظ و وقار کی پابندی کا جھانڈا کرنا شروع کیا ہے تو یہ فتنہ و فساد کے ساتھ اعلان کرتے ہیں تو کیا آدھے دستور کا اعلان کرتے ہیں یا پورے کا؟

ممبران اسمبلی کے حلقے کی اہمیت کو مطلب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اس نظام آئین اور قانون کے تحفظ کی خلیفہ نہیں بھی کہتے ہیں اور جب وقت اس کو نیست و نابود کرنے کی بڑھکیں بھی دگاتے ہیں ۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ دعویٰ کریں ایک عدالت کو سزا دینے کا حکم اس کے قریب چھٹکنے سے بھی پہلے اس کی ایک ایک بند کی سلامتی کا حلفیہ اسلام لکھ دیں ۔

﴿يُحَادِدُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ []

(4) پارلیمنٹ کا اختیار اسلام کے حق میں ہو جائے تو!

کہا جا رہا ہے کہ اس نظام میں شریعت کے لئے کیا جہی ، نیک کوئی نہیں کہ پارلیمنٹ سب نہیں کرنے میں آزاد ہے ۔ اگر وہ انگریز کے قانون کو سب سے جواز دے سکتی ہے تو پانچویں حق اسلام ۔ اے نہیں اسلام کی سکتی ہے ۔ خصوصاً اس "دستابی اکثریت" حاصل کر لی جائے تو دستور تک بدل سکتا ہے!

اولاً: پارلیمنٹ کا سب کچھ کرنے میں آزاد ہو اس کی روایت کے جواز کو نہیں درست بنایا ہے ۔ یہ پارلیمنٹ ایک طرف تو اب اعلیٰ کی شریعت کی سند دینے یا نہ دینے میں پوری طرح آزاد ہے مگر دوسری طرف کر دے انسانوں کے لئے ہر حال میں واجب اطاعت ۔ اب "دیکھیں" اب اعلیٰ کی کی ہمسری کرتی ہو اس میں شریعت کا خیال کسی مسلمان کے دل میں ناجای حیرت کی بات ہے ۔

ثانیاً رہا یہ کہ دستابی اکثریت کے ذریعے فساد اسلام کا امکان ہوئے گی ۔ چاہے پارلیمنٹ طاغوت نہیں رہتی تو یہ اگر کوئی اصول ہے تو بھروسہ کیے کسی ملک کی پارلیمنٹ طاغوت رہے گی؟ اگر آپ امریکی کانگریس میں دستابی اکثریت حاصل کر لیں تو کیا وہاں اسلام لے آئیں گے؟ مسئلہ تو دراصل ان خدائی اختیارات کا ہے جو اس وقت اسے فی الواقع حاصل ہیں ۔ اسکا نہ تو اراستہ اسے بنایا ہے شریعت کے احکام اور کو نہیں ہوتے ۔

ثالثاً: کسی شراب سازوں کی یونین میں اکثریت حاصل کر کے اگر آپ اس سے آئین تبدیل کرنے کی پوزیشن میں ہوں تو کیا شراب سازوں کی مجلس میں شرکت بھی دینا کا نشانہ ہوگی؟

"علما" سے دریافت کیجئے ، یہی نہیں کوئی دن یہ تو بھی ٹھیک آئے گا۔

رابعاً: شریعت کا فساد دین میں مطلوب ضرور شرک کے راستے سے نہیں ۔ شرک سے بچنا اور طاغوت سے نکرنا شریعت کے نفاذ سے نہیں بدافروں سے ۔ آج تک کسی نبی نے شریعت کے نفاذ کی خاطر طاغوت کی جہم نشی نہیں کی ۔ اس لئے شریعت کا فساد شرک کرنے کے لئے ایک لکھ بخت نہیں بن سکتا ۔

خلاصاً: نیک ہو تو بھی اللہ کی طرف نافرمانی کا ذریعہ اختیار کرنا کسی صورت جائز نہیں ۔ وہ نہ جگہ کرنے کے لئے سودیہ ناجہی جائز ہو جائے گا اور شرکات کرنے کے لئے شرع ستانی بھی Justifies

the means The end کا سیکنا دلی قطعاً اسلام میں نہیں، یہ شیاطین مغرب کی ایجاد ہے اسلام کے اندر تو آپ مقاصد کے تعین میں بھی شریعت کے پابند ہیں اور جائز و ناجائز کے اختیار رکھیں۔

(5) پارلیمنٹ کا اختیار خیر و شر کی آزمائش میں آتا ہے؟

ایک شیعہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حق تو خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیا ہے کہ چاہیں تو حق راستہ قبول کریں اور چاہیں تو باطل، پھر یہ اختیارات پارلیمنٹ کو دینا کفر کیا؟ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حق کا ناجائز استعمال شرط ہے۔

اولاً اللہ کا بندے کو خیر و شر میں سے کوئی ایک راستہ قبول کر لینے کا اختیار دینا ایک تنگ بینی امر ہے جو اللہ تعالیٰ ہی سے متعلق ہے مگر جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو وہ اسلام میں داخل تھا اپنے ہر قسم کے اختیارات کو ختم کر کے ہوتا ہے چنانچہ انسان کا ایسے اختیار کو باقی رکھنا ہی کفر ہے اسے استعمال کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ

الْخِصْرَةُ ﴿۱۸﴾ (الأحزاب: 36)۔

”کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کرے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔“

ثانیاً ہر انسان کو ذاتی حیثیت میں کفر و اسلام کا انتخاب کرنے کا حق ضرور ہے کہ وہ چاہے تو مومن بنے اور چاہے تو کافر ہو کسی انسان کو قانون سازی کے ذریعہ کر دوں انسانوں کا رخ زندگی متعین کرنے کا دستور ہی حق ہو، تاہم بالکل مختلف چیز ہے۔ ان دونوں کو آپس میں ملانا گمراہ کن سوچ ہے جس کے دائرے سمیت (ایک گمراہ فرقہ) ایسے انداز فکر سے جاملتے ہیں۔

(6) بہت سے موجودہ قوانین بھی اسلام سے ملتے جلتے ہیں

سیکولارزم کی وضاحت میں ہم نے نیچے بیان کرنے کی کوشش کی کہ کافر نظام میں تمام احکام اور قوانین کا الٹی شریعت سے مواضع پر تکیس اور متنازعہ و ماضوری نہیں بلکہ شریعت کا پارلیمنٹ کی ولیز

نے اجازت حاصل کرنے کی شرط ہی اس کے طاغوت ہونے کے لئے کافی ہے۔

جب پارلیمنٹ یا انگریز قانون کی اسلامی حکم کو شرف قبولیت بخش اسے اس قانون کے مرتبے پر فائز کرے تو اس کے اگلے بسے اس کی جواہرات واجب ہو جائے گی وہ اللہ کی شریعت کی نہیں پارلیمنٹ اور اس کے قانون کی طاقت ہوگی۔ بسا اے اگر پارلیمنٹ خود دوسرے کسی حکم کے تحت اس کی طاقت شمار ہوگی یا پارلیمنٹ؟ اسلام میں اصل مسئلہ اقتدار کیا ہے۔ ذرا سوچئے یہ قوانین تو پھر بھی انسانوں کے ناقص، مانوس، پیر اور چیں، مگر کوئی ان کے دوسرے اصولی قوت وراثت الٹاں کے احکام کو بھی قانونی حیثیت دے دیتے تو اس کے کفر میں کیا شک ہے جبکہ وہ اللہ کے احکام پہنچی ہیں اور انگریزی قوانین کی نسبت اسلام سے کہیں زیادہ سہلست رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی پیروی کرانے لکھ ماننے والا نہیں۔ یہاں مومن اور مومنہ کی پھر اسلام آجائیں تو ان کو بھی پیروی اور صرف پیروی کئے جا چاہئے نہیں، پھر پارلیمنٹ کیا چیز ہے جس کے قوانین اسلام سے ”ملنے جلتے“ ہونے کی بنا پر اسے مسلمہ پر تو اگو کئے جائیں مگر خود اسے مالک الملک کے سامنے ٹک کرانے سے مستعفی رکھا جائے۔

”فَإِلَّا رُوبَكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ بِحَكْمِكَ فِيمَا صُنِعَ بِهِمْ لَمْ لَا يَحْدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْأَلُوكَ لِسَلَامًا“ (النساء: 65)۔

”میں اسے محمد ﷺ (ﷺ) کے احکام سے رب کی قسم، یہ کسی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں سے ہم کو فیصلہ کرنے والا نہ نکالیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی شک (تک) نہ ہو جس کو ہم بلکہ ہر تسلیم کر لیں۔“

(7) مصلحت کا تقاضا!

بقول سید قطب رحمہ اللہ ان مصلحت ایسا ہے بن گیا ہے جو خصوص کے ہوتے ہوئے تو کیا شرک و جہنم کی وعیدوں کے باوجود حلال و حرام کا تعین کرتا ہے۔

پارلیمنٹ کی مہر کی ”مصلحت“ کا تقاضا قرار دینے والے حضرات ذرا مصلحت کی ان دو شرطوں پر غور فرمائیں جو فقہائے اسلام کے نزدیک مصلحت کا اعتبار کرنے کے لئے شرعاً عائد ہوتی ہیں۔

جیسا کہ شرطا، مصلحت، مقاصد شریعت کی ترتیب میں آتی ہو۔ امام شافعیؒ "المصنفات" کے ہر
اول میں فرماتے ہیں کہ جان و مال اور عقل و نسل کی حفاظت مقاصد دین میں شامل ہے مگر حفظ دین سب
سے پہلے اور مقدم ہے۔ دیگر فقہاء بھی مصلحت کی اس شرط پر متفق ہیں کہ ہر وہ مقاصد شریعت کے ترتیب
کے تابع ہو جو کہ حفظ دین سے شروع ہوئے ہیں اور دین کے بعد جان و مال، عقل و نسل کی حفاظت
کی نسبت آتی ہے۔ آج تک کسی فقیر نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ حفظ دین سب سے بڑی
مصلحت ہے۔ پھر دین میں ہر آدمی جانتا ہے کہ عقیدہ انہم ترین ہے اور عقائد میں عقیدہ توحید سب سے
پہلے ہے۔ اس لحاظ سے عقلی بنیاد پر مصلحت کو لیا جائے تو یہ ایک شرعی دلیل ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ
رسول اکرم ﷺ کے چھوڑے ہوئے کو غافل اور شفاف عقیدہ کی ترداد کی کام و کسے کے لئے اگر
جان و مال، چودھراہٹ یا تعلقات و اثر و رسوخ کی قربانی دینی پڑے تو ایسی قربانی سے نہ صرف روپیہ نہ کیا
جائے بلکہ اسے انہماک حاصلین کی سنت سمجھ کے اپنی انتہائی کوشی سمجھا جائے کہ یہ وہ جلد ہر ایک کو نہیں
لا کر تا اور مال نہ ایک سے ایسی قربانی قبول بھی نہیں فرماتا۔ فرما تعالیٰ اللہم انصرتن۔

آج اس باطل نظام میں امید واریا و دوزکی حیثیت سے شرک فرماتے والے دیندار حضرات
آفرینی جان و مال یا پھر بد عقیدہ دے ملے انکرمیت کے قومی مفاد کی مصلحت سے زیادہ دلیل رکھتے
ہیں؟ بتائیے یہ مصلحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ رضی اللہ عنہا کی خاک پاک کے سامنے کیا
حیثیت رکھی ہے جنہیں دو اونٹوں سے باندھ کر مخالف سمت میں چرواؤں کو لینا ہی سمجھتے تھے کہ ہاں
مصلحت تھی؟ آخر کفار کا آپ ﷺ سے درمنازی اختیار کر لینے کے سوا اور کیا مطالبہ تھا۔ جس کے بدلے
سیدہ یاسر رضی اللہ عنہما کی جان و مال ایسی مصلحتیں تو کیا بادشاہت بھی قمروں میں ڈھیر ہوئی تھی۔
دوست دے کر بڑے کلر کار راستہ روکنے والے اور ایک ایک سیٹ کی ذخا طرزات کی خاک چھانٹنے والے
اس حقیقت کو کیسے قبول کرتے ہوں گے کہ خاتم الرسلین و دوازم و دیہ اختیار کرنے کے عوض جان بخشی یا
طعن نہیں نہیں پوری بادشاہت کی پیشکش ٹھکرانے پر بعد میں؟ ایک ایک دودھ بیٹوں کے بل پر دین کے
پرچم گانے والے کیا نہیں سوچتے کہ کیوں ہلاک دین اللہ عز و صیب رضی اللہ عنہ نے ماریں کا کھاتے

ہوئے رسول اکرم ﷺ کو مشہور دیا کہ یہ قومی مفاد بھی ہے اور اسلامائزیشن کا راستہ بھی آپ کیوں نہیں
مردانے پر ہی تھے ہوئے ہیں؟ مصباح مصفا کا فقہ کوئی مال رضی اللہ عنہ کے لئے جو کہ ریت پر بیٹھتے
ہوئے کھاد سے کر باہیں نہیں جلانے ستانے کے لئے کھنکے اپنی اس سے بھی سخت بات آتی ہوتی ہیں وہ
کہنے سے بھی گریز نہ کرنا "ایمانی عزت اور احساس برتری دینے کی لازمی جاہلیت کی خاک چھانٹنے سے
کہاں نصیب ہوا کرتی ہے۔

(2) مصلحت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ادھ مصباح مرحلہ میں آتی جانیے

یعنی ذوق وہ ظاہر شریعت کی کسی نص سے متصادم ہو۔ اور اللہ عز و جل کی اور رسول کا بھی
مطلب ہے مثلاً سوا کے مال کو صدقہ کرنے میں بظاہر مصلحت ہے مگر شریعت اسے مصلحت نہیں مانتی
یہ مصلحت کا تقاضا مفسدات (فساد) ہے، اب اگر کوئی جاہل انصاف سے متعارف چڑھ کر مصلحت دیتا ہے تو
انصاف کا مفسدات (فساد) ہوا خود بخود دلازم آجائے گا، ماہر اللہ۔ دیکھ لیجئے ایسا اعتقاد کتنی بڑی گمراہی
کا موجب ہے۔ پھر جب انصاف سے متعارف چڑھ کر مصلحت جاننا غلط ہے تو عقیدہ ہی سے متصادم امر
کو مصلحت قرار دینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ نظام اگر باطل ہے اور پارلیمنٹ اس کا سب سے
برا طاقتور تو اس کی رکنیت اختیار کر کے اللہ کی ہنسی کر؟ یاد انوں کے ذریعے اللہ کے ہنسر بھرتی کرنا
مصلحت کب سے ہو گیا؟

مصلحت کی بات اور اصولی امر بھی جان لیجئے کہ اہل ایمان کے نزدیک انصاف کی مطابقت
ہی مصلحت ہوتی ہے، جبکہ خلاف انصاف مصلحت سے جہت پکڑنا منافقین کا مسلک ہے۔ چنانچہ یہود
و نصاریٰ سے دوستی رکھنے کی حرمت کے حامل ہیں منافقین کی دلیل قرآن نے یہی نقل کی ہے۔

﴿فَصِرَ الظَّالِمِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَوْضِعًا يَتَبَوَّءُونَ عَلَىٰ عُنُوفِهِمْ وَقُلُوا لِمَن نَّعْبُدُ أَنُؤْمِنُ بِكُمْ دُونَ اللَّهِ﴾

[المائدہ: 52]۔

”تم کہتے ہو کہ جس کے دلوں میں فحاشی کی بیماری ہے وہ احمی (یہود و نصاریٰ کی دوستی) میں
دور و حوب کر جتے بھرتے ہیں۔ کہتے ہیں میں دوسرے کہیں ہم مصیبت کے پتھر میں نہ بیٹھ جائیں“

یہ فلسفہ بھی منافقین کا ہے کہ مقصد صالح ہو تو اس کے لئے جو کام بھی کیا جائے گا وہ صالح ہو گا یا نہیں اسے وہ کہا کرتے تھے کہ

”ما نفعنا نحن مصلحتون“

اور یہ بھی کہ چنان اودنا الا الحسنی

”ہمارا مقصد تو نیک ہی تھا“

اس بنا پر اہل ایمان کے صرف یہ نیک ہی معتبر نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے اہل فساد اور اہل بدعت کے لئے جو دروازہ کھلا ہے وہ پورے دین پر تباہی لانے کے لئے کافی ہے، بلکہ حق سے مطابقت اور عقیدہ و ایمان کی استقامت بھی کل صالح کے لئے شرط ہے۔ اعمال صالح کی ان دو شرطوں پر پوری امت کا اجراء ہے اب مصلحت اگر عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز ہوتی ہے تو پھر اس پر کبھی کہنے کی ضرورت نہیں۔

دوست کی شرعی حیثیت

جو حضرات پاکستان کے نظام میں مجلس پارلیمنٹ کی حیثیت پر ہی مصر ہیں ان کے ساتھ تو دوست کے سلسلے پر بات کرنا ایک لائسنسی امر ہے۔ ری ان لوگوں کی بات جو اس نظام کو داخل اور اس کے قانون سازوں کو طاغوت تسلیم کرتے ہیں مگر ان طاغوتوں کو منتخب کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، بشرطیکہ نسبت انتخاب طاغوت کے بجائے کچھ اور کر لی جائے، تو اس باب میں ہم ان حضرات ہی کے موقف پر گفتگو کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں ”اچھے لوگ“ یا ”اکثر برائی“ سمجھتی کرنے کا اصول جہاں دوست دینے کے لئے جہد جواز بنتا ہے وہاں دوست لینے کے لئے اور لکاشن لانے کے لئے بھی نہیں سکتا ہے مگر کچھ لوگ مصر ہیں کہ اسے دوست دیتے تک ہی ہمدرد رکھا جائے چنانچہ ضرورت اور ”جمہوری“ کوویلر بنا کر جب یہ حضرات مصلحت کا دروازہ کھولتے ہیں تو دوسرا فریق بھی اسی میں گزر جاتا ہے۔ پھر جس طرح دوست دے کر کھڑکا زور دہرے والے حضرات اپنے دوست کا ”ذاتی مطلب“ لیتے ہیں اسی طرح

دوست لے کر اسلام کی خدمت کرنے والا فریق بھی ایسی جمہوری کی ”ذاتی تشریح“ کرنے کا حجاز ہوتا چاہتا ہے۔ گھڑے جانے ان دونوں فریقوں میں اختلاف کیوں ہو گا؟ ہے جبکہ ان دونوں کے دلائل میں اصولی اور جوہری طور پر کوئی فرق نہیں۔

ہمارے یہ دوست کا انکم جانے سے پہلے دوست کا مطلب جانتا نہ، ورنہ ہے ایک جمہوری نظام میں دوست کی حیثیت اور اہمیت نہ سمجھنے سے نہ دوست کا ”ذاتی مطلب“ لینے کی فہم آتی ہے۔ دوست کی تعریف:

نہایت گمان جمہوری کی حاکمیت ہے نظام جب قرون اولیٰ سے نہیں آیا تو دوست کی تعریف قرآن و حدیث سے تو نہیں ملے گی۔ اب ایک پارلیمانی نظام میں، جہاں پاکستان میں مانگے جا رہے ہیں دوست کی حیثیت اہمیت اور جمہوری شکل میں دو ذیل کے ادارے تین کے لئے وہی معیار و مشن ہو سکتے ہیں جس اس نظام کو بنانے اور چلانے والوں کے پاس صرف ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز کے مطابق

Voting is the process whereby an individual member of a group registers his opinion and thus participates in the determination of the consensus among the group with the regard to either the choice of an official or the decision upon a proposal. as such it is the procedure impiedn all elections as well as in all parlimentry of direct legislation, under a dictatorial form of goerment, the indiducial may be called upon to expres his opinion as to the choices already made by the dictar, various devises, however, render this procedure an empty formality, finds its principal

thera and its predominant importance under democratic governments under conditions of minimum freedom of choice and suffrage.

وہ لوگ کے بارے میں ذرا مبہل نامہ و ہدی کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیں:

”وہ لوگ دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام ہو جو وہ دستور کے تحت، وہ قانون ساز کی رہتا ہے جو عقیدہ و توحید کے سر اسرار مانی۔ اگر ماننے کے نام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو طاعل اور چار بجھتے ہیں تو ان سے اسل در یافت کیجئے“ (تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ ۱، ص 234)

اگر کوئی صاحب وہ لوگ کا مطلب سمجھنے کی بابت مضرب کی کتابی کے رد وادائیں تو بھی یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس انتظام باطل میں کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ طاعونی عناصر پر اثر پذیر ہوتا ہے۔ تقریباً ۱۰ سال پہلے کہ وہ کون سا عمل ہے، نہ ایک انسان کو کام و معیشت سے بلند کر کے خدائی کے مرتبہ پر فائز کر دیتا ہے، وہ کون سی فاعلی ہے جو مذہبوں کی خالی آسمانیاں پر کھڑا کر دیتی ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو طاعون کو، مذہبی اور دنیوی جو دشمنی ہے کہ یہ نہ جو طاعون کی اپنی اواد سے کے لئے کوئی اور ”ہجرت“ طریقت اپنا تاج پہنا کر، وہ کون سا عمل ہے، نہ وہ اس سے کہ جو کھٹکھٹ آواز سے اس کے پاؤں سال کے لئے زمین پر ایوان پارلیمنٹ میں بٹھوس کر دیتا ہے؟ کس بل اور سے پر کچھ انسانوں میں مالک الملک کے حق حاکمیت کو پاؤں سال تک ٹھس کے رکھنے کی ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے؟

ان سوالات کا جواب حق کچھ بھی مشکلی نہیں منہ ان سے بارے میں سوچنے کی رحمت کا ہے کہ کے اللہ کی عظمت و وقار اور اس کی جیت و جمال نے ان سوالات میں پریشان کیا ہے کہ کس کی جبین نیاز کے عہد میں ایسی نرپ سے کہ وہ اپنے الملک کی اس بناوت پر تکلیف محسوس کرے تو کچھ بھی نہیں دیکھو الٹ دینے کے لئے تیار ہو جائے؟ کس کے دل میں اس عہد پر اور یا استوں کے یکتا دہما ملک کے لئے اتنی غیرت ہو جو، ہے کہ ان سوا لوگوں پر اس کا خون نہ لائے؟ اس کے جنم کا اتنا خوف لائے ہے کہ وہ

مشارعے میں رائج اس شرک اور بلاکٹ کے رائے کو ذرا اس نظر سے بھی لے لے، عقیدہ و توحید کا تقابلی شعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ انبیاء کے بیچ میں صرف سوال اٹھا تا اور زندہ زمین سوا لوگوں کے سامنے انسانی حقیر کو لا کر کراہی وقت طلب مسئلہ رہا ہے پھر بلاکٹ سے نہایت کی تلاش شروع ہوا جائے تو جواب انسان کے اندر ہی موجود ہوتا ہے بل انسان علی نفع بصیرۃ و لائق اعزاز ہے تو ایک شیطانی ماحول ہے کہ انہوں میں ایسے سوالات کو ہمیشہ سلاتا ہے، اسے کہتے ہیں کہ جبر ہے پہلے اپنے آگزیروالات کو دتہ نہ دے سکیں گے؟

وہ لوگ جو طاعون ازلی وابدی جنگ ان کے ایمان کا حصہ اور زندگی کا سرمایہ ہے اور پاکستان میں بسے ہوئے ان سے یہ بات بھی اوجھل نہیں کہ طاعون نہ تو کوئی خدائی مخلوق ہے اور نہ ہر دن ملک پائی جانے والی سمات، بلکہ ان کے سروں پر چھائی ایک زندہ اور، ایک ناک حقیقت ہے وہ ان بھی سوا سے کا جواب اس ملک کے بالغ انسانوں کے ”حق رائے دہی“ کے کا اور دیا دے سکتے ہیں؟ اس اہم ترین مسئلہ کے بارے میں آرسواں بھی واضح ہو جائے اور جواب بھی تو اس کے حکم کے بارے میں ویسے ہی کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وہ لوگ کا حکم، طاعون سے قربت کا ہر راستہ جنہم کو جاتا ہے

عوام اس نظام کے طاعون کو ہٹانے کا مقدمہ دلی تو بڑی آسانی سے مان لیا جاتا ہے مگر جب اس سے لازم آنے والے امور اور احکام یہ بات ہوتی ہے تو پھر یہ کہ کمر سے سے پہلے مقدمہ کوئی ملکہ کر کے نہ کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایک طاعون تو ہے، گریبا بھی نہیں کچھ کچھ کی ٹھن جائے۔ اس بنا پر ہماری گزارش ہے کہ اس سے پہلے اس ملک کے دراز باب کو آجھی طرح پڑھ لیا جائے پھر اگر آپ اس بات پر حقیق ہو جائیں کہ اس سے پہلے اس ملک کے دراز باب کو آجھی طرح پڑھ لیا جائے پھر اگر بہا کرتا ہے تو ہماری آنکھ گر ازشات انشا اللہ فائدہ مند ہو سکیں گی۔

طاعون کو جان لینے اور چھرا سے وہ لوگ اور مینلٹ دینے کا مطلب سمجھ لینے کے بعد اس کا شریعت میں حکم پر چھنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ اگر آپ یہ علم نہیں لگا، ایمان رکھتے ہیں کہ یہ نظام باطل

ہے اور اس کے کارمنا اللہ کے شریک، جو کہ کچھ غلوں اور طاغوت کے گھوڑوں سے ہزار باگنا ہو کہ اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے، چند ایسے طاغوت کو یا کچھ سالہ ترقیب و لادست میں شرکت ہریم کیوں نہ ہوگی؟ جنہم اور بلاست کی ترقیب و راز و رہ ہے؟ اس سے کہنے کے لئے زور مارتی طاقت کا ساتھ دینا اور جب وہ مکمل جائے، روڑوں کے ہموں کے جرم سے لاقاقتی کارکنہاریا ہے، جنہم میں کہ بھی کھینچا تو وہ کھول عیا جاتا تو یہی ایمانی مطلق ہے؟ آئندہ فحاش میں ہم اس غلوں کی قیامت کے دلائل ذکر کریں گے۔ شدہ یہ اختصار کی وجہ سے تفصیل کسی اور موقع پر افشاء کئے ہیں

باطل کی اہمیت

عموماً یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اوستا ایسے یاہر سے نظام کا اختیار ہوتا ہے۔ حالانکہ کبھی امیہ و اراسی ایک نظام کے تحت اراسی کے دائرے میں انتخاب کرتے ہیں کہ سیلاب ہونے کے بعد اسی نظام کی متعین کی ہوئی حد و سرحد انفرادی کر سکتے۔ اس نظام کا متعین کیا ہو اگر ان کا واضح ترین مقصد ہوتا ہے۔ اسلی میں پہنچنے کے بعد اسی آئین اور قانون کے تحت ہی قسم کھاتے ہیں اور اللہ کے دین کو قانون کا درجہ بھی عطا کر دیں، پھر کبھی طاغوت ہی رہیں گے، غرض پچھلے ابواب میں ان کا جو کفر ہم نے بیان کیا ہے وہ سارا کفر یا کچھ سال تک رہنے کے لئے یہ نظام ملک کے ہر بالغ انسان کی ایک پر پٹی کھینچا ہوتا ہے۔ کہنے کو تو ایک پر پٹی ہے مگر کسی کو اس کے بارے میں اختلاف نہیں کہ دراج نظام کا کچھ سال تک چلانے کے لئے اصول یا ایک اختیار کیا جاتا رہتی ہے۔

قرآن مجید نے صرف طاغوت ہی نہیں ”انولباء السطاعوت“ کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ طاغوت کو جب تک طاغوتی منصب پر فائز نہ کیا جائے وہ رب بن نہیں سکتا۔ چنانچہ طاغوت اپنے تقرر کے لئے اولیاء الطاغوت کا انتخاب کرتا ہے۔ اب بتائیے اگر اس ملک کے طاغوت کا چناؤ لوگوں کے دوت نہیں کرتے تو اور کیا چیز ہے جو طاغوت کے تقرر کی رسم پوری کرتی ہے؟

طاغوت کے انتخاب کی صورت میں باطل کی یہ بدولتی تو بہت بڑی بات ہے اللہ نے ظالمین کی جانب سے جہنم کا درمیان ہی کی وجہ سے جہنم کی وحدت ہی ہے، چوں کہ لا تروکنوا الی الذہبن

ظلعوا و انعمکم النار، ہذا شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب ستاس جو کا وہی تفسیر لکھی ہیں۔

”ابن عباس فرماتے ہیں: ولما ترقوا سے مراد مسلمان بھی نہ کہو۔ مگر مدبر مانتے ہیں مرا، ہے تم ان کی بات نہ مانو، ان سے محبت اور لگاؤ نہ رکھو، نہ مانیں (مسلمانوں کے) اور سو نہ بٹنا کسی کا“ شیخ فاجو کوئی عہد سو نہ، یا جانتے، امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: ”جو غلوں کے ظلم کے لئے اوقات جاتے یا قہم تراش دے یا انہیں کاٹھ پکڑا دے وہ بھی اس آیت کی دیکھیں آتا ہے۔“ (مجموعہ انو حید 116)

”عزت پر یہ ورضی اللہ عنہ سے مراد غلاموں کی ہے:

”منا فیئ صاحبہ، جناب تک بھی نہ کہو کیونکہ اگر وہ تبار صاحب ہے تو تم نے اپنے رب کو

ناراض کر لیا۔“ (مجموعہ انو حید از محمد عبد الوہاب ص 118-119)

شرک میں، عاقبت تو غیر بڑی بات ہے سو جو صرف ایک گناہ ہے اسلام نے اس کے لئے جو راستہ بند کئے ہیں ذرا ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ ”موا خیال کیا جاتا ہے کہ صرف سو کا حرام مگر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنئے:

”عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا و موكله و کتابه و شاهده و قال هم سواء“ (صحیح مسلم)۔

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سو کھانے والے پر، کھلانے والے پر، سودی کھاتے لیکنے والے پر اور سودی، معاملہ میں دونوں گواہوں پر اور فرمایا یہ سب ایک برابر ہیں۔“

آج کے فقہروں کی نظر خوردبین کیوں نہیں دیکھتی کہ کبھی ایسا ہوتا ہے جو سود کی جتنی بھرنے والا ”بھڑ“ نہ ہو اور بخوشی پیٹ کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہو۔ پھر کھاتے لیکنے والے اور دہا چلنے گواہ بن جانے والے کسی طرح سود سے چاہے بھرنے والے کے برابر کے جرم ہو سکتے ہیں؟ اور کیا گواہ نہ سوچ لیجئے ہوں گے کہ وہ گواہ بھی نہ ہی تو دوسرے تو دے ہی دیں گے مگر یہ تو کیا اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بھی اگر اللہ کے اس ایک حکم کی نافرمانی میں کیا زباہہ عاقبت کی جائے اسی حرام اور پیدکاری مستحق

ہوگی۔ چنانچہ امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”یہ حدیث باطل کی مدد و اعانت کے حرام ہونے کی دلیل ہے“

اسی طرح شراب ایسے صرف ایک گناہ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے بپڑنے،

پانے، پڑنے، پینے اور پینے پانے والوں سمیت سب آدمیوں پر پھونکا رہی ہے۔

”عن انس بن مالک و رضی اللہ عنہ، قال لعن رسول اللہ ﷺ فی الخمر

عشرہ عاصرها و معصرها و المعصورہ له و حاملها و ما فيها و المبرورہ

له و ساقبها و الممسفلة حتی عد عشرہ من هذا الضرب“ (صحيح سنن ابن ماجہ

للذہبی ص 243)

اگر گناہ کی اس ایک بات میں مددگار بننے پر ایسی وعید ہے تو پھر شرک کے ظلم کو بٹانے

یا چالنے میں جو معاونت ہوئی ہے اس پر کس قدر لعنت برقی ہوگی؟ یہ جان لینے کے بعد اگر کسی میں اللہ

کے سامنے ایسی جرأت کرنے کا ہرگز ہوتو وہ بڑے شوق سے ”چھوڑ کر“ کا انتخاب کر سکتا ہے۔ مزید

جرأت ہو تو اللہ کی تلافی کو بھی نڈی، اسے کما حقہ کھ سکتا ہے۔

ووث کفر باطاغوت کے عقیدہ کے منافی ہے

غیر اللہ کے انکار کے لئے طاغوت کی مہمائی ترک کر دینا ضروری ہے، جیسا کہ پچھلے

نکتے میں واضح کیا گیا ہے، مگر یہ غیر اللہ کے انکار کی صرف ایک ہی شق ہے۔ اب اس کی دوسری شق ہے

کہ اس سے بڑھ کر طاغوت سے کفر اور عصیانگی کی جائے۔

﴿وَفَدَّ عُرْوَانًا يَكْفُرُ بِهِ﴾ (النساء: 60)۔

”جسکدان کو طاغوت سے لڑ کر کرنے کا حکم دیا گیا تھا“

سو یہ کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ زبان سے تو طاغوت کے ساتھ کفر ہو مگر کلاماً اسے مقرب تک

کر لیا جائے تو اس میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اہل سنت کے ہاں ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور

ایمان سے عمل کو خارج کر دینا مردود کا عقیدہ ہے نہ کہ کفر باطاغوت و دل و زبان اور عمل پر لپٹا ہے فرض

ہوگا۔ یہ ایک ایسی دلیل ہے کہ رسول اہل سنت سے واقف انسان اس انکار ہی نہیں کر سکتا،

اب آرا طاغوت سے کفر کا ذکر وہ بالا مطلب سمجھتے ہیں تاکہ کفر باطاغوت اور انتخاب

طاغوت ایک وقت تک کیوں کر جمع ہو سکتے ہیں؟

”عن فضہ بنوفم قیو منہم“

اتفاقات کے اس جاہلی ناکہ میں شریعت اس حدیث کی رو سے دو جگہوں پر ناجائز قرار

پاتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ جاہلی مسلمانوں میں نہ تھا کہ انکار اور بیہودہ وضاری سے نہ صرف آیا بلکہ انہی

تک انہی کی تقلید میں یہاں چلتا ہے اس حد سے یہ بیہودہ وضاری کی مشابہت ہے۔ مگر یہاں کے جاہل

اس کام کو پورے قومی، وطنی اور جاہلی اہتمام سے جواا کرتے ہیں اس وجہ سے یہاں کے اہل باطل اور فساق

میں مشابہت ہوتی ہے۔

رباہ مسئلہ کو تھہ صرف نیت کرنے سے بہت بڑا عرض ہے کہ نیت سے تھہ کا گناہ وہ چند

ضرور ہو جاتا ہے مگر صرف عمل سے بھی اس حد تک کی رو سے منہ رخ ہے بلکہ امام اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ

حق پر کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے مسلمانوں کو بیہودہ وضاری کے جہنمی تھہ سے روکا گیا تھا وہ عملی ہی

تھا وہ درمعدار نیت کے ساتھ تھہ کرنے کی تو ایسے ہی صحیح رضوان اللہ علیہم اجمعین سے توقع تھی۔

اہل جاہلیت کی مخالفت کرنا واجب ہے

اسلام نے صرف انتہائی نہیں کہا کہ بیہودہ وضاری اور فساق و فجار کی مشابہت ترک کر دی

جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی واجب قرار دیا ہے کہ قصداً ان کی مخالفت کی جائے اور جیسے ہو کر

ہوں عداوت اس کے برعکس کیا جائے۔ یہ مسئلہ بہت معروف ہے اور مجاہدین نے نوٹوں کی سبب اس کی تفصیل

یہاں نہیں کی۔

مسلمان ہر لڑائی میں حرکت میں انبیاء و صلحین اور محدثین و شہداء کا راستہ پانے کی دعا

کرتا ہے اور مغضوب علیہم (بیہودہ) و منافقین (ضاری) کے راستے سے پناہ مانگتا ہے۔ اہل جاہلیت کے

راستے سے یہ نفرت و پناہ جوئی اعتقادی تو ہے فقی بھی ہوئی ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

”ظاہری عمل میں (غیر مسلموں کے) خلاف کرنا (دونوں باتوں کے) اس امتیاز کو ختم کرنا
 کرتا ہے جو انسان کو اللہ کے غضب اور ظلال کے اسباب سے محفوظ رکھتا ہے اور اہل بدایت و رضوان
 سے نفییت بڑھاتا ہے پھر اللہ نے کوئی ایسی چیز اپنی جماعت اور اپنے بدعت پرستوں کے باطن
 موالا ت پر جو رحمت کی ادنیٰ گلیہر پتھر دینی ہے اسے زندہ کر دیا ہے۔“ (انتقاء الصراط المستقیم ص ۶۱)

معصیت اور عذاب کی جگہوں سے دور رہنا ضروری ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”انہی احکام میں یہ بھی شامل ہے کہ معصیت کی ان جگہوں کو اجاڑ دیا جائے جہاں اللہ اور اس
 کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہو تو اس میں گناہ بھی آتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد ضرار کو
 جلائی تھا یہ مسجد تھی اس میں باقاعدہ نماز ادا کی جاتی تھی، اللہ کا نام لیا جاتا تھا لیکن وہ یہ سمجھی کہ اس کا
 مقصد تاسیس مسلمانوں کو ضرر پہنچانا اور تفرقہ و انتشار پیدا کرنا تھا، پھر وہ منافقین کی پناہ دہی تھی، اب جو
 چیز بھی اس طرح کی ہوگی طہارہ کا فرض بناتا ہے کہ وہ اسے ختم کرے چاہئے تو سہارا کرے یا نہ راقش
 کر دے اور چاہئے تو اس کی ہیبت بگاڑ کے یا تبدیل کرے، جس سے اس کا مقصد فوت ہو جائے، باقی
 رکھ لے۔ اب مسجد ضرار کا یہ حکم ہے تو شرک کے وہ اڈے تو ابھر کر شکرے جانے کے زیادہ قابل ہیں جس
 کے بخار دہانے چڑھاؤں کی ریلوے ہیست کی ہی رجوع دیتے ہیں۔“ (زاد المعاد: 5743)

انداز ذکر کیجئے کہ اوّل کی یہ بات امام ابن قیمؒ کے دور کی ہے آج شرک کا ڈسے جو چار سو
 پہلے ہوئے ہیں اور حاکمیت میں اللہ کے سامنے شرک کے مہا اڈے کو ایک نظر برداشت کرنا کیونکر روا
 ہو سکتا ہے؟ ایسے معصیت کے کام دار رنگینیں جہاں اللہ کا عذاب آسکتا ہو ایک صاحب عقیدہ مسلمان کے
 لئے نیک نشئی سے بھی کیوں نہ ہو وہاں جہاد و رحمت نہیں۔

امام ابو دینی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے بعد جس میں کعب بن جراحؓ ہانی کرنے والے لشکر
 کی تباہی کی پیش گوئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ اس میں دو آگ بھی مارے جائیں گے جو ان کے جرم میں
 کسی شرع بھی شریک نہ ہوں گے بلکہ اس وقت ان کے سامنے اس جہاد و رحمت کی بات فرماتے ہیں:

من کنس سواد قوم جرى عليه حكمه في ظاهر عقوبات الدنيا، وشرح
 النووي لمصحيح مسلم (7/18)۔

”جو شخص کسی قوم کی کثرت اور ریش بڑھاتا ہے دنیا کی ظاہری عقوبات میں اس پر انہی کے حکم
 کا اطلاق ہوتا ہے“

”اس میں اہل ظلم سے کوئی دور رہنے اور دیگر باغیوں کی ہم نشینی سے خبردار رہنے کا حکم دیا
 ہے کہ جب ان پر عذاب آئے تو آجی محفوظ ہے“

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں،

”اہی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو مسجد ضرار کے بارے میں دو حکم آتا ہے، اولاً لقم
 فبہ ابدانہ کہ اسے نبیؐ اتم اس میں شکر لے نہ ہونا“ کیونکہ وہ عذاب کی جگہوں میں آتی تھی۔ اس
 پر کہ علی شفا حروف ہار فانیہ فی دار جہنم کے لحاظ والہت کرتے ہیں۔

اب جب شریعت نے ایسی جگہ تک جانے میں انکار کے ساتھ شرکت سے منع فرمایا ہے جہاں
 ان پر عذاب نازل ہو چکا ہو تو ان کے ان اعمال ہی میں شرکت کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے کرنے
 کی تائید و تائید و عذاب کے مستحق ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ عمل جہاد کرتے ہیں اس میں ان کی مشابہت
 مطلوب نہ ہو تو وہ حرام نہ ہوگا اور ہمارا مقصد ان سے شبہ نہیں، پھر اگر طعن اُٹرائے کہ پیچھے چلنا مقصود نہ
 ہو تو صرف اس جگہ چلے جانے میں کوئی معصیت نہیں جبکہ ہمارا مقصد اس میں بھی ان کی مشابہت کرنا نہیں تو
 (بات یہ ہے کہ) ان جگہوں پر چلے جانے کی یہ نسبت ان جگہوں پر ہر روز ہونے والے کام میں شرکت عذاب
 کی زیادہ متحق ہے کیونکہ ان کے وہ تمام کام جو فرد اولیٰ کے مسلمانوں کے کام نہیں یا تو کفر ہیں یا معصیت
 یا شمار معصیت یا کفر معصیت کا پیش نیاں اور پھر یا معصیت تک پہنچانے والے ہوں گے۔ یہ انہیں خیال
 کہ ان تمام باتوں میں کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے، پھر اگر اس میں کوئی اختلاف کر لے تو بھی اس بارے میں تو
 اختلاف ممکن ہی نہیں کہ ان امور میں کفار کی مخالفت (برعکس کام) ان کی فتنہ اور کفر و معصیت کے کاموں
 میں ان کی مخالفت ایسے فرض سے قریب تر ہے۔ (انتقاء الصراط المستقیم: 80:79)

سد الذرائع

اسلام نے ہر اکام ہی ممنوع قرار دیا اس کی طرف جانے والے سب راستے اور دروازے بھی بند کر دیے ہیں۔ جس طرح نماز ایسی جنگی کام کے لئے اسلامی معاشرہ میں ہونے والے تمام انتظامات و اجابت اور سختی میں شمار ہوتے ہیں اسی طرح ہر ایسی راہ و بہار کرنے والے تمام مقدمات اور انتظامات بھی ممنوع ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ تعلیمی تاحہ ہے کہ منافقہ بنم الفواحش الا یہ فیہو واجب و اجیز جس کے بغیر فرض کی ادائیگی ناممکن نہ ہو تو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔ وہاں یہ بھی ہے۔ مادی السی الحصرام فیہو حرام۔ جو چیز حرام کا سبب بنتی ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے اس بنا پر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ طاغوت کو منتخب کرنا صحیح اس کا منتخب ہونا غلط ہے جبکہ یہ ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

طاغوت کا انتخاب تو بہت بڑی بات ہے نہ تھا اسے اسلام نے تو اس اصول (سد الذرائع) کی رو سے انکوار، جو کہ وہ بھی حلال ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی ایسے شخص کو فروخت تک کر حرام قرار دیا ہے جو اس سے شراب بناتا ہو۔ اسی طرح ایک درکار انسان کو اس کی فروخت بھی ممنوع ہے۔ پھر ہفتہ کے وقت بھی اسلامی کی فروخت ممنوع ہو جاتی ہے جبکہ یہی نفس اس کو دیکھنا یا بیچنا حلال ہے۔ اس باب میں علماء اسلام کی تعلیمات کھل کر لہجے کہیں ایسی عجائبات نہیں ملتی کہ جب یہ ہو کہ شراب بنانے والا ہزار بگڑوں سے انکو خریدے لے سکے۔ یہی فروخت بھی نہ کرے تو دوسرے کو یہ ملے۔ یہ سوچ کر اسے سچ دیا جائے کہ شراب بننے سے تو اب دیکھ سکتی ہیں۔ کیوں نہ اس سوچے کے نتائج کو اسے حق میں کر لیا جائے؟ دوٹ کو صرف ایک پر چٹا کھینچنے والے کیا نہیں دیکھتے کہ کدوہہ (لا بھی چیزیں حلال تھیں مگر حرام مقصد کی وجہ سے خود بھی ممنوع ہو گئیں؟ جبکہ حرام مقصد بھی دینے والے کا نہیں صرف لینے والے کا تھا۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْعُرُونَ الزَّوْرَ وَافْعَا حُرُوا بِاللَّعْوِ حُرُوا﴾ (الفقران: 72)۔

”رضن کے بندے وہ ہیں جو باطل اور فرب کے قہر کی نہیں جانتے اور کسی بے ہودہ واقعہ چیز پر

ان کا گزر (بھی) ہو جائے تو (اک معزرات شان سے نیاز ہی سے گزر جاتے ہیں)“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس فرماتے ہیں: ”یہ مشرکین کے جشن اور عیدوں کے بارے میں

میں ہے۔“ مگر مفراتے ہیں: یہ ایک کھیل بھی جو جاہلیت کے زمانے میں کھیل جاتی تھی۔“ شاک کہتے ہیں: ”مراہ ہے مشرک کی بات“ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے اس (زور واد) کا نہ دیکھنا ہی قابل ستائش بنایا ہے، جو کہ صرف اتنا ہے کہ اسکو ایک پر جا کے پکچن یا دیکھنا ہی بے پھرمانی دیکھنے کی بات تو یہی ایک طرف اس بارے میں کئی خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر ایسا ہی نہیں کر لیا جاتے تو کہہ جائے تو کھیل زور میں آئے؟“ (اختصار الصراط المستقیم: 178)

روم اور ایران کی جنگ

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روم اور ایران کی جنگ میں روم کی حمایت کی تھی اس لئے ہم بھی اس انتخاب میں چھوٹے کفر کی حمایت کرنے کے مجاز ہیں۔ یہ شبہ دو غلط فہمیں پہنچی ہے۔

(1) اول تو یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کی کسی طرح کی حمایت کی تھی، حدیث کی کسی روایت میں یہ آیا ہو کہ آپ ﷺ نے رومیوں کی کسی طرح کی مدد فرمائی تھی یا نہ کی حد تک حمایت کا اعلان فرمایا تھا؟ ایسی کبھی بھی بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے نہ ثابت فرامہ ہو سکتا ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ ایرانیوں کی فتح قریش خوش ہوتے تھے اور رومیوں کی فتح پر مسلمانوں کی مسکرات سے کام لیا جاتا تو اس سے بڑے کافر کی شکست پر خوش ہونے کا ہوا ہے۔ یہ اس کی کفر کا پتہ ملتا، اساتذہ و بنا یا زبان کی حد تک ہی تاثر کر رہے تو یہ کسی بھی واقعہ کا اگر اللہ کے رسول ﷺ پر دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ آپ ﷺ پر بہتان ہے اور اگر ایسا دعویٰ نہیں کیا جاتا تو پھر حسرت سے مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔

(2) دوسری غلط فہمی وجہ اور مہذبیت کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ فرض کر لینے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کی حمایت کی تھی دوٹ کو بھی دیکھیں یہی تاکید کے جائز کر لیا جاتا ہے۔ سو نہ پہلا مقدمہ درست ہوتا ہے اور نہ دوسرا۔ جبکہ دوٹ ایک جاہل نظام میں اس کے شہریوں کی شرکت اور خروٹا غلط فہمی کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کی ابتداء میں دوٹ کا مطلب ذہارہ دیکھ لیا جائے۔

چھوٹا کفر اور کٹر برائی

کفر چھوٹا ہو یا بڑا جب اس کا مطلب معبود برحق کی عبادت ہے تو اسے اپنی فسادگی کا حق تقویٰ نہیں کرے تو بہت ہی بڑی بات ہے ہمارے دینی کی تعلیم یہ ہے کہ نہ صرف اس سے براہ کی جائے بلکہ اس پر تیشے چلانے کے لئے بھی تیار رہا جائے۔ کفر بالظنوت کے دشمن میں ہم نے وضاحت کی ہے کہ چونکہ ایمان سے عمل غارت نہیں اس لئے جڑ سے کاغوت سے اعتقاد تو لاہرمان کفر کا فرض ہے۔ چھوٹے کفر کا انتخاب جائز قرار دینے والا مسئلہ اگر اس سے حدود احرام سے درخواست ہے کہ اس مسئلے میں چھن بھارت یا رچھہ کے لئے لڑائی کی بجائے شرعی دلیل سے مستفید فرمائیں۔

یہ مسئلہ دوسرے سے ذرا بحث ہی نہیں کہ ایک کفر یہ نسبت دوسرا جڑ ہو سکتا ہے یا یہ کہ جائز طریقے سے ایک کفر سے دوسرے کو سر دایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ دلیل تو صرف اس بات کی چاہئے کہ ایسے کسی مقصد کے لئے جس نظام کے تحت کفر کو مثبت کرنا اپنی فسادگی کا حق تقویٰ نہیں کرنا اور اللہ کے ساتھ شرکت کے معصوب پر تفرقہ کے لئے مسند بنانا بھی جائز ہو جاتا ہے یا ہی سوا اللہ کے مسئلہ پر کوئی جواز کی دلیل پیش کی جائے تو بحث فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ راہ اللہ اللہ ذکر ہے اس پر بحث ہی کسی نے کی ہے تا آنکہ جواب یا دلیل دینے کی نوبت آئے؟ جہاں تک اخف الضرر میں (کٹر برائی) کے مسئلہ کا تعلق ہے تو دراصل یہ مصالح اور مفاسد کی ترجیح کی جانا پڑی ہوتا ہے اس بارے میں درخواست ہے کہ گزشتہ باب میں مصلحت پر جاری تھنکوا بھی طرح پر چلی جائے۔

ہاں یہ بات کہ کفر کو تشویش مالم یا ذن بہ اللہ کا حق نہ دے کہ ہم بڑے کفر کی راہ ہموار کر دے ہیں تو سوال یہ ہے کہ دنیا کی بچہ دہ اور بڑے کفر سے غالی وہی ہے؟ بھریہ اصول کس فقہ نے استنباط کیا ہے کہ جب بھی کسی اور دو معاشن کی طبیعت جنگ و جدل کے لئے کسے سے تو دار ایمان نبوت پر فرض ہو جاتا ہے کہ اپنا چاروازن کفر یا بدعاش کے ہلڑے میں ڈال دیں؟ دار اس اصول کو دنیا کے فسادات میں "اسلامی کردار" قرار کرنے کے لئے لاگو کیجئے آپ کا اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کس دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ باطل کا باکیہ انکار اور طاغوت سے کفر جو اللہ نے فرض کیا ہے اس عہد و ہرماں ہونے

کے لئے ایسے وقت کے انکار کا آخر کیا دلیل ہے، جب جہاں بھر کے بچوں نے بڑے کفر ساز میں ایک سے ہو جانے کے اور تا وقتیکہ ایمان سے باطل اور کفر کا بالکل انکار منسلک ہے گا؟

جہودیت کی پیچیدہ چارٹ اسٹریٹجی

ایک "نقشی" نگاہ کیا جاتا ہے کہ دوٹ کو باقی نظام سے الگ کر کے دیکھا جائے کیونکہ جب اس میں اصل برائی کا قانون سازی ایسا شرک ہے تو صرف اسی کو برا اور تھکا دینا چاہئے جبکہ دوٹ بہرہ رسانی میں نہیں آتا۔

کسی ملک کے کسٹمر، نہیں سے کھینچنے کیلئے مونا شیٹن کو الگ دھبہ پڑوں کی صورت میں مسئلہ کر لیا جاتا ہے۔ جو جمہوریت کو بھی داخل اسلام کرنے کے لئے یہ تہہ کی جاتی ہے آپ نے دوٹ حلال کر دیا دوسرے نے امید داری اور بربری جائز کر دی تیسرا دار اس سے زیادہ بے تکلف ہو گیا تو وزارت ایک بد عنوان آدمی سے بچا کر اپنے پاس رکھ لی۔ دلیل سب ہی کے ہاتھ میں نہ گئی سے لگ جائے گی، یا تو جمہوریت کے جو کھول دیئے تو اب اس کی ہر چیز الگ الگ حیثیت میں دیکھی جائے گی۔ حرام یہ تب ہوگی جب پوری ہوا اور پوری جمہوریت کو کھینچنے سے منافعت کر دی جائے گی۔

(۶) جہاں تک دوٹ کو وصول کھینچنے کا تعلق ہے اور تا اس طور پر یہ کہنا کہ ایک ہمارے دوٹ سے تو آسانی کا نہیں ہوتی تو عرض ہے کہ کوئی سب کے لئے ہوتا ہے اور سب کے دوٹوں سے ہی آسانی و جد میں آتی ہے۔ اگر برائی کے لئے اس بنا پر دوٹ حلال کیا جائے کہ اس کے دوٹ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو ایسے تھکے داد دیئے جائیں گے کہ سب بھی تھک جائیں گی اور ایک فرقہ گناہ تک بھی لازم نہ آیا۔ آخر افراد کے مجموعہ کے جتنے عہدے ہیں تو آسانی و جد میں آتی ہے۔ یہ تھامت باطل لکھی ہے کہ شراب چونکہ نشہ آوری کی بنا پر منع ہے اس لئے اس کی صرف دو مقدار حرام ہوگی جس پر کر دے دوسری اس سے کم مقدار تو اس پر کوئی حد نہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہلاک کرنا کثیرہ عقاب۔

حرام (میں جس میں تین طرح کے لکھی)

(۲) اسی سے بات کہ اللہ کی شریک آسانی بنانا ہے اسے دوٹ دینے میں کوئی حرج نہیں تو

سوال یہ ہے کہ وٹن غرضاً طبع کے لئے تو یہ حال نہیں ڈالے جاتے۔ آخر اس کی کیا قیام کے علاوہ دوت کا کیا مقصد ہے؟

(3) اگر شہادہات میں ہم نے اس بات کی خاص وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قانون سازی و تشریح کا حق صرف استعمال کرنا نہیں بلکہ اسے رکھنا ہی شرک ہے۔ اب جب اسکی قانون نہ کرتے ہوئے بھی طاقت ہوتی ہے اور دوت کا مقصد اس کی تائید کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو دوت کو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ توڑ کر دینا کی طاقت ہے؟

(4) اگر کوئی آدمی اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکا کہ اس نظام شرک میں ایک امام شیعہ کی عملی طور پر سربراہی ہونے والی شرکت کے علاوہ کچھ ہی نہیں ہے۔ پانچ سال تک چاہئے آپ طاقت میں ہوتے رہیں یا حاکمیت میں ایک امام آدمی کی حیثیت سے اس میں آپ کا عملی کردار ہاں پانچ سالوں میں صرف ایک دن خاص لئے کے لئے ہی ہوتا ہے اس سے زیادہ آپ کچھ کریں نہیں سکتے جسے حرام یا حلال کہا جائے۔ اب اس میں جو زیادہ سے زیادہ عملی کردار ممکن ہے اس میں تو آپ اور عقیدہ سے باہر آدمی ایک دوسرے کو بھڑائی کیا چاہیں سے پرہیز کیا جائے؟

عوام کی جہالت

کہا جاتا ہے کہ اس نظام کی حقیقت کے جان میں جو عام خدشہ رسانی کرتے ہو اور اس میں دوت کی حیثیت تھے ہو کہ انھیں یہ سوچ کہ اس میں شرکت کرتا ہے کہ وہ طاقت کا تقاضا کر رہا ہے؟ یہ بات تو ان کے ذہن میں ہوتی نہیں۔

مکمل بات تو یہ ہے کہ اگر لوگ نہیں جانتے تب ہی تو ان کے سامنے اس نظام باطل کی حقیقت آشکارا کرتے اور انھیں اس میں شرکت سے روکتے ہیں۔ اگر آپ بھی اس شری باطل سمجھتے ہیں تو خود بھی آگے بڑھ کر جان اے اللہ و اجنبوا العظائم کہ لوگوں کو دوت کی سنت انبیاء پر عمل کا بغیر اٹھائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کن اور کون کس مسئلے میں کسی کا علم یا لامی تو اس کے لئے قابلِ نظر

ہونے کی حد تک تو زیرِ بحث ہو سکتی ہے اس کے علاوہ جو وہ عمل نہیں ہوا کرتے بلکہ اس صورت میں یا حق یا کفر پر مبنی جاتا ہے۔

پھر تیسری بات یہ ہے امام اس کی حکم و طاقت تو بڑھتی ہی نہیں جس کو انہیں باطل یا لایہ واپس ہوت بھی ہو چکا کہ وہ دنیا میں کوئی نہ اپنی رائے دے جائے گی؟ وہ نہ اپنے کا مسئلہ دیکھ کر جوتا ہو کہ یہ جو دولت پر انہوں نے کھوئے خود شرک میں کرتے تھے ان میں سے ایسے تھے جن کے جواز نے مثل کا پورا مطلب جاتے ہیں؟ جہنم میں کہ وہ مسلمان تو نہ تھے بلکہ کفار تھے۔ دوسری جگہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں کچھ ایسے تھے کہ یہ دیکھ کر یہ سمجھنے کی راہ میں سرے سے ہیں؟ عام احساس کا کہنا یہ کہ اگر حق و باطل میں تیز کی کوئی تسلیم کر لیا جائے تو پھر باقی طرف سے آدمی کتاب کو کوئی اور ہی کام بخور کرنا ہے۔

اسکی میں کوئی اچھا آدمی نہیں رہے گا

جول امام دوسری آواز پر بلند ہوئی کیا جاتا ہے کہ اگر ہم اسمیوں سے پرہیز کریں تو ان پر قہرِ مسلم قائم ہو کر نظام حکومت سے خرابا نک و تصرف میں جائیں گے اور اگر نظام باطل کے کلی چننے سے ہم نہ نہیں تو دوسرے متن جائیں گے اور اس طرح زندگی کے سارے کاروبار پر قابض ہو کر وہ ہماری ہستی ہی کو ختم کر دیں گے۔ حتیٰ کہ اسلام کا ہم لئے جانے والی بات ہی نہ ہیں کہ ہم ان سے خطاب کر سکیں۔ لہذا یہ ہے کہ یہاں پہلے جتنے جہنم میں ہیں اس سے زیادہ تمام خلی کے نمونے ہیں اگر ہم نے کہا ہوتا کہ صرف ایک حقیقی ایسی امت کا کہ اس کے مسلمان زندگی کا سارا کاروبار چھوڑ دیں اور گوشوں میں جاتیں تو یہ اندیشہ ضرور کی حقیقت رہتی ہوتے۔ لیکن ہم اس غی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی بات بھی تو عرض کرتے ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان اس نظام کے ساتھ سازگار کرنے کی بجائے دنیا میں نظام قائم کرنے کے لئے حکم شریعت کو ہی دور دوسری قوم کے ساتھ یا دوسری امت کے لئے نکستیں اور حاکمیت کرتے کی بجائے ان کے سامنے دودن حق چینی کر دیں جس کی بھاری میں تمام دنیا کی توجہ کی تلاش ہے اور قرآن کے ذریعہ یہ دوسرے رسول بھیجے کے ذریعہ سے اور اخلاق اسلامی کے

اب یہ تو اس حقیقت ایمان سے واقف انسان زمام کار کے مالک ہوں مگر جب ایسا نہیں تو ان کا فرض کیا ہے کہ باطل کے اٹھارہ وارنٹ پر اس اللہ ان کے ایمان پر جسے ہیں، دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دیے رہیں، اولوہ الحزم رسولوں کی پیروی میں پوری جہاد کی سائنے رب کی بڑائی بیان کرتے رہیں، انتہائے سنی کا دشمن صرف آخرت کو جائیں اور اللہ کی رحمت پر یقین رکھیں جو صرف محسنین کا حق ہے۔

﴿اسْمِعُوا لِلَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّذِينَ يُبْنِئُونَ مِنْ بَنَاءٍ مِّنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

”اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنادیتا ہے اور خودی کا میراثی نہیں کے لئے ہے جس سے ذوق ہوئے کام کریں۔“

دوسرا حصہ

دستورِ اسلامی کا نمونہ

اب میں اپنی کتب خانہ ستر اسلامی کا نام دے کر حرمِ حجاز پہنچا تا کہ اسلامی آئین کا ایک نمونہ دکھائی دے کہ مانتے آجائے کہ اسلامی آئین کیسے چلتا ہے اور وہ کیسے ہے۔

برہمن کی برہمن کی تمام تر قرینیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
 پہنچائی ہیں۔ یہاں نہایت کم دھڑے سے مراد آکا مک ہے۔ یہاں یہاں یوں کہن اور حکم کی ہے اور قرینیت اور
 فیصلہ بھی ایسی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی برہمن برہمن برہمن کی ہے جس کے محبوب ترین ذات اور انبیاء اور رسول
 محبوب ہے آخری خوشی ہے۔ یہ جو مکمل ترین قرینیت ہے۔ یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مکمل ترین قانون
 کے ساتھ جوہت جوئے اور آپ علیہ السلام کی پاکیزہ دل اور جانتا ہے۔ یہ تمام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے۔

محمد صوفیہ کے بعد عرض ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کی بیشتر حکومتوں کی اسلامی شریعت سے
گرا کر دنیاوی عمل اور بعض کی جانب سے مسلمانوں کو ایسے قوانین پر عمل کا حکم ہے جن میں غیر تصنیف کی
گئی ہے کہ جو قوانین میں تو قبائلی طور پر امن کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور نہ ہی امن کے تحفظ اور دینی
قیامت سے قطع رکھے ہیں، یہی حال ہے کہ مسلمان ایسے دستور میں زندگی گزارنے لگ گئے جو کبھی کبھی
مطابق پر امن کے تین تین شاہنشاہوں میں جس کے سبب تو وہ قیام نے آزادی کا حاکم، بکھا اور نہ ہی اس میں
اعتدال کا مسلط جانے کا اور یہی وہی گئی ہیں کہ جنہوں نے اس تحریر میں ساری غلطیوں سے مسلسل
چھوڑا کر ان کے باوجود ایسا کر کے ہیں اور غلط فہمیاں کے سبب اسلامی حکومت کے زوال کے بعد
اسے تمام تر کالان اور دوسرا تو ان کے ساتھ ان پر نظر کرنے کا تھا۔

میں اس میں کہوں گا کہ انہوں نے کفر سے قیامت والے اس ظلم اور قوت سے پہلا اسلامی حکومت قائم کرنے کی خاطر کیا جدوجہد کے لئے بحوالہ زندگی اور مجرم کے لئے بحوالہ روح کے بے مسلمانوں کی شان کے خلاف بے دستور پانچ بیٹے بہت بڑا فائدہ کئے گا جس نے تمام مضامین زندگی کو اپنی لپٹ میں لے لیا۔ پانچویں حیدر مسیح نے فساد کیا کہ کفر و ایمان بہت سے لوگوں میں رات کر گیا۔ حاکمیت میں بے گناہ کا کوئی جھلک اور گروہی عام ہوگی۔ مظلوم زندگی میں بے خرابی پیدا ہوگی کہ

فہرست مضامین

نمبر	عناوت	نمبر
۱	پایا باب	۱۰
۲	الدرستور خلاصہ	۱۱
۳	فصل ۲۔ حکام کے حقوق	۱۲
۴	صوبہ کی مجلس انتظامیہ کے بیان میں	۱۳
۵	دور باب ۱۔ اصول و انوار کی نگاہ کی توجہ اور مشرقی کے بیان میں	۱۴
۶	اصلاحی دستور دوری فصل	۱۵
۷	فصل ۳۔ اور برقی اختیار	۱۶
۸	فصل ۴۔ سطح و انواع کا استعمال	۱۷
۹	تیسرا باب۔ مسابحات و اختراعات۔ پہلی فصل۔ اختر و ہندو زمرانج کی دکان کی طرح کی	۱۸
۱۰	دوری فصل۔ حکمت کی کساحی قی	۱۹
۱۱	تیسری فصل۔ بیت المال کے مصارف	۲۰
۱۲	چوتھا باب۔ تعلیم و تربیت۔ پہلی فصل۔ تعلیم کا وجہ و تعلیم کی کیفیت۔ سیکرٹری اور مدرسہ اور مکمل تعلیم	۲۱
۱۳	دوری فصل۔ غازی کی تعلیم و اقتصادی تعلیم	۲۲
۱۴	تیسری فصل۔ خوشن کی تعلیم	۲۳
۱۵	چاندھ باب۔ شہرہ ہر بار سن و دینی ہر امر	۲۴
۱۶	پنچا باب۔ شہریت و دفتری قوت۔ پہلی فصل۔ وزارت و دفتری قوت کے بیان میں اور ادارہ کی	۲۵
۱۷	فصل ۵۔ چاروں کے حکام	۲۶
۱۸	تیسری فصل۔ خوشن کی	۲۷
۱۹	چوتھا باب۔ تعلیم و تربیت۔ پہلی فصل۔ تعلیم کے وجہ اور مشرقی کے بیان میں	۲۸
۲۰	دوری فصل۔ تعلیم و تربیت کے وجہ اور مشرقی کے بیان میں	۲۹
۲۱	چوتھا باب۔ تعلیم و تربیت کے وجہ اور مشرقی کے بیان میں	۳۰

(میں جس شخص نے ہماری جماعت کی بیعت کی تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ بدعت ہوگا)
(۱۱۲/۱۲۳۲۰) اور حضرت محمد عربیؐ کی بیعت کی مطاعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا
(اور اگر تم اس (آپ علیہ السلام) کی مطاعت کرو گے تو ہدایت کو پاؤ گے) (۱۱۲/۱۲۴) (۱۱۲/۱۲۴)
اور ایمان اصل صالح ہے کہ جن سے اللہ و رسالت کا وعدہ کا تحقق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے
پیش نظر (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہیں نے نیک کام
کئے انہیں ضرور عطا فرمائے) (۱۱۲/۱۲۴) کے گواہ میں بھیجے ان کے پیلوں کو عطا فرمادیں، اور روایت ہے کہ
لے ان کا دین ضرور قوت (۱۱۲/۱۲۴) ہے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا اور روایت ہے کہ لئے خوف
کے بعد ضرور ایمان دل دیا (۱۱۲/۱۲۴) (۱۱۲/۱۲۴)

اور آخر میں عرض یہ ہے کہ یہ اسلامی دستور ہے جسے میں ہر مسلمان حاکم کے سامنے پیش
کر رہا ہوں اور تمام مسلمان کا کام ہے کہ اپنے لئے اور اپنے عمل کی دعوت دیتے ہوں اور ضرور اپنا وجود یہاں
کہ ہر وہ امت جس کے افراد اس کو قبول کر لیں وہ حق کے ساتھ ہیں اور اسے اپنا نہیں کیے
اس کے لئے دنیاوی عزت و سعادتی دنیاوی عزت اور آخرت میں عیش و عشرت کی نعمتوں کے ساتھ
کامیابی کو یقینی بنائے گا۔

اور یہ دستور جو ذیل اقسام پر مشتمل ہے

(۱) سیاسی قسم۔ (۲) نظام اور جماعت سے متعلق احکام کی قسم۔ (۳) اسلامی حکمرانی
قسم۔ (۴) انفرادی معاملات کی قسم۔

اور میں اللہ شہید بنانے سے سوال کرتا ہوں کہ جو کچھ اس دستور میں درج ہے تمام مسلمان
حکمرانوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے لئے وہ عزت و شرافت عطا فرمائی اور پاکیزگی و امان
توفیق دے کہ جس پر ان کے پاس واپس کی جائیں ہوتی ہیں تاکہ وہ اپنی دنیاوی عزت و عیش و عشرت
میں سعادتمند ہو جائیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر ان کو دنیاوی عزت و عیش و عشرت دلا جائے
تمام رسولوں پر اور ہر قسم کی تہمت و تفسیق اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا اور روایت ہے کہ

الدستور الاسلامی

دستور اسلامی کی تعریف: اللہ تعالیٰ کا اسلامی دستور اسے کہتے ہیں جو انسان کی تکمیل اور دنیاوی
و اخروی منزل میں اسے سعادتمند بنانے کے لئے وضع کیا گیا۔

انسان کی تکمیل کا مطلب: انسان اپنے حاکم و مطلق میں ناقص اور اپنے ذاتی نقصان،
انسانی قیمت اور انسانی آداب میں عاقل بن گیا جاتا ہے اور ان سب امور میں وہ تکمیل کو حاصل کرتا ہے
اور وہی عام ہر اس پر رحم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا بھی دستور مقرر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ
رسالت کی شریعت اور اس کا راستہ ہے تاکہ اس کی بدلت انسان کامل اور اپنے پروردگار کے پاس عزت
ملن جائے۔

سعادت کا معنی: اس زندگی کی سعادت انسانی جسم کو اس کے کھانے پینے اور ہر قسم کے
جسمانی نفسانی مشقت و تکلیف سے خالی رکھ کر جس ضروریات کے حصول کے ساتھ آسودہ حال بنانا ہے
اور اخروی زندگی کی سعادت یہ ہے کہ سلامتی والے گھر میں کمال نعمتوں کی لذت کے ساتھ انسانی جسم
اور روح دونوں کو خوشحال بنایا جائے۔

(۱) سیاسی قسم اور اس میں آٹھ اہباب ہیں جو انہیں فصول اور چھتر دفعات پر مشتمل
ہیں پہلا باب حکومت کے بیان میں اور اس میں چار فصول ہیں پہلی فصل حکومت بنانے سے متعلق ہے
اور اس میں پانچ دفعات ہیں (۱) امام مقرر کرنے اور حکومت کی بنیاد رکھنے کے متعلق ہے۔

اسلام نے اپنے اپنے اہل کار کرنے والوں پر اپنے لئے ایک امام مقرر کرنا اور ایک ایسی حکومت قائم
کرنا لازم کیا ہے جو شریعت قائم کرنے کے سلسلہ میں امام کی سعادت کرے اور لوگوں کو اس امر پر
امرارے تاکہ وہ اس کی بدلت و دنیاوی آخرت میں سعادت کو پائیں۔ اور اس اسلامی کا جو باب تین نہیں
ہیں۔ سب سے پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مسلمانوں کا امام مقرر
کرنا ہے بایں لوگوں کہ علیہ السلام کے پروردگار کا آپ (علیہ السلام) لوگوں کے درمیان فیصلہ
کر رہے ہیں اس ارشاد پاک کے تحت (۱) کے لئے ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی تھی تاکہ آپ

لوگوں کے درمیان فیصلہ کر کریں جو اللہ آپ کو کھارے (سوچا رہے) (105/4) نیز اپنے اس امر میں پاک کے تحت (اور یہ کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں اس سے جو نازل کیا اللہ نے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلو) (القیہ: 49/5) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انہیں کے فیصلہ گراۓ اپنے اس قول سے: "اوجب کر رہا (جس قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہو گئے جب تک آپ کو ضعف نہ دے گا میں اس بھڑکے میں جان کے درمیان اٹھے) (65/4) اور آپ علیہ السلام کی پہلی اس اپنے اس قول میں لازم قرار دی (یقیناً تمہارے لئے ہے اللہ کے رسول ﷺ) میں ایک بہترین سونہ (21/33) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام امر اہل مومنین فرماتے تھے اور گو گورنوں کے ساتھ حکام اور تاجروں کو مختلف صوبوں اور علاقوں میں بھیجا کرتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے علم اور اس کے حکم سے تھا لہذا اس سے اس امر پر راجح ہوئی کہ مسلمانوں کا چنانچہ امر مقرر کرنا اور اپنی حکومت قائم کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ احادیث مبارکہ ہیں جو اس بات کا فیصلہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: "جب تم اُدنی میں سرخ نکلیں تو اپنے آپ ایک شخص کو امیر مقرر کر لیا کریں" (ابور اور) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "ان تین انخاص سے لئے جائز نہیں جو کسی بیابان زمین میں ہوں مگر یہ کہ وہ اپنے درمیان کسی ایک کا چنانچہ امر مقرر کر لیں" (اسے احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا)

تیسری دلیل: تمام مسلمانوں کا (جو مگر اپنی مرضی نہیں ہو سکتے) اس وجہ پر اجتماع اور ان کا اپنے نبی اور سب سے پہلا امام آنحضرت ﷺ کی وفات کے مقام میں جلدی کرنا بائیں طور پر انہوں نے آپ ﷺ کے خلیفہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی جو مسلمانوں کو ان کے سب کی شریعت اور ان کے نبی ﷺ کے طریقے پر عمل کا ہیضہ اسی طرح حکم دیتے تھے۔ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ حکم دیا کرتے تھے۔

دفعہ (2) غلط فہم کرنے اور اس کی اطاعت واجب ہونے کے بیان میں مسلمانوں پر ان کا خلیفہ و امراء میں سے کسی ایک امر سے مقرر کیا جائے گا پہلا امر یا پہلا طریقہ: یہ ہے کہ خلیفہ کو امت

میں ہر ایک میں اور وہ راندہ شریعتی نشانات کے انتخاب والے طریقے سے مقرر کیا جائے۔ چنانچہ امام و مسلمان اور میدان جہاد و اقتصاد سے وابستہ بڑے حضرات اس منتخب خلیفہ کے ہاتھ پر کتاب و سنت کے مطابق عدل و شریعت قائم کرنے پر بیعت کریں پھر اپنی امت کتاب و سنت کے مطابق شریعت اور عدل انصاف قائم کرنے پر ان کی بیعت میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرے اور اس شریعت و سنت کے کہ وہوں میں اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی اور اس کی بنیاد ۱۶ دہائی جب تک کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ان سے سب کی شریعت اور ان کے نبی ﷺ کے طریقے سے مطابقت رکھے اور عدل و شریعت قائم کرے اور اسی طریقہ کار پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر کئے گئے۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ خلیفہ خود اپنے آپ کو اختیار کرے اور وہ مقرر کرے اور لوگوں کو اپنی بیعت کی وجہ سے وابستہ میں سے دراندیش اور ہر ایک امام، میدان جہاد اور مالکیت و اقتصاد سے وابستہ بڑے حضرات جلدی سے کتاب و سنت کے حکم کے مطابق شریعت اور عدل قائم کرنے پر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں پھر ان کی اور ان کے ہاتھ میں حضرات کے اس کے ہاتھ پر اپنی امر پر بیعت کر لیں کہ جس امر پر دراندیش و ہر ایک میں حضرات کے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہو چکی کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرے اور عدل و شریعت کا قیام۔ اور اس بات مسلمانوں کے خلیفہ اور ان کے امام کی اطاعت کے لازم ہونے کی بات اللہ رب اعزت و ارشاد فرماتے ہیں (اسلامیاء) اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں) (58/4) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد: "پاک ہے کہ" سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم ایک منشی غلام و حاکم ہو جس کا سر کشش کی مانند ہو (اسے بخاری نے اور اس نے روایت کیا) جیسا کہ مسلمانوں کے خلیفہ امام کے خلاف سرکشی اور اس کے حکم کی بنیاد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے ثابت ہے کہ: "جو شخص اپنے امیر سے کوئی چیز مانگے کہ تو اسے مانگے کہ موت مر گیا (مشتق علیہ) اور اچھے کاموں کے علاوہ کے برابر نکلے گا (بنیاد سے گا) تو وہ جہالت کی موت مر گیا (مشتق علیہ) اور اچھے کاموں کے علاوہ

دیکر غیر شرعی امور میں شوق اطاعت واجب ہے اور نہ ہی بغاوت حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ
 ”مسلمان شخص پر منشاء اور اطاعت کرنا لازم ہے اس کام میں جسے وہ پسند کرے اور اس کام میں بھی جسے وہ
 ناپسند کرے جب تک اسے کسی اہمیت کا حکم نہ دیا جائے سو جب اسے کسی اہمیت کا حکم دیا جائے تو نہ
 منشاء چاہئے اور نہ اطاعت کرنا“

دفعہ (3) خلیفہ کی صفات کے بیان میں

خلافت یا امامت پر اسی شخص کے ہاتھ پر اختیاری حیثیت کی جائے گی جس میں درج ذیل
 صفات جمع ہوں:

(1) اسلام اس حیثیت سے کہ وہ باطنی دارمؤمن ہو واللہ رب العزت کے فرائض انجام دلاتا ہو
 اور اس کے وضع کردہ امور سے مکمل امتثال کرتا ہو۔

(2) صحیح سلامت عقل۔

(3) اندھے، مجنگلے اور بہرے پن سے صحیح سلامت ہوتا اور اسی طریقے پر بات چیت کرے اور
 بے دلی کا صحیح سلامت ہوتا۔

(4) کتاب و سنت اور شریعت کے اصول و ضوابط پر عمل اور یہ کہ ان امور کے اندر وہ اجتہاد کا
 درجہ رکھتا ہو۔

(5) معزز اور پاکیزہ نسب کا ہونا۔

یہی بات اسلام کے شرط ہونے کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک کی بناء پر ہے (اور
 اطاعت کرو ان کی جو چیز میں سے حکومت والے ہیں، جس کے بیان میں مہینین کو خطاب ہے چنانچہ اس
 سے اس امر پر دلالت ہوئی کہ خلیفہ اور امام کے اندر ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اور دینی عقل کی شرط تو وہ اس
 وجہ سے ہے کہ مشفقین اور دکانیفہ عقل سے متعلق ہوا کرتی ہیں۔ اور اعضاء و حواس میں سلامتی کی
 شرط اس بنا پر ہے کہ انہیں منصب کا حق وی شخص ادا کر سکا ہے جو صحیح سلامت اعضاء و حواس کا مالک
 ہو۔ اور دینی بات شریعت کا حکم رکھنے کے شرط کی تو وہ اس لئے ہے کہ شریعت ہی دراصل اصل حکم اور

قانون ہے تو جو شخص شریعت کو ٹکس جانتا تو نہ اس کے لئے شریعت کے مطابق فیصلے کرنا ممکن ہے اور نہ
 ہی وہ مطلوبہ صورت پر اس کا نظاؤ کر سکتا ہے۔ اور وہی بات نسب کے بارے میں معزز ہونے کی تو اس کی وجہ
 یہ ہے کہ تمام انبیاء معزز امتوں میں سے نبوت کئے جاتے تھے۔ اور غلبہ ہونا۔ امت اور شریعت کے
 معاملے میں اللہ کے رسول ﷺ کا غلبہ ہونا کہتا ہے تو غلبہ امتا نسب میں ہے۔ اور وہ معزز نسب والا
 ہونا کہ کثیر اور گروے پرانے نسب والا ہو کیونکہ اس کی نفقت و احترام کے لوازمات میں سے ہے اور غیر
 اس کی اطاعت بغیر بائبر داری کے بھی لازم ہے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول اس بات کا
 شاہد ہے کہ ”عرب ذہن اختیار نہیں کر سکتے قریشی قبیلہ کی بدلت“ اور یہ نظام عرب کے باطن قریش
 کے معزز ہونے اور ان کے رہنے پر مبنی ہے۔

دفعہ (4) مجلس خلافت تشکیل دینے اور اس کے اہم کام کے متعلق

مجلس خلافت کے نام سے مہم جو ایک مجلس حکومت کی ذمہ داریوں اور کام کا جگہ کے بوجھ
 کے سلسلہ میں خلیفہ کی معاون و مددگار ہوگی جو ان افراد سے مل کر بنے گی۔ (1) خلیفہ کا ایک ایسا نائب
 جو علم، نیکی، کفایت اور خلافت کی ذمہ داریوں اور حکومت کے اہم کاموں کے عمل میں اس کا ہم مشل ہو
 گی۔ (2) علم، جنگ و قتال اور مال و چاندی اور دالے دو ایک تجربہ کار افراد کہ جن کا شمار ملک کے دراندیش
 اور باریک میں شخصیات میں ہوتا ہو۔ اور ہاں مجلس کا اہم ترین کام تو وہ یہ ہے کہ باہمی رائے اور
 مشورے کے ذریعے خلیفہ کی رہنمائی اور معاونت کو زیادہ سے زیادہ بڑھا جائے۔ اور یہ اللہ رب العزت
 کے اس قول پر عمل کے پیش نظر ہے۔ (اور آپ ان سے مشورہ کر لیا کریں معاملے میں) (اور دوسری جگہ
 ارشاد ہے: (اور ان کو اپنے درمیان (معاملات میں) مشورے کا حکم ہے) اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی
 اور آپ علیہ السلام کی سنت پر عمل کے سبب ہے اس طور پر کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ رضی اللہ
 عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سے امور میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
 وہ اچھے مشورے دیتے جو وہ مناسب سمجھتے تھے چنانچہ آپ علیہ السلام ان کی رائے اور مشورے کو قبول
 کر لیتے۔ یہاں تک کہ ان کی حیثیت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزراء کی سی تھی اور وہ آپ علیہ السلام

کے معاون تھے۔ مزید برآں یہ کہ علیہ السلام مختلف دلداریوں میں سے کسی ایک وزارت کی ادارت ان میں سے ہر ایک کے سرکردہ رہتے تھے۔ چنانچہ جو سب اہل فتنہ ہوتا تھا وہ دل و جفا بکھڑے ہر طرف فرماتے اور جو عام ہوتا تھا تعلیم و تربیت کا ذریعہ ہر طرف فرماتے اسی طرح میدان جنگ سے اپنے شخص کو ذرا دفعتاً و اتصافاً الے کو ذریعہ مال و اتصاف اور صلوات والے کو ذرا دفعتاً و اتصافاً فرماتے اور اسی طریقے پر ہر ایک اپنے اپنے کی وزارت کی باگ ڈور سنبھالتا تھا جو اس کے شخص کو آتا تھا۔

دفعہ (5) غلطی سے غرضی اور غرضی کے لئے اور دوسرے شخص کو اس کی جگہ ہر طرف فرماتے میں جب تک غلطی خلافت کی نہ دلا اور کام کو حق کے لئے بھی نہیں ہے قدم دے رکھتا ہوں اور اس کا پورا پورا حق ادا کرتا ہوں اس وقت تک اسے غرضی نہیں کیا جاسکتا کہ مسلم شریف کی ایک روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اور جو شخص کسی امام سے بیعت کرے اور اس کو اپنا تھو دے دے اور دل سے اس کی بے ہمداری کی نیت کرے تو اس کی اطاعت کرے اور جانتا ہو پھر اگر دوسرا امام اس سے لڑے تو جانتا ہو اس دوسرے کی روانہ ماذی پھر اگر دوسرا منصب میں کوئی کسی حجاز کی کے سبب نہ لڑے لائق ہو جائے یا کسی مستقل مرض کے سبب جس میں وہ جلا ہو جائے یا اس مرض کے سبب انتقال ہو جائے کے سبب تو پھر کسی خلافت اس کے نائب کے ہاتھ پر دیتے کہ اس کی تمام معتبر صفات میں اس کا ہم مثل ہو پھر تمام لوگوں کو اپنے غلطی کے ہاتھ پر کتاب و سنت کے حکم کے مطابق شریعت اور عدل قائم کرنے پر بیعت کی دعوت دی جائے گی اور اس کے لئے مسلمان علماء میں سے ایک ایسا نائب مقرر کر دیا جائے گا جس میں غلطی تمام صفات جمع ہوں اور اسے اپنی مجلس خلافت میں داخل کر دیا جائے گا۔

فصل (2) حکام سے متعلق

اور اس میں چار دفعات ہیں

پہلی دفعہ: ولایت کی شرائط سے متعلق ہے

ملک کی کوئی بھی ولایت چاہئے وہ نصا کی ہو وزارت کی ہو ولايت کی ہو امارت کی ہو انتظامی امور کی ہو یا کسی ادارہ سے کی ولایت ہو اس وقت تک کسی بھی شخص کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے

کیا بناؤ تین اسلامی ہے؟

جب تک اس میں اور دنیاوی شرائط نہ پائی جائیں،

(1) ایمان اور تقویٰ: کہنا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ (یا اے اللہ کے پاس تم میں سے بہترین سے بہترین میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے) چنانچہ اپنا دل میں خیر سلسلہ کوئی اور اسی طریقے پر وہ فاضل و فاجر مسلمان جو کبھی دیکھا ہوں کہ سر تکبوت ہو تو مذکورہ مناصب میں سے کوئی بھی منصب کسی بھی صورت میں ان جیسے لوگوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا (۱) کہ کوئی خستہ ترین ضرورت پیش آئے اور پھر ان شرط پر کہ حکومت ان ضرورت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں اس منصب یا اہل شخص یا کارکن پر کام کرے گی۔ (2) یہ کہ جو منصب اس کے حوالے کیا جا رہا ہو اس کے معاملے میں مکمل علم اور سوچ ہو پھر دیکھئے کہ حوالے سے پھر اپنا تلبیہ ہو اور یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پاک کے فاضل نظر ہے کہ "جب حکومت نااہل شخص کے سپرد کی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو" (بخاری)۔

(3) یہ کہ منصب کے امیدوار نے نہ تو منصب از خود مانگا ہو اور نہ ہی اس کے حصول کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوئی کاوش دینی کی ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بھلا تم اس کام کا والی کسی بھی اس شخص کو نہیں مانتے گے جو اسے طلب کرے یا اس میں ملے رکھے" (مسلم)

دفعہ (2) حکام وغیرہ کو متعین کرنے کی کیفیت کے بیان میں:

ملک کے تمام مناصب مثلاً: قضاء، وزارت، ولایت، امارت، قیادت اور انتظامی امور کی انجام دہی مذکورہ دو امور میں سے کسی ایک امر یا طریقے سے سپرد کئے جائیں گے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ حکومت ایسے شخص کو منتخب کرے جس کے لئے وہ منصب چاہتی ہے اور یہ کام (انتخاب) اس شخص کی امانت رکھتا ہے وہ جانے میں انتہائی چھان بین کرے اور نہ صرف منتخب کے بعد کیا جائے گا کیونکہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت راشدین میں بھی اسی طریقہ پر امراء، حکام، اہل مال کو متعین فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ ملک، شہر، علاقے یا گاؤں دیہات والے کسی ایسے شخص کو منتخب کریں کہ انھیں اس

کے سپرد کرنے کا ارادہ ہو، اس میں اس منصب کی تمام شرائط کا درجہ قائم ہوں خواہ امانت، اقلیت وغیرہ۔

دلیل (3)

حکام کا مکتبہ میں اپنے دیگر ہم منصبوں کے ساتھ برابری کے بیان میں اس امر کا پاس رکھ کر ضروری ہے کہ ملک میں نسب والا حقیقی اور ادبیات کے باب میں کسی بھی صورت میں اپنے دیگر ہم وطنوں سے ممتاز نہ ہو، اگرچہ صاحب منصب خواہ اہل مسلمین بن کیوں نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان برابر اور ایک جیسے ہیں جن کے ذوالیہ ایک ہم نامی دوسرے کے شامل ہیں اور مکتبہ دہلی کے حوالہ سے اس میں سے سب سے اونچی رتبتہ شخص بھی ذیوں کو دیا گیا ہے۔ اور سب اپنے اہلیار پر ایک ہاتھ کی مانند ہیں جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ "صاحب منصب کے لئے خواہ اس کا منصب کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ اور رتبتہ کسی کہ وہ کسی مسلمان ہم وطن پر غلبہ رکھے یا اس کی حرمت کو باطل کرے یا اسے جائز ٹھہرائے یا اسے دوسرے سے زیادہ یا کم کسی ازلی حق کے اس کا مال اپنے قبضے میں لے۔" اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ صاحب منصب نے کسی بھی ہم وطن کے ساتھ زیادتی کی خواہ وہ کسی بھی قسم کی کوئی زیادتی ہو تو پھر اس صاحب منصب کو پورا پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ قاضی کے ہاں اپنے اپوزیڈیٹی کرے۔ والے اس صاحب منصب کے خلاف دعویٰ دائر کرے اور اس سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا فیصلہ کروائے۔ اور حقیقت نے اسے ایسا ہی کیا ہے کہ کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کرے مگر چاہے اس شخص کے ساتھ زیادتی کرنے والا خود مسلمانوں کا امام اور مظہر یا اس سے بھی بڑھ کر کیوں نہ ہو کیونکہ کوئی بھی شخص اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ فضیلت اور شرف والا نہیں جب تک آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے جس کسی شخص کا مال یا ہوتو یہ میرا مال حاضر ہے سو وہ اس میں سے لے۔ اور جس کسی کی چیز پر میں نے (کوڑا وغیرہ) مارا ہوتو یہ میری چیز حاضر ہے سو وہ اس سے بدلہ لے۔" اور ایک دفعہ سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی شخص سے ایک مقدمہ کر لیا اور اسے ان کے شریع نامی قاضی کے پاس لے کر چلایا گیا چنانچہ امام القضاء فیصلہ کرنے پر چڑھ گیا یا ان کا آپ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ اور

ان کے امام تھے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سارے جہاں کی تمام شریف خواتین کی سردار بنی ہیں ان کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر یہ پندری کرئی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

دلیل (4)

اس بیان میں کوئی غلط کرنا اور نصیحت کرنا تمام ہم وطنوں کا حق ہے۔ ہر اہل وطن شخص جس نے حکومت کے کسی صاحب منصب کے کوئی ظلم یا زیادتی یا کوئی بڑا انصاف ہوتے دیکھا خواہ وہ صاحب منصب خود مسلمانوں کا امام یا اس سے کم رتبہ والا کوئی قائم کو رہی کیوں نہ ہو تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے باور دلائی کر اسے اور وہ مکتبہ نصیحت کرے اور اسے اپنے کام سے اسے مخاطب کرے لیکن خیال رہے کہ یہ نصیحت امتیازات اور احترام کے دائرے کے اندر ہو اور اس حق کا حصول ایک صحیح حدیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے کہ "اور یہ کہ تم اس شخص کو نصیحت کرو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کا حاکم بنایا ہے اور جسے نصیحت کی جائے اس پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کو قبول کرے اور اس پر شکر ہے اور اسے" اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس بات کہ جب وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے یہ کیا اسے عمر! ہمارے معاملے میں اللہ سے ذوق تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ کہہ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم سے یہ بات نہ کہتو تمہارے اندر کوئی خیر نہیں ہے اور اگر تم تمہاری اس بات کو قبول نہ کرے تو ہمارے اندر کوئی خیر نہیں ہے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص مجھ میں کوئی کجی (خللی) دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی اصلاح کرے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر تم لوگ اللہ کی کتاب کے مطابق یہ فیصلہ پاؤ کہ تم میرے یا کسی بیڑوں میں ڈالنے ہیں تو میرے پاؤں بیڑوں میں ڈال دینا اور مظہر ت اور کبر صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں فرمایا کہ تو لوگو! میں تمہارے امیر کا بنا گیا ہوں اور میں تم سے افضل نہیں ہوں، اگر میں دوست رہوں تو میری عمر یہ ہو کہ تم اور اگر میں کوئی ظلمی کروں تو میری اصلاح کر لینا۔ ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ وہ مکتبہ نصیحت میں ایسی باتیں کہنا چاہئے جن سے کوئی جبراً

مسلم مقررہوں کی تہ ذین و ذلیل پر اور اہل کرتی ہوں کیونکہ ہر اہل زمین پر تمام ملک کا احاطہ اور تنظیم لازم ہے اور اس کا سبب آپ ﷺ کا قول ہے کہ بلاشبہ مسلمان لازم ہے شخص اور اس کا نظارہ قرآن کی عزت کرنا اور خدا تک و تعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہے جو تورات سے (قرآن کریم کر) ناطہ حصہ میں استعمال کرتا ہو اور خاص سے وہ فانی کرتا ہو اور اسی طریقے پر منصف بادشاہ کی عزت کرتا۔

(تیسری فصل)

حکومت کی کیفیت اور خلافت کے تابع صوبوں کا نظام چلانے کے بیان میں اور اس فصل میں دو دفعات ہیں۔ پہلا دفعہ خلافت کا کوئی نائب متعین کرنے سے متعلق ہے۔

خلیفہ اپنا ایک نائب متعین کرے جو حکومت اور خلافت کے تابع تمام صوبوں کا نظام چلانے کا والی ہوگا جو "والی الاموال" یعنی تمام صوبوں کا حاکم کہلا جائے گا۔ اس امر کو ظاہر کیجئے ہوں کہ اس میں تقریباً دو تمام مطلوب شرائط پائی جائیں جو خود خلیفہ کے لئے منصب خلافت سے مستحیل ہونے کے لئے مطلب ہو ا کرتی ہیں یعنی کہ شریعت کے تمام اصول و فروع کا علم رکھنا اور تقاضائی و مستحقان کی صفی سے منصف ہونا اور اس معائنہ میں خدائی عمل رسول اللہ ﷺ اور آپ علیہ السلام کے بعد مثلاً غلامی یا غلامی کا عمل ہے کہ وہ حکام کو اپنی طرف سے متعین فرماتے تھے کہ وہ دارالافتاح سے دور اور از واقع طاووس پر نظر رکھیں۔

دفعہ (2)

صوبہ کی مجلس انتظامیہ کے بیان میں

خلیفہ کا نائب جب صوبے میں آکر مسلم ہو جائے تو اسے از م ہے کہ وہ اپنی ترکیب ایک صوبائی مجلس وجود میں لائے اور اس مجلس کے لئے وہ اس کے اندر صوبے اور ضرورت پڑنے پر صوبے سے باہر کے علم تقویٰ اور استقامت میں صفات کے حاملین حضرات میں سے منتخب کرے یا اس طور کہ یہ مجلس مجلس خلافت (دوامی مجلس) کی ایک چھوٹی سی شکل ہوگی پھر وہ علم و حرب و قتال اور اقتصاد اور جماعت والوں میں سے غیر واستقامت رکھنے والے حضرات کو اس مجلس میں شامل کرے گا۔ اور حاکم اس مجلس میں

سے اپنا ایک سہارا اور جماعت تشکیل دے گا جس کے ذریعے وہ صوبے کا نظام چلائے گا اور اس پر مقررہوں کی رہا۔ اور جیسا کہ وہ اس مجلس کے ارکان میں سے ہر کن کے ذمہ تمام صوبوں میں ملک کے خلافتی امور میں کسی ایک خلافتی کام کا نظام سونپے گا تو ساتھ ہی ساتھ وہ ان مجلس کے تمام ارکان کے منظور لے کر اور ان میں سے ایک جماعت کی درس دینے کو پڑائے گا۔ چنانچہ وہ فقہاء کی جماعت میں سے تاجروں کا ایک سربراہ مقرر کرے گا۔ ان کی جماعت میں سے تعلیم کا ایک سربراہ مقرر کرے گا اور میدان کارزار سے وابستہ جماعت میں سے اس دن کا ایک سربراہ مقرر کرے گا اور اسی طریقے پر ہر خصوص خلافتی کام کا سربراہ اپنے شعبے میں ایک عام سربراہ مقرر کرے گا اور اپنے تمام تصرفات کو اس کے حوالے کرے گا چنانچہ ان حضرات میں سے کوئی بھی اپنے خلافتی کام سے متعلق کسی بھی امر کو اس وقت تک نافذ نہیں کرے گا جب تک کہ اسے مجلس کے دو برادر پیش نہ کر دے اور اس پر تامل خیال کرے کہ اس پر وہ اقتضائے ذکر لے کر پھر اس کے بعد یہ امر تصدیق اور ثابت کرنے کے لئے ان مجلس خلافت کے سامنے رکھا جائے گا۔

وضاحت:

مثال کے طور پر اگر کوئی وزیر تعلیم اپنی وزارت سے متعلق کوئی رائے دیکھے تو وہ اس میں غور و خوض اور اس کی تصدیق کے لئے اس کو مجلس خلافت کے تمام ارکان کے سامنے پیش کرے گا سو جب مجلس کی موافقت ثابت ہو جائے تو خلیفہ اس امر کو جاری کر دے گا اور وزیر کے حوالے کرے گا کہ تمام صوبوں اور علاقوں میں اس امر کے نظارہ اور اس پر عمل کرنے کے لئے سارے تعلیمی سربراہان کی طرف روایت کر دے گا اور وزیر اعلیٰ مجلس میں ہر وزیر کی بہ نسبت ہیں۔ حالانکہ وہ۔

چوتھی فصل

صوبے کے اندر مشرعوں اور کاؤں و دیہاتوں کا نظام چلانے کے بیان میں اور اس فصل میں خود اہل ہیں پہلا دفعہ شہری مجلس کے قیام کے بیان میں شہریات میں تمام کاؤں و دیہاتوں کی سربراہی شہری مجلس کے نام سے مہموم ایک مجلس کرے گی۔ اس مجلس کے ارکان ملک کے تمام اضلاع میں انتہائی ماہر و تجربہ کار افراد میں سے ہونگے اس طور پر کہ اس میں ہر کن حکومت کے فنانس کاؤں میں سے

کسی ایک کام کے سربراہ کا قائم مقام ہوگا۔ چنانچہ اس مجلس کا سربراہ دوسرے کے حاکم کا نائب ہوگا اور پولیس کا سربراہ دوسرے میں عام امن و امان کے سربراہ کا نائب ہوگا اور عدالت اور قاضیوں کا سربراہ دوسرے میں عدل و انصاف کے سربراہ کا قائم مقام ہوگا اور اسی طرح سے ہر شعبہ میں ہوگا یہاں تک کہ شہری مجلس اس صوبائی مجلس کی چھٹی سی مجلس بن جائے گی جو خود پولیس خلافت کی ایک مجلس ہے۔

دفعہ (2) شہری مجلس کے مقصد کے بیان میں:

شہری مجلس کا مقصد: (1) اور میں مقرر ہے۔ پہلا اور ہر اس سبب کو تلاش کرنا ہے جو شہری شان کو اونچا کر دے اور اس کے لئے درستی اور بھلائی کو یقینی بنائے اور اسی طرح اس معاملے میں دیگر طرح سے تعاون کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر رکن ان تمام سبب کو پیش کرے جو اس کی مصلحت یعنی خلائی کام میں پیش آئیں اور دوسرے یہ کہ مجلس کے تمام ارکان ان مسائل کے حل کے حوالے سے ایک دوسرے سے مشورہ میں اور ہر ایک مسئلہ کو اپنا میں اور دوسرا میرے ہے مجلس میں موجود ہر رکن شہری حکمت کے خلائی کاموں میں سے کسی ایک خلائی کام کی کام کی سربراہی انجام دے گا اور اسی بناء پر شہری مجلس سے درج ذیل مجلس وجود میں آئیں گی:

(1) پولیس کی مجلس (2) قضا اور فیصلہ کی مجلس (3) مالیات کی مجلس (4) تعلیمی مجلس (5) اجتماعی اصلاح کی مجلس۔

دفعہ (3) پولیس کی مجلس کے قیام اور اس کے مقصد کے بیان میں پولیس کا عملہ ان افراد سے مل کر بنے گا:

(1) پولیس کے عملہ کا سربراہ اور اس کے لئے یہ شرط لگائی جائے گی۔ وہ خیریت کا علم رکھنے والا ہو اور صاحبِ اختیار اور مستقر ہو۔

(2) مجلس میں کام کرنے والے ارکان اور عملے کے کاموں کی آسانی کے سلسلہ میں ان کی مدد کریں گے۔ اور اس عملے کے تصرف کے تحت ان میں جیسے افراد کی کچھ تعداد مقرر کی جائے گی جو شہری کشادگی اور بھی کے حساب سے کم زیادہ ہوتے رہیں گے۔ یہ لوگ پولیس کے اصل مقصد کو جو ہو میں

انہیں کے جان امور پر مشتمل ہے۔

(1) شہر کے اندر امن و امان اور درست نظام کی حفاظت۔

(2) شہر کے اندر عام چال چلن کی ترتیب اور اس کی سرچش۔

(3) ان شہری کام کا نڈہ چھین حکومت تمام اہلیان وطن پر صادر کرتی ہے۔

(4) شہر کے اندر اہلیان وطن کے بائیں اہمیت کا قائم کرنا اور برائی سے منع کرنا چاہیے یہ ہر اس اچھائی کا ختم کریں گے جس کو یہ لوگوں کے درمیان چھٹا نہ لکھیں گے اور ہر اس برائی سے منع کریں گے جس کا یہ لوگوں کے درمیان ارتکاب کرتا ہے یا لکھیں گے اور یہ اللہ رب العزت کے ان ارشاد کے پیش نظر ہے (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی جائے جو خیر کی طرف بلائے اور اچھائی کا ختم کرے اور برائی سے منع کرے اور میں لوگ کامیاب ہیں) اور ان آیت 104

دفعہ (4) عدل و قضاء کی مجلس کے بیان میں

ایک شہر یا قریب کے تمام گاؤں و دیہاتوں میں عدل و قضا کی ایک عدالت قائم ہوگی جو ایک سربراہ اور چند قاضیوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ وہی صاحبان اس سربراہ کی ان فیصلوں میں حکام صادر کرنے کے سلسلہ میں مدد کریں گے جنہیں اہلیان وطن خود و خود اور فیصلے کے لئے عدالت میں پیش کر رہے ہیں اور یہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے (تم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دیکھ کر کچھ اور تم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں) اور نیز اس ارشاد پاک کے پیش نظر ہے (اور جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)۔

دفعہ (5) مالیاتی مجلس کے بیان میں

کسی ایک شہر یا قریب تمام گاؤں و دیہاتوں میں ایک مالیاتی مجلس قائم ہوگی جو صندوق کا سربراہ ایک نائب ایک حساب کتاب کے ماہر اور ادوار خراج جمع کرنے والے شخص پر مشتمل ہوگی اس صندوق میں ملک کے اموال جمع کرنے اور تصرف کرنے کی خاطر رکھے جائیں گے اس پر بیت المال

کے فرخ (اس کی ایک قسم) کا اطلاق ہوگا اور یہ مالیت کی زراعت اور خلافت کے ہیبت لہال کے ساتھ ملتا رہا ہوگا۔

دفعہ (6) تعلیمی مجلس کے بیان میں

خلافت کے کسی ایک شہر میں ایک تعلیمی ادارہ ہوگا، جس میں ایسا جائے گا جہاں ایک سربراہ اور چند نگران اور شہسبازانِ انفرادی پر مشتمل ہوگا اور اس کا مقصد تعلیمی معاملات کا قیام اور سب سے تعلیم کے عام ادارے کا قیام ہوگا تعلیمی معاملات کے لئے جائز مقرر ہوئے اور یہ ادارے امور پر قائم ہوگا جس کا تعلق تعلیم و تربیت جیسے اہم مقصد کے ساتھ ہو۔

دفعہ (7) اخلاقی اصلاح کے عمل کی مجلس اور اس کے مقصد کے بیان میں اخلاقی اصلاح کے عمل کی مجلس ان افراد سے مل کر بنے گی:

(1) اسلامی شریعت کا علم رکھنے والا ایک جدید عالم جو سربراہ ہوگا۔ (2) ایک ماہر و تجربہ کار لٹریکٹر۔ (3) ماہر و حافظِ طبیب۔ (4) اقتصادیات کا پروفیسر۔ اور اس عملے کا مقصد وہ تمام امور ہیں جو شہر کے تعلیمی و اخروی دونوں پہلوؤں کے معاملات سے تعلق رکھتے ہوں اور وہ درج ذیل ہیں:

(1) شہروں اور گاؤں، رہائشوں میں تیسرات اور حدود و مقرر کرنے کی صداقت۔ (2) شہر اور گاؤں کو کچھ میں برابر سربراہ عام صفائی تھراکی۔

(3) پانی اور بجلی کے تنظیلات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال کرنا۔ (4) شہر اور گاؤں و مساتوں میں اشیاء کی منتقلی کی دیکھ بھال۔ (5) آگ بجھانے اور جان بچانے والے (ایمرتھنسی) آلات و ذرائع کی تیاری اور ضرورت پڑنے پر انٹین عمل میں لانا۔ (6) عوامی تحائف کی سرپرستی اور ان کی نگہبانی کرنا اور اسی طریقے پر عام اجتماعات کی۔ مثلاً قبوہ خانے، بجلی محافل، ورزش اور کھیل گاہوں کے میدان، اور ساحل سمندر وغیرہ فراخ گاہوں وغیرہ وغیرہ۔ (7) بازاروں، مفتی سرایوں اور رجسٹری سہانوں کی نگرانی۔ (8) اہلکار و ملین مردوں اور عورتوں کے لباس کی نگرانی اور اسی طریقے پر مردوں اور عورتوں کے الگ الگ لباس کے اعتبار سے بھی ان کے طبہ سات کی نگرانی کرنا۔ چنانچہ

مرد و بیوا عورت و دونوں کو عصر و شب اسلامی لباس کے آداب کے انکشاف سے باہر لے کر انہیں اپنا ذاتی دینی (9) لباس کی ایک ذمہ داری کرنا اور اسے مندرجہ ذیل جہات میں سے لئے مخصوص کرنا

(1) ملّا۔ (2) فون۔ (3) پیمس۔ (4) عورتیں۔ (5) خلیل، عورت اور ورزش، اسے دالے اور یہ سارا تمام آپ شہر انصار و اسلام کے اس اور قبا کے سبب خرفہ و راقیہ کے پیش نظر ہے کہ "جو جس آدمی کی مشابہت اختیار کر لیا تو اس آدمی میں سے ہوگا" (یعنی اس کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا)

دفعہ (8) مجلسِ صحت کے بیان میں۔

ہر شہر یا قریب سے تمام گاؤں و محلوں میں صحت کا ایک ادارہ ہوگا جس کا سربراہ صحت کے اس عام سربراہ کا نائب ہوگا جو اسے خود مجلسِ خلافت میں موجود وزیر صحت کا قائم مقام ہوگا۔ اور اس مجلس کا مقصد خلیعوں، نائکروں، مرہٹوں، اور ملان کی اور جہاں معاملے کی سرپرستی ہوگی جو ہسپتالوں، دواخانوں اور لیکنوں میں علاج معالجے سے تعلق رکھتا ہو۔ اور یہ عملہ اپنی تمام طبی و تشخیصی تہذیب اور صحت صرف کرچا جس کی ہر دولت خلافت کے ماتحت سارے ہسپتالوں میں انہوں کے لئے قائم کرنا کے تمام ہسپتالوں سے زیادہ و بہتر خدمات انجام دینے والے اور زیادہ وقفا اور دیکھ بھال کرنے والے ہو جائیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ مسلمانوں کی طبی اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ نرمی، شفقت اور رحم دلی جیسی صفات سے متصف ہیں۔ اور انھیں صحت کے ساتھ خلافت کے تحت ہسپتالوں کا ممتاز کام مقرر فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مردوں کی تعلیم کے لئے مردوں کے ساتھ خاص الگ ہسپتال ہوں اور عورتوں کے علاج معالجے کے لئے الگ ہسپتال ہوں جو انہیں کے ساتھ مختص ہوں۔

دفعہ (9) باہمی تعاون کی جماعتیں تشکیل دینے کے بیان میں

چند نظریاتِ ملت کے اللہ رب العزت نے لیکن اور تقویٰ پر خداوند کا حکم، باہم اور گناہ اور سرشتی پر خداوند سے منع فرمایا ہے اس ارشادِ پاک میں: (اور لیکن اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے ہو اور گناہ اور ذیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) اور اس مالی مقصد کو مقبول اور ثابت کرنے کے لئے خلافت

کے شہر والے کے قتل کی اطلاع پر اس نے کہا کہ میں ایک دوسرے کی ضمانت کی تسمات کا نہیں کی اس پر کہ مٹنے یا گاؤں کے افراد جنہیں شہر کی مجلس کی ضمانت حاصل ہوئی ہے یا گاؤں میں ایک ایسی جامع مسجد تعمیر کریں گے جسے گاؤں کے تمام افراد کے لئے اور مسرتوں یا قوت میں شہر اور داد، یہ اگر ملے گا، جو ملے گا، حضرات میں سے اپنا نام منتخب کریں گے اور اپنی کمزور اور اس طرح پر ہفتے میں دوسرے قرآن کریم اور حدیث پاک کا درس دینے کی غرض سے اپنی جامع مسجد میں تمام افراد کو دوسروں یا بخور تین منع کرنے کی ذمہ داری اے سو نہیں ہے تاکہ اس سے ان کی ضمانت اور تہذیب اور اخلاق کی تربیت ہو، وہ ان کے اختلاف درست ہوں۔ اور مسجد اہل مسجد کی مجلس اور اس کا منصف مٹنے یا گاؤں کے افراد سے ماہانہ چندہ وصول کرتا اور اسے اجتماعی صندوق میں محفوظ کر دیا ہے۔

(2) مٹنے یا گاؤں کی دیکھ بھال کی مجلس اور اس کا منصف مٹنے یا گاؤں کے رہنے والوں کے احوال پر اطلاع دیتا ہے۔ تاکہ ان میں بار بھٹانج، گھمبہ شدہ، مفلک، اور خاتم کے پتہ لگ سکے اور پھر ان احوال کو مٹنے یا گاؤں کے تمام کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ اسلام لے لے گا۔ اور اسلامی بھائی چارگی کے واسطے جو ضمانت فرض قرار دی جاتا ہے فوراً طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(3) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مجلس اور یہ ان افراد میں سے ہے جو کسی ذلیل، بلیس، ابکار اور دوسرے جو شخص جسے شہر میں موجود عام پولیس کا ادارہ متعین کرے اور ان کے ملاتہ دیکھنے والوں میں سے بطور کارکن دوسرے افراد۔ اور اس کا منصف مٹنے یا گاؤں کے افراد کے چال چلن کی نگرانی اور ہر اس شخص کی بھینان کرنا جسے کوئی نیک کام چھوڑا ہو یا حالانکہ وہ اس کے کرنے پر تیار ہو یا جس نے کسی برائی کا ارتکاب کیا ہو حالانکہ وہ اس کے ارتکاب پر مجبور نہ کیا گیا ہو اور پھر اسے مسجد میں خود ہی مجلس میں طلب کرنا تاکہ وہ مجلس اپنے مخصوص مذہبی طریقوں سے اس کا مواخذہ کرے۔

(4) مذہبی مجلس اور یہ ان افراد میں سے ہے جو مسجد کا امام یا ایک پولیس ابکار اور مٹنے کے صندوق کا امین شخص اور اس کا منصف مٹنے یا گاؤں میں سے ایسے دلوں میں ہر اس شخص کی تادیب اور مواضع

کرنا ہے جو کسی نیک یا چھوڑ کر باقی برائی کا ارتکاب کر کے اپنے واجب میں غفلت ڈالے اور وہ آواز دھمکاؤ ہو، یا اعتقاد اور۔ اور یہ مجلس ان افراد کی اصلاح کے سلسلہ میں درج ذیل ذمہ داریوں کو سنبھال کر رہتی۔

(1) کوئلہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بھی کسی بھی دینے کا کام میں صاف رہی وہ انہیں انہیں انہیں کو ادب سکھا یا کرتے تھے۔ سو اگر اس سے کام نہ لیتے تو پھر ان ذیل دوسرا اور تیسرا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔

(2) مٹنے کے تمام افراد کی جانب سے اس سے مکمل اتفاق یہاں تک کہ اس کے قریب ترین رشتہ دار کی طرف سے بھی جسے تک کہ وہ اس بھلائی کو اختیار کر کے قہر لے لے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے پھر اگر ان سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو تو پھر تیسرا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے گا اور یہ کہ:

(3) یہ معاملہ شہر میں موجود پولیس کے دائرہ کار کے سامنے پیش کیا جائے گا اور مٹنے یا گاؤں کے تمام افراد کا تمام نیک اس شخص کی اصلاح یا پھر مٹنے یا گاؤں سے ملنے والی کا مطالعہ کیا جائے گا کہ وہ ایک ایسے فائدہ ایسی مانند ہے جس کی موجودگی کی صورت میں یہ ڈراوا اور عیشہ ہے کہ اس کا فساد اور بگاڑ بجلے کے تمام تک افراد میں سرایت کر جائے گا۔ اور یہی حال اس شخص کا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی منع کر دہ حدوں میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو تو پھر اس صورت میں یہ معاملات فی الفور پولیس کے دائرے کے ہاں فیصلہ نہ لے اور شہر یا صوبے کے خلیفہ کے حاکم کی اجازت سے اس شخص پر حد جاری کرنے کے لئے لپھائے جائیں گے۔

دفعہ (3) دفاعی جنگ کے خلاف کے ساتھ ہونے کے باوجود

چونکہ دوزیر دفاع اور عوامی قائد دونوں مجلس خلافت کے دو ارکان ہیں اس لیے وہ ایک دفعہ جو اعلیٰ دفاعی مجلس ہے کوئی بھی قرار دیا جو حالت جنگ اسلامیات میں دفاعی حالت میں ہے اس وقت تک نہیں اپنا سہ گا جب تک اسے مجلس خلافت کے سامنے پیش نہ کرے اور اس پر تبادلہ خیال کر کے اسے ثابت نہ کر دے۔ چنانچہ مذکورہ بالا، مسلح قوتوں نے عام ایڈرجسٹری و قاتل کے ارکان یا ان کے علاوہ قائدین اور حکام میں سے کسی کے لئے یہ درست نہیں ہوگا کہ وہ دفاعی یا اعلیٰ مجلس خلافت اور کسی بھی قاتل کے سرخی نظر میں کوئی بھی امر اس وقت تک صادر کرے جب تک کہ مجلس خلافت کی جانب سے اس کی منظوری ظاہر نہ ہوگی، ہوا و خلافت اسلامیات کی جانب سے اسے جاری نہ کر دیا گیا ہو ورنہ یہ صورت دیگر سرخ قوتوں کے افراد میں سے کسی بھی فرد کے لئے کسی حال میں اس کی اطاعت اور اس کے تعمیل بجا آوری صحیح نہ ہوگی۔

اسلامی دستور

دوسری فصل

فوج میں بھرتی ہونا یا فوجی ملازمت: فیصلہ تین اجزاء پر مشتمل ہے

1) اسلامی فوج میں ملازمت کا وجہ:

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَجُودًا جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ [الحج 78] (اور اللہ کی

راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔

دوسری جگہ ہے: ﴿وَاللَّهُ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَّهُمْ

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدَ اللَّهُ لَهُمْ بِالنَّارِ وَالْآخِرَةِ

وَالْآخِرَةِ﴾ [البقرة: 111] (اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں

(اور اس کے عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو ارستہ

دوسرا باب

امن، امان اور دفاعی نظام کی تقویت اور مضبوطی کے بیان میں

اور اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: دفاعی جنگ کو تشکیل دینے کے بیان میں ہے، اور اس فصل میں تین دفعات ہیں:

پہلا دفعہ مسلمانوں کی جانوں، مالوں اور عطا کردہ فوج کا دفاع کرنے کے متعلق ہے اس کتاب اللہ اور ملت رسول ﷺ کے مطابق مسلمانوں کی جانوں، مالوں، عزت اور ان کے عقائد کا دفاع کرنا واجب ہے اور ارشاد خداوندی ہے: (اللہ کے راستے میں قتال کرو یا دفاع کرو) نیز ارشاد فرمایا: (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے ٹکراتا رہتا تو نصاریٰ کی مخالفتیں اور مسلمانوں کی مسجدیں برباد ہوتیں) اللہ کا کثرت سے لیا جاتا ہے، مستحکم ہو گئے ہوتے اور تحقیق اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا جیسے شک اللہ طاقت والا زبردست ہے (اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: (اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور وعدہ سے باز نہ آئیں، لڑو اور ان کو پسند نہیں کرتا) اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص اپنے مال کے دفاع میں لڑا تو وہ شہید ہے (یعنی مال کے دفاع کے لئے حراست کی اور اس حراست میں مارا گیا تو وہ شہید ہے) اور جو شخص اپنی جان کے دفاع کیلئے لڑا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کے دفاع میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کے دفاع میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے" اسے اصحاب سنیں اور احسن روایت کیا ہے۔

دفعہ (2) اعلیٰ دفاعی مجلس کے بیان میں اعلیٰ دفاعی مجلس ان افراد سے مل کر بنے گی:

(1) دوزیر دفاع جو مجلس خلافت کا ایک رکن ہوگا۔ (2) مسلح قوتوں کا ایک عام قائد یا رہبر بھی

مجلس خلافت کا ایک رکن ہوگا۔ (3) حزب قتال کے ارکان۔ (4) اس مجلس کے تینوں ارکان میں سے

ہر ایک کا ایک نائب ہوگا۔

نہی چیں اور ار سے بھیجے جائے گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ هَدَى وَلَهُ بَعْرٌ وَلَمْ يَحْدِثْ مَفْصَحَ بِالْعَمَلِ وَهَاتِ مَبْنَعَهُ جَاهِلِيَّةٍ“ (رواہ احمد و مسلم و غیرہما) (جو شخص مرتے ان حال میں کہ اس نے نہ جہاد کیا اور اس کے دل میں جہاد کا جذبہ نہ پیدا ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

مندرجہ بالا احادیث کے مطابق اسلامی فوج میں ملازمت، جدیدہ اسلحہ اور دفاعی طور طریقوں میں غیر معمولی ترقی کے ان حالات میں ہر اس مسلمان جو جان پر واجب ہے، جس کی ہر اٹھارہ برس یا اس سے زائد ہو، جسمانی اور ذہنی طور پر مکمل صحت مند ہو، سوہرور و مسلمان جو جان مطلوبہ بشر الکا پر پورا اترتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ اس دفاعی لڑائی میں خود کو پورے کسلسل و دس سال تک، فن حرب و ضرب کی مکمل تربیت (ٹریننگ) اور جہاد و قتال کے جملہ وسائل کو استعمال کرنے کی قدرت حاصل کرے۔

جز (2) ہجرتیں کرنے والی کنبی اور اس کی ذمہ داریاں:

فوجی ملازمت کے لئے فوجیوں کو بھرتی کرنے والے عملے کے ارکان:

(1) مسلح افواج کے سربراہ کا نائب۔ (2) میدان جنگ میں ملنا ہر سپہ سالار دینے والے جرنیلوں میں سے ایک ماہر جرنیل۔ (3) محکمہ صحت کا ایک مستند ڈاکٹر۔ (4) محکمہ عدل کا ایک تجربہ کار قاضی۔ یہ ادارہ فوجی بھرتی اور عسکری امور کا دفاعی ادارہ کہلائیے۔

کنبی کی ذمہ داریاں:

مسالہ نہ شرح پیدا ہونے کا جائزہ لینا، اور فوجی ملازمت کیلئے مطلوبہ بشر الکا پر پورا اترنے والے فوجیوں کو تربیتی مراکز (ٹریننگ سینٹر) میں بلانا، انہیں اجازت دینا کہ بعد انہیں تربیت کے مختلف مراحل سے گزرا کر فوجی ملازمت کے لئے منتخب کیا جائے۔

جز (3) تربیتی مراکز:

مرکزی اور صوبائی سطح پر ایسے تربیتی مراکز قائم کیے جائیں، جن میں ہر قسم کی فوجی ساز و سامان

افنی مقدار میں موجود ہو۔ جو مسالہ نہ ایک بڑی تعداد میں، لکن اسلام میں شامل ہونے والے اس علاقے کے فوجیوں کے لئے کافی ہو۔ یہ تربیتی مراکز ان فوجیوں کا ان کا تربیت یافتہ ہونا نہیں چاہیے، اور انہیں پر نہ صرف قاتل و بکالت، بلکہ آلات حرب و ضرب کے استعمال میں مہارت تامہ حاصل بھی ہو۔ وہ وہاں تربیت مکمل کرنے کے بعد ہر روز جان کو باقاعدہ فوج کی محنتوں میں شامل ہونے والے فوجیوں کو کھربری زندگی اختیار کرنے کا اختیار دیا، اور اگر اس دوسری صورت میں ان کا اسٹیشنائی فوج (ہزار فوج) میں شامل رہے گا تا کہ ضرورت کے وقت یہ ملک و ملت کی واپاریاں لیکھتا ہو، میدان جنگ میں حاضر ہو۔ اس عمل سے نہ صرف یہ کہ وہ اپنے فوجی پیشگی سے سیکھ کر ہوگا جیسے کہ اسلام ﷺ کے ارشاد مبارک ”ولکن جہاد و فہد“ (لیکن جہاد و فہد) (لیکن جہاد و دفاعی) ہے، اور ”مسائل الشیافہ صافہ اعطیبا و لومات علیہ“ (جس نے صدقہ دل سے شہادت کی تمنا کی اسے اس کا اجر دیا جائیگا، اگرچہ اس کا انتقال اسے کے بعد ہو) کا صدقہ عین کر جائے، جن کے اجر کا مستحق فرار پا جائیگا۔ کیونکہ یہ جہاد تربیت جیسے والا انجام کے قسم میں ہے، جب تک اس کا کام انجام کی کسبت میں ہو۔

فصل (3) ادارہ قرائمی ہتھیار

یہ فصل تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

جز (1) محکمہ قرائمی ہتھیار کا عمل:

محکمہ قرائمی ہتھیار کے عملے میں مسلح افواج کے سربراہ، میدان جنگ میں ملنا ہر سپہ سالار دینے والے جرنیل اور ذریعہ بالیات و اقتصادیات شامل ہوں، اس ادارے کی ذمہ داریاں، اسلامی لشکر کو اسلحہ، طاقت، ہیکلناوبی اور تربیت کے لحاظ سے افواج عالم میں اور چاروں مقام عطا کرنا ہے۔

جز (2) ہتھیار سازی

محکمہ قرائمی ہتھیار کی سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی فوج کو ہر قسم کا جدیدہ اسلحہ جس میں ہائیڈروجن بم، ٹیکزیز اور چارو تک ہوں، مہیا کرے تاکہ یہ خلافت اسلام پر کا فوج

عالیٰ اذن کے تحت، اعلیٰ اور تجربہ کے لحاظ سے سب پر مقدم ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بھٹیہار
ساز کی کمی پر ہی کسی نیکو کار کا قہر سنا کر ہے۔ جو انوار و اقسام کا جدید اعلیٰ بنا کر ہے۔ فراموشی بھٹیہار
اور اعلیٰ ساز کی ہیستہ فرم چند سے ملکر دی گئے۔ حکومت اور اہل کار کی تمام کوتاہیاں پر کرنے اور ان کی
پرہنگی اور۔ جس کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا پڑیگا۔ یہاں کہ جس عظیم منہد کے حصول کے
ظہر انہیں ایک، تھکے تھالیں پر، اقتدار کو بہت زیادہ تو کم اور بڑا کر دینا حاصل کرتے ہیں۔ وقت بہ قربانی پر
اور اذن کے اعلیٰ اہل شاہد سے ہے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ [الأنفال: ۱۵] (اور تم ان
کے مقابلے کے لئے تیار رہو، جو تم سے ہو سکے)

ج: (3) دفاعی بجٹ:

[illegible]

فصل (4) مسلح افواج کا استعمال

اس کے دو حصے ہیں

سوال نمبر (۶) مسلح افواج کو کارروائی کی اجازت کب دے؟

چونکہ خلافت اسلامیہ میں امیر اور خلیفہ کی اطاعت لازمی ہے اس لئے دیگر محکموں کی طرح

[illegible]

نمبر (2) کن حالات میں: اکی ٹائمر دینی کی اجازت دینا چاہئے؟

یہ ایک ایسا فلسفے کے پہلے حصہ میں آیا جا چکا کہ فوجی کارروائی ظلیف کی اجازت اور ملامت
اسلام کے تمام اصولوں کے ساتھ اتفاق کے بغیر ممکن ہے۔ یہ کہ ظلیف اسلام میں فوجی کارروائی کی
اجازت ہے۔ اور گناہات نامہ میں ایک۔ ظلیف کی کارروائی کی اجازت صرف مرد فوجی یا مسلمانوں کی طرف سے ہے۔
(۱) جب کسی طرف سے ملامت اسلام کے مرتدین، ظلیف کی کارروائی کی اجازت ہے۔

(۱) جب دشمن کی طرف سے امداد اسلامیہ پر دشمنی، نفٹائی یا سہمدی حملہ جو۔

(2) جب دشمن کی طرف سے امارت اسلامیہ کی مسلمان رہنما بایزید سیوں کے مال و جان یا

دین و عصمت پر غلبہ ہو۔

(3) حدود اہانتہ اسلامیہ میں لوٹ مار کرنے، اموال و املاک پر قبضہ کرنے، اور لوگوں

اہمیت فراہم کرنے یا ان کا نون بہانے والے مسلح فلولوں، ہذا کمزوروں، طاقتوروں اور بیوروں کو ختم کرنے یا

انہیں راہِ راست پر لانے کے لیے۔

(4) خلیفہ المسلمین کی اطاعت کی یہی کو تو زکرائی حاکمیت اور تسلط قائم کرنے کے لئے

سرایہ کاری کی گئی ہے، ان میں سیاسی اثر و رسوخ۔

تیسری فصل: بیت المال کے مصارف

اس فصل کو چار اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے

جز (۱) فضول خرچی اور اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنے کی حرمت:

چونکہ شریعت معلومہ نے فضول خرچی کرنے اور اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے مسلمان کے لئے چاہئے وہ حاکم ہو یا مظلوم، مسئول ہو یا غیر مسئول، کسی غیر شرعی کام میں مال خرچ کرنا جائز نہیں چاہے وہ قومی دہشت ہو یا شخصی۔ اور جو شخص مخالفت کرتے ہوئے بکڑا جائے اسے سزا دی جائے۔ ارشاد ہوا ہے: ﴿وَلَا تَمْسِكُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرہ: ۱۸۸] (اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا کر دو) دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تُضِلُّوا ضِلَالًا إِنَّ الْمُضِلِّينَ كَانُوا أَصْحَابَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لَوْبَةً كَفُورًا﴾ [الاسراء: ۲۶، ۲۷]۔ (اسراف اور بے جا خرچ سے بچو، بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے) ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: ۳۱] (اور خوب کھاؤ اور سوچو اور حد سے مت نکلو چونکہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

جز (۲) فضول خرچی اور اسراف کی تعریف:

مال کو خرچ کرنے کی درج ذیل صورتیں اسراف کہلاتی ہیں:

(۱) خورد و نوش، لباس، رہائش اور سواری پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا۔

(۲) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے مال کو ایسے کاموں میں صرف کرنا

جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا۔ اگر اس میں خرچ کرنے سے منع کیا ہو، چاہے اس کا تعلق خورد و نوش سے ہو یا لباس یا رہائش سے، تو کیسے سنئے، ہو یا بچت و غیرہ اور دوزی سے۔

(۳) یعنی اور فضول کاموں میں صرف کرنا جس کا کوئی ظاہری یا خفیہ یا دنیاوی یا دینی فائدہ نہ ہو۔

یاد رہے کہ کسی کی کوئی تکلیف یا مصیبت، اگر کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

جز (۳) امارت کا مالی امور کی گروائی کرنا

امارت اسلامیہ کی طرف سے حقوق اور شیعہ اموال اور اس سے حقائق امور کی گروائی ضروری

ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَسْكُنُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرہ: ۱۸۸]۔ (اور ایک

دوسرے کا مال ناحق نہ کھا کر دو) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ

اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهَا﴾ [النساء: ۱۵]۔ (بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دو، جس مال کو اللہ تعالیٰ تمہاری

گروائی کے تاثر رکھنے کا درجہ بنا ہے) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عَقُوقَ

الْأَهْلِيَّاتِ وَوَادِئِ السَّائِلِ، وَمَسْعَ وَهَاتِ وَكُسْرَى لَكُمْ قَبِيلٍ وَقَالِ وَكُسْرَى السُّؤَالِ وَأَضَاعَةَ

الْمَالِ" (مضیق علیہ)۔ (اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، ضرورت کے موقع پر خرچ نہ کرنے اور

باز ضرورت سوال اور لڑکیوں کو ذرا بڑا کر دینا اور گرو کرنا حرام کیا۔ اور فضول بہت حد تک اور کثرت سوال کو اور

مال کو بے جا ضائع کرنے کو تمہارے لئے ناپسند فرمایا)۔

جز (۴) ملکی اموال کے مصارف

امارت اسلامیہ صرف اموال میں ایسے منظم دشمنان اور دشمنان دغا، لالہ نہ طریقے اختیار

کرے کہ جس سے عوام میں حکومت کی یکجہ تائی ہو اور عوام حکومت پر اعتماد کرنے سے سب سے پہلے

حکومت کی طرف سے ملک کے طول و عرض میں نہایت صاف و شفاف مردم شناری ہو، جس کی بنیاد پر

حکومت مالانہ رجحان ترتیب دے، جس میں امت کے ہر فرد اور شہری کے لئے افتاء و تحفیظ مقرر کیا جائے جو

اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔ ہاں یہ وظیفہ اس کو اس لئے اہم ہے کہ بعد دیا جائے، جو حکومت

نے اس کے ذمہ لگایا ہو۔ یعنی حکومت پر لازم ہے کہ ہر اس شہری کے لئے وظیفہ مقرر کرے جو حکومتی

خدمات کی بجا آوری کر سکا ہو جب مذکورہ شہری اس خدمت کو انجام دے تو اسے بیت المال میں

سے اس کا مقررہ وظیفہ دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت ذیل کی دو باتیں کی خاص رعایت دے گی۔

(۱) ہرشہنہ کے افراد کا کھانا ایک ذی اور تین بچوں، اے شہنشاہ کے کام کا پتہ لگانا۔ وہاں سے دیا جائیگا، اعلیٰ پٹی والے کو پہلے شہری سے ملنے میں کہیں گے۔ اے نہیں دیا جائیگا۔

(2) اگلے دن یا ہر منسوب والے اسی طرح شکل کا کرنے والے معاوضہ دہروں سے بہرہ حال نہ دیا۔ وہ تاج پہنتا تھا۔ یہ لوگ بہت اور خاص کے ساتھ اپنے کام کو مسلسل چا رہے تھے۔ لیکن یہ زیادتی اور جس سے زیادہ نہ ہو۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ امارت اسامیہ کا سرمایہ صرف کر نے کی صرف وہی صورتیں ہیں۔

(۱) تنخواہوں کی ادائیگی میں جس میں خلیفہ سے لے کر ادنیٰ کارکن تک کی تنخواہیں شامل ہیں۔ اس کا سدھار سادھا مطلب یہ ہے کہ قومی دولت قوم کے ہر فرد پر صرف ہوگا۔ اس لئے کہ کوئی بھی شہری ایسا نہیں ہوگا جس کے ذمہ حکومت کی کوئی خدمت نہ ہو۔ لہذا ہر شہری اپنے ذمہ کی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد حکومت سے بہت المال سے اپنا مقدرہ وظیفہ وصول کرے گا۔

(2) حکومت کی قائم کردہ ٹیکسوں، تجارتی اداروں اور ذریعہ تنصیبات پر صرف کرنا، جن میں تمام ملازمین شریک تھے ہیں۔ اس طرح ملک کا تمام تر سرمایہ اپنے ہی ملک و دام پر صرف ہوگا۔

چوتھا باب

تعلیم و تربیت

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل تعلیم کے جوہر، تعلیم کی حقیقت، تعلیمی مراکز، مدارس اور مراحل تعلیم:

فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز (۱) وجوب تعلیم و تربیت

قرآن و سنت کی رو سے مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت واجب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: **يا ايها الذين آمنوا اهلوا انفسكم واهل بيوتكم** اور **واؤفوا بالعقود** (النحویم: 6)۔ (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا اندھن انسان ہیں اور چھڑاؤ ان کا اخلاق اور لاد پرستی ہو جائے۔ اولاد کو آگ سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی بہتر تعلیم و تربیت کی جائے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **"مسروا اولادکم بالصلاۃ اذا بلغوا سبعاً"** اور **انصرہوہم علیہا اذا بلغوا عشراً** اور **فوقروا بہنہم فی المضاجع** (اپنی اولاد کو نماز کا حکم دے جب وہ سات برس کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھنے) پران کو مادر جب وہ دس برس کے ہو جائیں۔ اور ان کے لئے ستر دین کا نیکو کردہ۔ اس حدیث میں بھی کو نماز کا حکم ہے اور ان کے لئے ستر ملکہ دکنے کے متعلق اور شافریا کر یہ صرف یہ کہ ان کی تعلیم و تربیت لازم کر دی گئی ہے بلکہ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی آداب و تربیت پر بھی توجہ دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

جز (2) حقیقت تعلیم و تربیت

تربیت سے مراد بچے کی جسمانی و روحانی نشوونما کا ہر طرح سے خیال رکھنا، کہ جسمانی لحاظ

سے بھی بچے بچت مند، مست ہوتا رہے اور روحانی لحاظ سے بھی وہ اپنی عمدہ اخلاق اور پاکیزہ روح کا مالک ہو۔ اول الذکر یعنی جسمانی تربیت، پاک صاف مناسب غذا اور مختلف قسم کی آسان و راحت رساں ورزشوں کے ذریعہ حاصل ہوگا جبکہ ثانی الذکر یعنی روحانی و اخلاقی تربیت، خالص، سچی، عطا شدہ، اسلامی اخلاق اور نماز جیسے دینی عبادات اور یا عبادت سے حاصل ہوگا۔

جز (3) مدارس و مراکز تعلیم

تعلیمی مدارس، مراکز حصول تعلیم کا ایک وسیلہ اور راہ ہیں۔ اور کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے اس کا وہی قسم ہوتا ہے جو اصل اور مقصد کا ہے۔ اس اصول سے ہمیں مدارس و مراکز کا قیام واجب ہوا۔ لہذا اس باب پر غور کیا ہونے کے لئے اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ، بلکہ اس کے تمام شعبوں اور شعبہ میں ایسے تعلیمی مراکز و مدارس قائم کرے جن کی بنیاد اسلامی اخلاقی اور تقویٰ پر ہو۔ ان مدارس میں تعلیم کے میدان حلال اور مباح ہی ہوں۔ تاکہ مدارس سے علم و فنون کی درس و تدریس، حوض سے تیراکی کیلئے سکھانے اور صیگوں سے نماز اور ذکر کا وقت اور تھیل کے میدانوں سے انواع و اقسام کی جسمانی ورزشوں کا کام لیا جاسکے۔

جز (4) اقسام تعلیم اور اس کی مختلف مراحل

تعلیم کی پہلی قسم اور سطح قرآن و سنت کا ضروری حصہ اور اہم سائنس ہیں جو عطا شدہ عبادات، عقد اور اخلاق و ادب پر مشتمل ہوں۔ اسی طرح بعد ضروری دینی اور خط و کتابت سکھانا۔ جبکہ تعلیم کے بقیہ مراحل مشتمل ہیں ان علوم و فنون پر جن میں ملک و ملت کا، تہذیب و سماجی، کمال اور عزت و سعادت کا راز مضمر ہے۔

دوسری فصل لازمی تعلیم و اختیاری تعلیم

یہ فصل پانچ اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) لازمی تعلیم

لازمی و جبری تعلیم سے مراد وہ بنیادی تعلیم ہے جو ایک مسلمان کے لئے بحیثیت مسلمان سمجھنا

اور حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اسے حاصل کیے بغیر ایک مسلمان مکمل طور پر اپنے دین پر عمل نہیں کر سکتا۔ مثلاً اللہ کی معرفت و وحدانیت اور اس کے احکام و عبادات کا علم اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور سنتوں کا علم اور آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کے وجہ کا علم۔ اسی طرح دین اسلام کی دیگر اہم اور بنیادی باتوں کا علم۔ تعلیم کے اس مرحلہ اور قسم کا حصول امت کے ہر فرد پر خواہ مرد ہو یا عورت لازمی اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ عین وہ علم ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: "طلب العلم لربیعۃ علی کل مسلم" (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) اور جس کا تائید اللہ کے قول: "وعلما فورا واما یفسر من القرآن" [الفرع: 30]۔ (بخاری قرآن تمہارے لئے پڑھنا آسان ہوتا تھا پڑھو) سے بھی ہوتی ہے۔

جز (2) عام اختیاری تعلیم

عمومی اختیاری تعلیم سے مراد وہ تمام علوم و فنون ہیں جو مرحلہ اولیٰ کی لازمی و اجباری تعلیم کے علاوہ ہیں۔ عمومی اختیاری تعلیم کے لئے حکومت اسلامیہ یا قاعدہ ایک نظام ترتیب دے جس کے تحت مسلمان طلبہ کو مختلف علوم و فنون کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ تعلیم کی یہ قسم چونکہ اختیاری ہے لہذا اس کے حصول اور عدم حصول میں عام کو اختیار ہے۔ یعنی اس علم کا حصول ان کے صواب یا نہ پر ہے جو چاہئے حاصل کرے اور جو نہ چاہئے اس پر کوئی زور و دھمکی نہیں۔ اسی طرح فنون اس بات کا بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی پسند اور طریق میلان کے مطابق کوئی بھی فن اپنائیں۔ ہاں اس اختیار سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہیں کسی خاص قسم کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے (جو ملکی مفاد میں ہو) مختص کیا گیا ہو جس کی مکمل تفصیل اس فصل کے چوتھے جز میں آ رہی ہے۔

جز (3) خاص اختیاری تعلیم

خاص اختیاری تعلیم سے مراد مختلف پیشے اپنانے کے متعلق حصول تعلیم ہے۔ لہذا اسلامی حکومت پر ملک کے ہر شعبہ میں ایسے تکنیکی مدارس کا قیام لازم ہے۔ جس میں باشندگان مملکت اپنی پسند کے مطابق مختلف پیشے اپنانے کی تعلیم اور ان میں مہارت حاصل کریں۔ اور پھر انہیں پیشوں اور انہی

ماہرین کو استعمال کرتے ہوئے دوا بنائے گھر یا دارو اپنے ملک و قوم کی حقیقی خدمت کریں۔ جنہیں ان جیسے تکنیکل ماہرین کی ضرورت ہے۔ مزید برآں ان تکنیکل مدارس و مراکز میں ان علوم کے ساتھ ساتھ دینی، اخلاقی اور اصلاحی پروگرامات بھی مستفاد کئے جائیں، جو طلبہ میں دینی روح اور پاکیزہ اسلامی روایت پر واپس چڑھانے کا ذریعہ بنیں۔

جز (4) خاص لازمی تعلیم

اسلامی مملکت پر لازم ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ایسے مدارس کا قیام یقینی بنائے جن میں طلبہ، انجینئر، ٹیک اور ان جیسے دیگر اہم اور ضروری علوم و فنون کی تعلیم ہو۔ ان مدارس میں صرف ایسے قائل، فزین، بخشی، دیندار اور باصلاحیت طلبہ کو داخلہ دیا جائے جو اخلاقی نعت، ہوا نعت اور لگن کے ساتھ ان علوم کو حاصل کر کے اعلیٰ قابلیتوں، صلاحیتوں کو حاصل کریں۔ یہ مدارس اس قدر کثیر تعداد میں ہوں جو ماہرین اور تجربہ کار لوگوں کو اتنی وافر مقدار میں تیار کریں جتنی کی حکومت کو مضبوط، طاقتور اور خود کفیل بنانے کے لئے درکار ہیں، گویا یہ علم فرض کیا ہے کہ اسے ترک کرنے سے پوری قوم گمراہ ہو جاتی ہے۔ اور امت اس سے اس وقت تک بری الذمہ نہیں ہو سکتی جب تک ان علوم و فنون کے ماہرین ان میں نہ ہوں۔

جز (5) بیرون ملک تعلیمی فو و بھیجا

اگر بعض علوم و فنون ایسے ہوں جو ملک کے اندر نہ ہوں اور نہ ان کے ماہرین اور مدارس و مراکز ہوں، اور ان علوم و فنون کی ملک و ملت کو اشد ضرورت ہو تو انہیں حاصل کرنے اور اپنے ملک اور اس کے کام میں منتقل کرنے کے لئے حسب ضرورت طلبہ کی ایک جماعت یا کئی جماعتیں بنا کر بیرون ملک بھیجا صرف درست ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔ جس میں روح ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) یہ فو و صرف ان علوم و فنون کے حصول کے لئے بھیجے جائیں جو ملک کے اندر موجود نہ

ہوں۔

(2) ان فو و میں شامل طلبہ کو اسلامی طور طریقے اختیار کرنے کا پابند کیا جائے اور یہ ان ملک انہیں تمام شعاثر دینیہ کے قیام کا تقاضا سے کار بند کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے عقائد بشعائر دینیہ اور اسلامی آداب و اخلاق کی حفاظت کر سکیں۔

(3) برومند اور جماعت پر ایک گمان مقرر کیا جائے جو اپنے گروپ اور جماعت کے تمام افراد کی پامال چلن اور اعمال و افغان کی مکمل نگرانی کرے۔ نیز ان گمنانوں کو اپنے اختیارات دئے جائیں کہ ہر گمان اپنی جماعت کے ہر اس رکن کی اصلاح کر سکے، جو اسلامی آداب سے نکلنے کی کوشش کرے یا فراسخ و دوا جہات کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو۔ ان پابندیوں اور شرائط کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ان تعلیمی فو و کے ذریعے ملک کے عوام میں وہ تمام اخلاقی خرابیاں سراپت نہ کر جائیں جو کئی اسلامی ملک اور معاشرہ میں ان جیسے تعلیمی فو و کے ذریعے پھیل کر اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہیں۔

(4) حکومت فوری طور پر ان تمام علوم و فنون اور ان کے مدارس کا قیام یقینی بنائے جو ملک کے اہل عدم و ہم ہیں اور ملک و قوم کو ان کی ضرورت ہے۔ ایسے مدارس کے قیام سے ملک کی ایک بڑی مشکل حل ہو جائیگی۔ اس طرح ملک اور مسلم معاشرہ و غیر بیرونی معاشرہ کی اخلاقی و دینی خرابیوں کی اثرات سے محفوظ و امون ہو جائیگا۔

تیسری فصل خواتین کی تعلیم

یہ فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) مردوں کی عورتوں پر برتری

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ شرعی، عقلی اور فطری طور پر ہر اعتبار سے مرد کا مرتبہ عورت کے مرتبہ سے اونچا اور بڑیا ہے۔ فرق مراتب کا یہ ذکر قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: ﴿وَالسَّوْجَالِ وَامُؤْنِ عَلَی النِّسَاءِ فَمَا لِفَضْلِ اللّٰهِ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ [النساء: 34]۔ (عورتوں پر حکام ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے) ﴿وَاللَّسَّوْجَالِ عَلَیْھِمْ

درجہ ۱ البصرہ : 228) . (مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے) اس فرق کی بنا پر مردوں کے لئے حصول علم کی ضرورت اور عورتوں کے لئے نہیں کہ عورتوں کے لئے حصول علم کی راہ میں رکاوٹیں زیادہ اور موانع کم ہوتے ہیں۔ لہذا امتین اور بنات کے نظام تعلیم میں واضح فرق ہونا چاہئے۔

جز (2) خواتین کا نظام تعلیم اور اس کی مدت

جیسا کہ اس فصل کے جز اول میں بیان ہو چکا کہ نظری طور پر لڑکے اور لڑکی میں ایک واضح فرق موجود ہے اور اس فرق کی بنا پر لڑکے کے لئے برعکس لڑکی کے لئے حصول علم کے موانع کم اور موانع زیادہ ہوتے ہیں اور یہی چیز لڑکیوں کے نظام تعلیم اور مدت تعلیم کے اختصار کا تقاضا کرتا ہے۔ سولڑکیوں کا تعلیمی کورس مختصر، محاذات، ادواب، معاشرت اور اسلامی اخلاق پر مشتمل ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے چند پارہیں یا سورتیں اور خواتین ہی کے مسائل کے متعلق چند تفصیلات متین احادیث کا حفظ ایسی ہی کے کورس میں شامل ہونا چاہئے۔

مدت تعلیم

جہاں تک خواتین کے مدت تعلیم کا مسئلہ ہے۔ سولڑکیوں کا تعلیمی مدت صرف اور صرف پانچ سال پر مشتمل ہونا چاہئے۔ اس طور پر کہ عمر پچھنے سال کی ابتداء میں بچی کو مدرسہ میں داخل کیا جائے اور دسویں سال کے آخر میں اسے مدرسے سے فارغ کیا جائے۔ تعلیمی اثاثیں مناسب اس سے امتحان لیا جائے اور نہ ہی اسے سندویجائے بلکہ اس کے لئے تعلیمی کافی ہے کہ وہ اپنے تعلیمی کورس کو اچھی طرح چھو کر اسے عملی زندگی میں لائے کیونکہ کسی مسلمان لڑکی کی تعلیم کی ابتداء و اختتامی ہی اصل مقصد ہی اس کی دینی و اخلاقی تربیت ہے۔

جز (3) خواتین کے لئے تکنیکل تعلیم

اسلامی حکومت پر ملک کے تمام شہروں میں بنات کے لئے ایسے تکنیکل مدارس کا قیام لازم

ہے، جن میں مسلمان لڑکیاں اپنی پسند اور طبیعی مایان کے مطابق گھریلو و دستکاری وغیرہ کے متعلق تعلیم حاصل کر سکیں۔ مگر ان مدارس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) ان مدارس میں گیارہ سال کی عمر کی بچیوں کو داخلہ دے کر چودھویں سال کی عمر میں فارغ کیا جائے۔

(2) ملک کی دیگر مسلمان عورتوں کی طرح ان مدارس کی طالبات، مدرسے میں آتے اور جاتے وقت اسلامی اصولوں کے مطابق مکمل شرعی پردے کا اہتمام کریں گی۔

(3) ان مدارس میں تکنیکل تعلیم کے ساتھ ساتھ درج ذیل اسلامی اسباق پڑھانے کا اہتمام بھی ہوگا کہ یہاں سے تقنی وادی طالبات ہر مند ہونے علاوہ نیک و بدینہ اور پاک و امن بھی ہوں۔

جز (4) خواتین کے دو وائیم ہنر ”زیرنگ اور دایہ گیری“

اسلامی حکومت پر ملک کے ہر حصہ میں خواتین کے لئے ایک ایسے بڑے مدرسے کا قیام لازم ہے جس میں مسلمان لڑکیاں دایہ گیری اور زیرنگ کی تعلیم حاصل کریں۔ ان مدارس میں صرف ان لڑکیوں کو داخلہ دیا جائے جنہوں نے خواتین کی تعلیم کا پہلا مرحلہ مکمل کیا ہو۔ ان مدارس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) ان مدارس میں داخلوں کی درخواستیں ”پیلہ آئیں پیلہ چائیں“ کی بنیاد پر قبول کی جائیں اور جب مطلوبہ تعداد مکمل ہو جائے تو رابطہ بند کر دئے جائیں۔

(2) چونکہ یہ بھی مسلمان عورت کے لئے ضرورت ہے کہ وہ کسی غیر محرم کی تنہا داری جائز نہیں ہے اس لئے زیرنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے فارغ ہونے والی نسلیں ہر کام کی ہتھالوں کے صرف ان وارڈوں میں خدمات انجام دینی جو خواتین کے لئے مختص ہوں۔ جبکہ دایہ گیری کی تعلیم مکمل کرنے کے فارغ ہونے والی دایہ طالبات کو سرکاری ہتھالوں اور نجی طور پر گھروں میں مسلمان خواتین کی خدمت کرنے کا اختیار ہے۔ وہ جہاں چاہیں اپنی خدمات انجام دیں

(3) یہ فاضل طالبات خواہ زمیں ہوں یا دایہ دیگر مسلم خواتین کی طرح مکمل شرعی پردے کا

اہتمام کر سکتی۔ یعنی نرسنگ اور واپگری کا پیشہ اختیار کرنا ان طالبات کو ادب اور اصلاح کے دائرہ سے نکالنے کا جواز نہیں دین سکتا۔

(4) ان میڈیکل مدارس میں ملکیت کے دیگر مدارس کی طرح نئی و اصلاحی اسباق پڑھنا۔
کا اہتمام بھی ہو۔

پانچواں باب

شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اس باب میں ایک فصل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عمل:

خلافت اسلامیہ میں ایک ادارہ ایسا ہوتا جاسیٹے قبولوں کو نیک اور بھلائی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَالْمُسْكِرِ﴾ (آل عمران 104)۔ تم بالمعروف و نہی عن المنکر و اولئک هم المفلحون کہ (آل عمران 104)۔ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا تقاضا کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ نجات پائے والے ہیں) یہ شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل ہونا چاہئے جنہیں ریڈیو، ٹی وی اور صحافت سمیت نشر و اشاعت کے دیگر تمام وسائل استعمال کرنے سے مکمل اختیارات حاصل ہوں۔

جز (2) شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں

شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر درج ذیل ذمہ داریاں نبھائیگا

(1) ملک میں نشر ہونے والے ہر پروگرام کی نگرانی کرنا، جو ہرگز پروگرام اور دعوت کو نشر نہیں ہوتے جو خلاف خلافت اسلامیہ میں رائج اسلامی قوانین سے متصادم ہو اور جو پروگرام یا دعوت شریعت اسلامیہ سے متصادم ہو اسے نشر کرے گا۔

(2) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور صحافت سمیت تمام جائز وسائل استعمال کرنا تاکہ یہ چیزیں شراور رسد کے بجائے غیر اور بھلائی کے ذرائع بن جائیں نہ کہ شر و فساد

کا۔ جیسا کہ دینا کے پیشتر ممالک میں شہر و نساوانی چیزوں کی وجہ سے ہے۔

(3) ایسے اہل علم و اعلیٰین اور دینی رہنما منتخب کر کے مختلف شہروں اور قصبوں میں تعینات

کر دئے جائیں۔ جو لوگوں کی دینی و روحانی، اخلاقی، اور فکری تربیت کریں۔

پہلا باب

شعبہ محنت و افرادی قوت

اس بات میں تین فصلیں ہیں

پہلی فصل وزارت محنت و افرادی قوت اور اس کی ذمہ داریاں

یہ فصل دو اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) تشکیل عملہ

وزارت محنت و افرادی قوت بائچ ارکان پر مشتمل ہو۔ جن میں ایک وفاقی ذمہ دار جو اس ادارہ کا سربراہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مستند ڈاکٹر، ایک ماہر انجینئر، ایک ماہر اقتصادیات اور ایک مفتی ایجنسی ماہر فقه ہو۔ ملک کے تمام صوبوں کے ہر ہر شہر اور ہر ہر قصبہ میں اس وزارت کے ذیلی دفاتر اور کمیشناں ہوں۔ اس ادارہ کی تشکیل آپ ^{ملاحظہ} کے اس فرمان کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ "تسبب لائتہ انشاء خصمہم یوم الفیاضہ..... و ذکر من بینہم رجل اسنا جنو ارجیو فاستوفی مسہ ولیم ہوفہ" (قیامت کے دن تین آدمی ایسے ہونگے جن کی طرف سے میں خصم ہوں گا..... اور ان تین آدمیوں میں سے ایک کا ذکر کیا جیسے کسی نے ہجرت پر کہا میں اس نے اپنا کام پورا کیا۔ لیکن اسے ہجرت پوری نہیں دی گئی) اور "اعطوا الاجیر حشفہ فل ان بحفف عرفہ" (حزروں کو اس کا میزب شک ہوئے سے پہلے اس کا حق دو)

جز (2) وزارت محنت و افرادی قوت کی ذمہ داریاں

وزارت محنت و افرادی قوت ملازمین اور ان کے معاشق تمام امور کی نگرانی کرے گا۔ جن میں سر

فہرست چند امور ہیں۔

(1) کام اور کام کرنے والے ملازمین کی مہارت و قابلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کم سے کم اجرت مقرر کرنا کسی ملازم کی مجبوری سے ناکوہ افشا کر اسے کم اجرت نہ دی جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

«لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ» [الاعراف: 85]۔ (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر مت دو)

اور کسی بھی عامل کی قدرت، مہارت اور قابلیت بھی شئی ہے اور کسی بھی شئی کو اس کے مرتبہ سے گھٹانا جائز نہیں۔

(2) آجر اور اجیر کے مہیاں ہونے والے ملازعات کی تحقیق کو کے شریعت اسلامیہ کے مطابق ان کے فیصلے کرتا۔

(3) آجر اور اجیر کے درمیان مختلف امور پر ہونے والے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے مداخلت کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان میں صلح طے کرنا۔ جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

«وَإِذَا الصَّلَاحُ جَاءَ» النساء: 128]۔ (اور صلح بھرے) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

«الصلح بین المسلمین جائز» [اصلاح اہل حرام اور حرم حلال]۔ (مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے) [ص ۱۰۷]۔ (جہاں کو حال کر دے یا حال کر اجازت کر دے)۔

(4) صنعت کاروں اور حکومت کے مابین ثالثی کا کردار ادا کرنا اس طرح پر کہ صنعت کاروں کے مسائل اور حاجات و ضروریات کی طرف حکومت کی توجہ دلا اور مستحق کو وسعت اور ترقی دینے میں ان کی مدد کرتا۔

فصل (2) ریتا زمرنت کا نظام

فیصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) حق ریتا زمرنت کن کو حاصل ہے؟

ریتا زمرنت یا پیش لیاسرکاری اور غیرکاری مضمنوں اور اداروں کے تمام ملازمین کا حق ہے اسی طرح یہ حق کسانوں اور چھوٹے بڑے تمام تاجروں کے تمام ملازمین کو بھی حاصل ہے جو ان کے ہاں

مستقل اور دائمی ملازمت کرتے ہیں۔ اور ماہانہ اجرت حاصل کرتے ہیں۔ نظام ریتا زمرنت کا مقصد ہونے والے تمام ملازمین سے ان کی تنخواہوں میں سے ماہانہ ایک مخصوص رقم حق ریتا زمرنت کے حساب سے منہا کر کے جمع کی جائیگی۔ ریتا زمرنت کے نظام کی تائید قرآن کریم کی آیت «لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ» [الاعراف: 85]۔ (لیکن لوگوں کو ایمان لا کر اور (بھروسہ) نیک الصالحات فلہم اجر غیر ممنون، [التین: 6]۔ (لیکن بھروسہ ایمان لا کر اور (بھروسہ) نیک فعل کے قوت سے لے کر ایسا اجر ہے جو بھی قسم نہ دوگا) اور نبی کریم ﷺ کے فرمان: «إذا مرض العبد أو سافر كتب الله تعالى له من الأجر مثل ما كان يعمل صحيحاً مفعلاً» (رواہ البخاری) (جب کوئی بندہ بیمار ہو جائے یا سفر پر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے (ماہانہ اعمال میں) اس کے اجر کے مثل منہا دے گا)۔ (جہاں اس کے لئے وصیت اور حالت انعامت میں لکھا جاتا ہے) (مکمل کرنے کی وجہ سے)

جز (2) نظام ریتا زمرنت میں شرکت اختیاری ہے

کسی ملازم کے لئے اس کلام میں شمولیت اختیار کرنا اور اس نظام کا حصہ بننا لازماً نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک اختیاری عمل ہے۔ بائیں اس کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے تمام ملازمین کے سامنے نظام کے تمام فوائد اور شرائط بیان کی جانی چاہئیں اور ان کی تنخواہوں سے منہا کی جانی والی رقم اور ریتا زمرنت کے بعد انہیں یکمشت یا پیش کی صورت میں ملنی والی رقم کے متعلق تمام تفصیلات انہیں بتانی چاہئیں۔ ان ساری معلومات کو جاننے کے بعد اب ہر ملازم پر اس نظام میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہے۔ اگر وہ شرکت پر آمادہ ہو جائے تو اس کا نام ریتا زمرنت کے لئے مخصوص رجسٹر میں درج کر کے اس کی تنخواہوں سے ماہانہ کوئی رقم شروع کی جائے۔ اسی عمل سے وہ اس نظام کا قاعدہ ایک رکن بن جائیگا۔ اب جب وہ ریتا زمرنت کی حرکت پہنچ جائے تو اسے ریتا زمرنت کے اس حق شدہ سے ایک مدت دی جائے یا ماہانہ پیش کی صورت میں اسے ملے۔ اور اگر وہ مرجائے تو اس کی پیش اس کے درود یعنی اس کی بیوہ، والد یا بچوں کو ملتا رہے۔ اور اگر اس کی بیوہ نہیں اور شادی کر لے تو وہ اس حق سے محروم ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر اس کا بیالغ ہو جائے یا بیٹی کی شادی ہو جائے تو انہیں اس کے فائدہ شدہ والد کا پیش نہیں ملے گا۔

جز (3) ریتا زمرنت کے لئے عمر کی خدہ اور ملازم کی تنخواہ سے تنصفا کی جانے والی ماہانہ رقم کی

دریاضت کا نظام اور اس میں شمولیت چونکہ شرعی اعتبار سے لازم نہیں ہے بلکہ یہ منصوبہ خالصتاً عوامی مفاد کا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے لئے شرعی ایک حد تکیں کر دی جائے۔ جو ساتھ سال کی عمر سے لیکر ستر سال کی عمر تک ہولہذا جب کسی ملازم کی عمر ساٹھ برس ہو جائے اور وہ کام کرنے کے قابل ہو تو اسے کام جاری رکھے یا دریا مضرت لینے والوں باتوں کا اختیار دے دیا جائے۔ اگر وہ کام جاری رکھنا چاہے تو اسے مزید بیس سال کام کرنے دیا جائے اور جب اس کی عمر ستر برس ہو جائے تو اسے حقی طور پر ریاضت کر دیا جائے اگر کوئی ملازم فیکٹری یا ادارے کے حدود میں یا کام کے دوران زخمی ہو کر معذور ہو جائے تو اسے دریا مضرت پہنچنے سے پہلے بھی ریاضت کیا جاسکتا ہے۔

نظام دریاضت کا حصہ بننے والے ملازمین کی تنخواہوں سے ملحقہ اور میں رقم تنصاف کی جائے جس سے ان کی تنخواہوں اور روزمرہ زندگی پر اثرات مرتب نہ ہو۔ یہ کوئی اور ریاضت ہونے کے بعد واقعی "فی صد" کے حساب سے ہونی چاہئے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ لہذا جس سے کم رقم کافی جائے گی اسے کم رقم واپس کی جائیگی اور جس سے زیادہ رقم کافی جائیگی اسے زیادہ رقم واپس کی جائیگی۔

جز (4) دریا مضرت ملازم کو ملنی والی رقم کی مقدار

دریاضت ہوجانے والے ملازم یا اس کے رشتہ دار کو ریاضت ملازم کو ملازمت میں لاتی رقم ملنی چاہئے جسکی ایک عام شرح کے لئے ملتی جہت بات ہے وقت بیت المال میں شخص کو کم رکھی جاتی ہے۔ اس سے کم ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ملتی جہت باغی ملک کی کثرت و قلت کو یکساں کرانہ کے حساب سے تیار کی جاتی ہے۔ جس میں ہر فرد کے لئے اتنی رقم تنصاف کی جاتی ہے کہ اگر وہ میدانہ روی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہئے تو یہ رقم اس کی ضرورت بات زندگی کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ اب اگر وہ شہری ہنرمند ہو اور کام کرنے پر بھی قادر ہو تو اسے اس کا مخصوص وظیفہ کسی سرکاری خدمت کے عوض دیا جاتا ہے۔ اور اگر چنانچہ نہ ہو تو کام پر قادر نہ ہو تو اسے اس کا وظیفہ لینے کوئی کام کئے دیا جاتا ہے۔ ملازم کو ملنی والی رقم کم از کم اتنی ضرور

ملنی چاہئے جو ایک سرکاری ملازم کو ریاضت کے بعد ملنی ہے۔ اور سرکاری ملازمت سے دریا مضرت کے ملنی والی رقم اس شخص کے لئے ملتی جہت میں شخص کے لئے حصے سے کم ہرگز نہ ہونی چاہئے۔

تیسری فصل "انشورنس"

یہ فصل دریا مضرت پر مشتمل ہے

جز (1) انشورنس کی تعریف اور اس کا حکم

انشورنس کہتے ہیں: لوگوں کو مستقبل میں ورثہ ملنی، جانی اور کاروباری خطرات و نقصانات کا ازالہ اور تلافی کسی افسان یا ادارے کا اپنے ذمہ لینا۔

انشورنس کا نظام ترتیب دینے والوں کا "تصد کاڑی یا سامان کی انشورنس کے لئے ساتھ شخص یا ادارے کی مال دکر ہے۔ یہ ہر دو اس رقم سے کی جاتی ہے جو اس نظام میں حصہ لینے والے ارکان ملان یا سالانہ جمع کرتے ہیں۔ اور ساتھ رکن کی ہر داس کی جمع کی ہوئی رقم کے حساب سے کی جاتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں انشورنس کی بہت ساری اقسام متعارف ہیں جن میں سے اکثر اسلامی اصول و ضوابط کی کوئی پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہیں۔ چونکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اطمینان اور بھائی چارہ کی ایک ایسی مضبوطی سے جوڑتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو جسد واحد کی مانند گردانتا ہے۔ اس طور پر کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوئی ہے تو سارے اعضا بیمار اور شہید ہونے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ لہذا جب کسی مسلمان کی حادثے کی صورت میں جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو دوسرے مسلمان ازراہ جہد و جدی اس کے آسوپہ پیچھے کر اس کے ہونے والے نقصان کا ازالہ کرتے ہیں۔ اور اپنی اسوئ میں اس کا حصہ کاٹنا اپنا ہی فریضہ سمجھتے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّنْهُ لَلْغَلَّالِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (المعاتج 24)۔ (اور جب کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے لگنے والوں کا بھی اور رسول سے پہنچے والوں کا بھی) لہذا جب ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد و اپنا ہی فریضہ سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو انشورنس کمپنیوں کی

قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ جب مسلمانوں کے برعکس کفار کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کا وہ لفظ نہیں ہوتا جو مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا انہیں ان جیسے اداروں کی بہر حال ضرورت ہے جو مختلف حادثات، واقعات اور مصائب میں ان کی مدد کر کے ان کی تکلیف دور کر لیں۔

البتہ انٹورنس کی ایسی کوئی خاص قسم جس میں کوئی شرعی تقاضہ نہ ہو اور اس کی مخصوص شرائط ہوں جو اس قسم کے انٹورنس کو اسلام میں نہیں کرنا کمال اس کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ اسلامی اصول ہے کہ "المسلمون على سنو وطبقه الا شرطا اهل حواصا و حرم حلالا" (مسلمانوں کو شراب کی آزادی ہے مگر ایسی شراب (سج) ہے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کرے) سو وہ عمل جس سے مسلمانوں میں اخوت اور بھائی چارہ کا تعلق مضبوط تر ہو مسلمانوں کے دھار میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہو۔ اس کے متعلق ایک دوسرے کے ساتھ ملکی اور بھائی میں تعاون جیسے ہوں اور اس میں کوئی شرعی تقاضہ بھی نہ ہو تو ایسا عمل نہ صرف جائز بلکہ محسن ہے۔

جز: (2) جائز انٹورنس کی حقیقت اور اس کی شرائط

انٹورنس کی جس قسم کی اسلام جاہل و جاہلہ سے یہ ہے کہ ایک ہی پیشہ یا کاروبار سے منسلک افراد مثلاً اور تھانگ کے پیٹنے سے وابستہ تمام ڈرائیور اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہرگز اس صندوق میں ہمارا اتنی رقم جمع کر لیجے کہ اس بات کی نیت ہو کہ ہرگز اس بات سے جس کی کوئی حادثہ پیش آئے جس کی وجہ سے اس کا جائی یا مالی نقصان ہو جائے جو جمع شدہ رقم سے اس کی مدد کی جائیگی۔ تاکہ وہ اپنے علاج اور گازی کے ٹھیکہ کرنے پر تے والے اخراجات پوری کر سکے۔ یا گاڑی کی گھر سے سرنے والے کی دیت اور کر سکے۔ اس قسم کی انٹورنس میں جب مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔

جائز انٹورنس کے شرائط:

(1) نیت کی برکتی۔ یعنی جس اہل عمل میں شرکت کو تعاون ملی البتہ گھر ہوئے اسے اپنا اپنی "وہو مصیبت زدہ شخص کے ساتھ ہمدردی سمجھیں۔ جس کا حکم اللہ نے ان آیات میں دیا ہے: ﴿وَنَعَاوَنُوْا عَلٰی الْبِرِّ وَالْفُتُوْرِ﴾ (العنابدہ 2)۔ (شکل اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد

کرے رہو) ﴿وَنُوْا صَوَابًا وَالْبَصِيْرَ وَنُوْا صَوَابًا مِّنْ حَمْدِ﴾ (البطلدہ 7)۔ (اور ایک دوسرے کو سب کی اور تم کرنے کی وصیت کرتے رہیں)۔

(2) مقررہ رقم اپنی خوشی اور اختیار سے دے۔

(3) تمام امکان ان رقم جمع کرنے میں سادی ہوں۔ ہاں جو اپنی مرضی و فطرت سے مقررہ رقم

سے زائد دینا چاہتے ہوں اس کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(4) جن لوگوں کو حادثہ پیش آئے انہیں ملتی دہلی رقم بھی سادی ہو۔

(5) اگر کوئی رکن ناراض ہو کر یا بلاشبہ رقم جمع کرنے سے عاجز ہو کر اپنی رکنیت ختم کر دے تو

وہ اپنی جمع شدہ رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ جو کچھ اس نے جمع کیا ہے وہ قبل اور بعد کی نیت سے کیا ہے اور صدق کرنے کے بعد واپس لینا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، "المعاند فی ہبہ کالعائد فی فبہ" (رواہ البخاری) (بہرہ کر کے واپس لینے والا ایسا ہے جیسا کہ اپنے لئے ہوئے قی جائے والا)۔

(6) تنظیم جمع شدہ رقم کو بڑھانے یا کسی اور غرض سے سوئی۔ معاملات میں نہیں لگا سکتا۔ یا اس

ایسے غیر سودی معاملات جیسے تجارت اور صنعت و حرفت و تعمیر میں لگا سکتا ہے جس سے وہ مسلسل بڑھتا رہے۔

(7) تنظیمیں اس امر چلانے والے ٹیکے جیسے کاتب، محاسب اور حافظہ وغیرہ اپنی خدمات اور کام

کے عوض میں مقررہ رقم سے تنخواہ کی صورت میں لے سکتے ہیں۔

تنبیہ

حکومت اور دیگر غیر اعلیٰ و اعلیٰ اداروں پر لازم ہے کہ اس جتنی تنظیموں اور کمیٹیوں کے ساتھ

مالی تعاون کر کے ان کا حوصلہ بڑھائیں۔ تاکہ یہ لوگ کامیاب بن سکیں اور منظم طریقے سے مصیبت زدہ اور حادثات کے شکار لوگوں کی مدد کر سکیں۔

نہ دے تاکہ اس کی وجہ سے پورے مملکت پر مادی نہ ہو اور خلافت اسلامیہ کا سفر ارتقا نہ پوری آج آپ کتاب کے ساتھ اپنے مقاصد کے حصول میں مصروف کار رہے۔

جز (3) دار فہر میں اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز - سفارت خانہ ہے۔

خلافت اسلامیہ کا سفارت خانہ خواہ کسی بھی ملک میں ہو اس ملک کے اندر اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز ہوتا ہے اس لئے سفارت خانوں کی خدمات میں ایک ذریعہ ہر اہل سرہ مسجد کے لئے نفیس ہو چاہئے۔ جس کی حجت پر کھڑے ہو کر پانچویں نمازوں کے لئے نوافل اور اذکار کے آواز دے اور آواز کے بعد سفارت خانہ داران کے علاوہ وہاں درجہ دوم مسلمان پانچویں لوگات کی نمازیں، عزت اور کریں جس کی امامت سفارت خانہ میں موجود اسلامی علماء کرتے۔ تاکہ یہ چھوٹی سی مسجد اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ کا مرکز بن جائے۔

وقات پر مامور علماء سی مسجد میں اسلام کے متعلق دلچسپی لینے والوں کو جمع کر سکتے ہیں اسلام کے متعلق معلومات فراہم کریں و مسلمانوں کو دین و تربیت کے سہولیات سکھائیں۔ انہیں اسلامی کتب درس سیکھیں۔ وہ علم و فہمت اور درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کو دین اسلام کے متعلق بہتر درسی مسکن بنائیں۔ انھیں یہ سفارت خانہ ہر اعتبار سے ایک دینی و اسلامی مرکز کا منظر پیش کرے۔ تاکہ اسلام کی دعوت پر ہر مسلمان اور نہ ہر مسلمان اسلامیت کا اہم فریضہ ہے و احسن طریقہ سے ادا ہو۔

آٹھواں باب

شعبہ افتاء یا مجلس تشریعی:

اس میں ایک فصل ہے جو تین اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) شعبہ افتاء یا مجلس تشریعی کی ضرورت و اہمیت

کسی بھی سماں ملک میں ایک ایسے ادارے کا قیام دینی سے خلافت کے دینی امور اور معلومات و مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کرنا۔ ایسے۔۔۔ مجلس تشریعی یا افتاء کا قیام کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فاسئلوا اهل الذکر ان کم لا تعلمون** (الحج 43) (پس آئیتم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو) اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: **فاسئلوا ذلک حبر و احسن**۔ **فردہ الی اللہ و سئلہ ان کنتم منہم من لدہ** (البقرہ 129) (پھر اگر کسی چیز میں اختلاف نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی طرف اگر نہیں اللہ پر اور قیامت کے دن براہین ہے۔ بہت بہتر ہے اور بہتر انجام کے سمت چلنا ہے)

جز (2) مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کے ارکان

مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کا عمل پانچ ارکان پر مشتمل ہونا چاہیے جن میں سے مراکب عالم اسلام کے ان چند علمی شخصیات میں سے اہل دین و علم جو اہل حق و عدل میں اعلیٰ مقام رکھتا ہو۔

جز (3) مجلس یا شعبہ افتاء کی ذمہ داریاں

مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کی اہم ذمہ داریاں یہ ہیں کہ خلافت کی جانب سے پیر کے لئے ہر مسئلہ کی قرآن و حدیث کی روشنی میں مکمل تحقیق کر کے جواز یا عدم جواز کا حکم صادر کرے اور اس کو مدد کر کے قائل عمل بنائے۔ جس سے کوئی بھی شخص کسی بھی صورت میں مستحق نہ ہو۔ اور یہ بھی کہ امام، امام زاد

